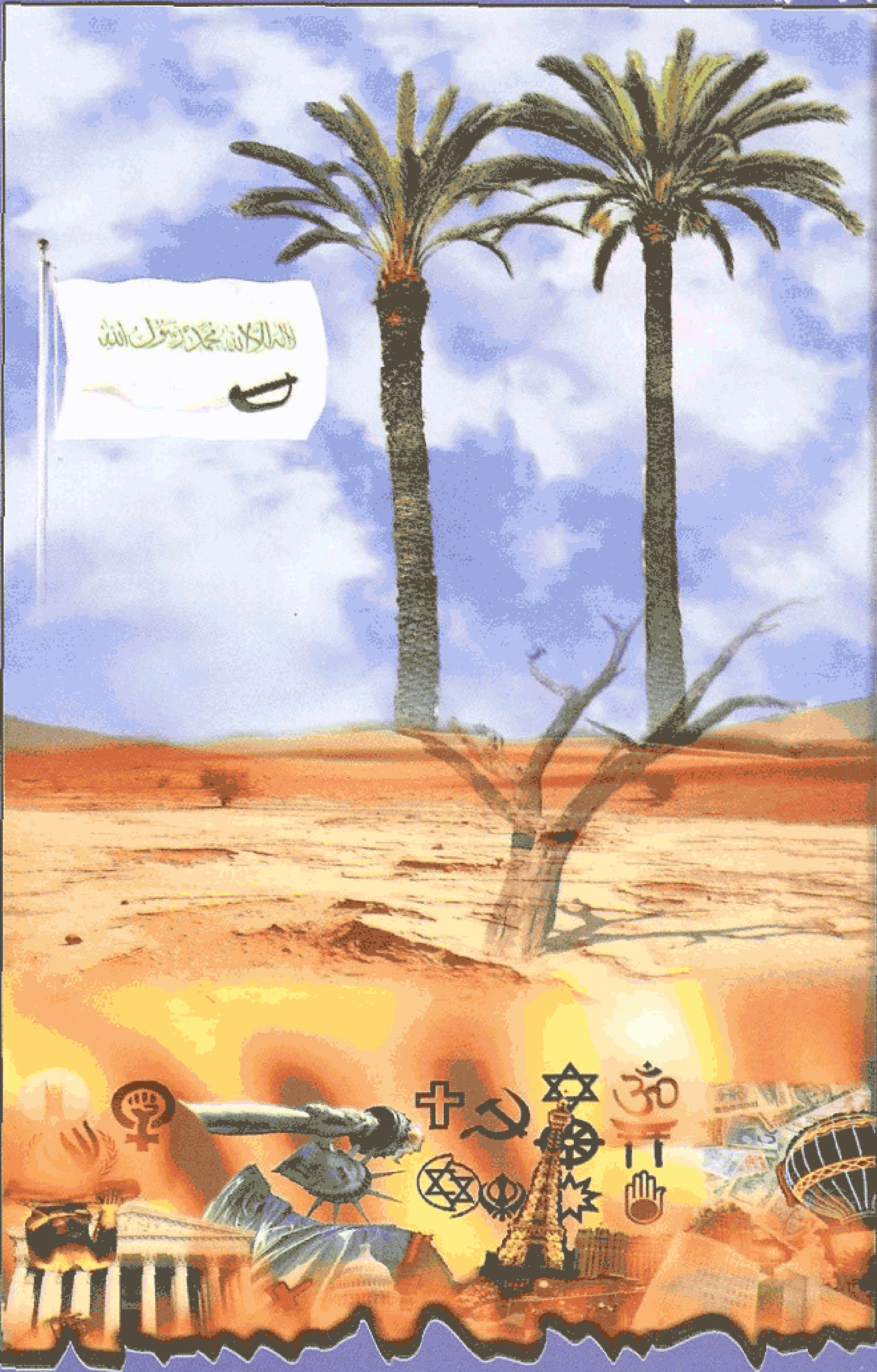


مؤحد تحریک

حامد کمال الدین

سلسلہءمضامین

توحید.. تحریک تا معاشرہ

حصہ اول:

موحد تحریک

توحید ..تحریک تا معاشرہ
1

موحد تحریک

حامد کمال الدین

مطبـــــوعات ایقــــــاظ

طبع اول: ذوالقعدۃ ۱۴۲۸ھ، نومبر ۲۰۰۷ء

عنوان: روبہ زوال امیریکن ایمپائر
عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں

مؤلف: حامد کمال الدین hamidateeqaz@gmail.com

ناشر: مطبوعات ایقاظ

اسٹاکسٹ:

تخلیقات:

مکتبہ قدوسیہ:

دارالاندلس:

المسعود:

برائے رابطہ ووی پی:

مطبوعاتِ ایقاظ

۶۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

Ph: 042-7530541 / 0323-4031634

www.eeqaz.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ

أما بعد۔

زیرِ نظر، عقیدہ کے چند تحریکی وسماجی جوانب پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے جن میں سے بیشتر سہ ماہی ''ایقاظ'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ کچھ ترمیم واضافہ کے بعد اس سلسلہ کا یہ پہلا حصہ بہ عنوان ''موحد تحریک'' اب کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ دوسرے حصہ کے مضامین جو کہ ''موحد معاشرہ نہ کہ تیسری دنیا'' کے عنوان کے تحت اس وقت ''ایقاظ'' میں دیئے جا رہے ہیں، مکمل ہو جانے پر کتابی صورت میں شائع کئے جائیں گے۔ سلسلۂ مضامین کا تیسرا حصہ ابھی لکھا جانا ہے۔

فہرست

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الأنعام:۱۲۲)

”تو کیا وہ شخص جو کبھی مردہ تھا پھر ہم نے اسے ایک زندگی دے دی، اور اس کو ایک نور بخشا کہ جسے لے کر وہ بھری دنیا میں چلتا ہے، اس کی مثال اس شخص جیسی ہو سکتی ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہے اور کبھی ان سے نکلنے والا ہی نہیں؟ اسی طرح ہی، کفر کرنے والوں کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھا دیئے جاتے ہیں“

حمد (۱)

حمد خدائے ذوالجلال کی، جس نے ہمیں نعمتِ توحید کی قدر آشنائی دی۔

جس نے ہم پر آشکارا کیا کہ ملتِ ابراہیمؑ سے منہ موڑے تو اک وہی شخص جو دامنِ ہوش چھوڑ گیا ہو۔

جس نے ہمیں از بر کرایا کہ کوئی خیر ہم میں یا ہمارے جینے میں نہیں اور نہ کسی بھلائی کی اپنی دنیا میں ہم کبھی آس رکھیں جب تک کہ ہم اللہ رب العالمین کی توحید پر قائم نہ ہو جائیں، بلا شرکتِ غیرے اُس کی بندگی کرتے ہوئے اور خالصتاً اُس کے رسول ﷺ کے پیرو ہو کر۔

جس نے ہمیں شعور بخشا کہ کسی سے لو لگائیں تو خدا واسطے کی، کسی سے دشمنی کریں تو خدا تعلق سے، ہماری دوستی ہو تو خدا کیلئے، محبت ہو تو اُس کی خاطر، بغض اور براءت ہو تو اُس کی حمیت میں، کسی کو دیں تو اُس کی طمع میں، نہ دیں تو اُس کی غیرت میں۔

جس نے ہمیں یہ راہ دکھائی کہ ہمارے دنیا و آخرت کے جملہ امور اور ہماری دین و دنیا کی سب سرگرمیاں اُسی کا چہرہ پانے کا عنوان ہو جائیں۔ اِسی کی بنیاد پر ہم اپنے نفوس کے ساتھ مجاہدہ کریں اور اِسی کی بنیاد پر ہم مخلوق کو اِس راہ پر لے آنے کیلئے جہاد کریں اور عالمِ انسانیت پر آشکارا کریں کہ یہ ہے انبیاء و مرسلین کا دین:

"تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا تو وہ یہی وحی دے کر کہ نہیں کوئی لائق بندگی و پرستش مگر میں ہی۔ پس پوجو تو مجھے ہی" (۲۵:۱۰)

---

(۱) اردو استفادہ از شیخ سفر الحوالی، محاضرہ: "من مقتضيات التوحيد"

"ہم نے ہر امت میں ایک پیغام بر بھیج دیا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے دامن کش رہو" (۳۶:۱۶)

یہ ہے اِس دینِ عظیم الشان کا وہ اصل جوہر ___ توحید ___ جسے دے کر اُس نے ہمیں جملہ اقوام میں ممیّز کر دیا۔ یہ ہے وہ سب سے بڑی نعمت اور وہ سب سے بڑا احسان جو جہانوں کے مالک نے ہم امتِ اسلام پہ کر رکھا ہے۔

تو کیا پھر ممکن ہے کہ ایک شخص جو اُس کو پہچان چکا ہے، جو اُس کی یکتائی کا ہر دم معترف اور اُس کا کوئی ایک بھی شریک ٹھہرائے بغیر اس کے ساتھ رشتۂ وفا و بندگی استوار رکھتا ہے، اور دوسرا شخص جو اُس کی بنائی ہوئی مخلوق کو اُس کا ہی ہم مرتبہ و ہم سر ٹھہراتا ہے، اُس کے ہاں ایک برابر ہوں؟

خدا کے ہاں تو کبھی برابر نہ ہوں گے!!!

حمد اس ذات کی جس کی توحید کا دامن پکڑنا دنیا و آخرت میں نجات کا سہارا ہے:

"یقین مانو جس نے اللہ کے ساتھ کوئی شریک ٹھہرایا اللہ نے اس پر جنت تو حرام ہی کر دی۔ اس کا ٹھکانہ البتہ جہنم ہے۔ اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں" (۵:۷۲)

حمد اس ذات کی جس کی توحید پر رہ کر، اور اس کی طرف، پوری زندگی رسول اللہ ﷺ نے پکار لگائی اور مرتے دم تک جہاد کیا..

حمد اس ذات کی جس کی توحید ہی اس جہادِ بے مثال کا محرک رہی جو اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے اس کی محبت میں سرشار اور اُس کے اِس خاص راستے اور مشن کا پابند رہ کر کیا اور جس کی خاطر وہ اپنے اس بنجر جزیرے سے نکل کر زمین میں شرق تا غرب پہنچے.. ایک ایسا واقعہ جو کہ آج تک تاریخ کے طالبعلموں کی نگاہوں کو خیرہ کئے جاتا ہے..!!!

عرب کے ریگزار سے ایک قوم نکلتی ہے.. اِس کے پاس نہ کوئی تہذیب ہے جو یہ اپنے آبا کے نام سے پیش کر سکے اور نہ کوئی علوم وفنون اور سائنس۔ کوئی ایسے تاریخی مفاخر نہیں

جو اقوامِ عالم پر اِس کی دھاک بٹھا لیں۔کوئی قدریں نہیں جو اِس کا حوالہ بنیں سوائے ایک موروثی جاہلیت کے اور کچھ فرسودہ رسم و رواج کے۔مگر یہ کمال اعتماد سے اطرافِ عالم میں سیادت کے مشن پر نکلتی ہے اور دنیا فوج در فوج اس کے ساتھ ہو لیتی ہے اور اس کی آواز میں آواز ملا کر تنہا رب العالمین کی بندگی کرنے لگتی ہے..

حمد اس ذات کی...... کہ تاریخ میں جھانکنے والی شرک گزیدہ قومیں جہاں بوسیدہ بستیاں کھودتی اور اوندھے منہ پڑی تباہ شدہ تہذیبوں کو ٹٹولتی پھریں، وہاں اس نے انبیا کا وہ نفیس ترکہ جو کہ عالمِ انسان کا سب سے عظیم اور سب سے بیش قیمت ورثہ ہے، پورا کی پورا اب قیامت تک کے لئے ہمارے ہی حصے میں کر دیا...... کہ انبیا اپنے ورثے میں سونا چھوڑ گئے اور نہ چاندی۔ چھوڑا تو علم چھوڑا۔جس کا اصل سِرا خدا کو جاننا ہے اور اس کی یکتائی کا پتہ پاس رکھنا:

''پس پاؤ پتہ اس بات کا کہ نہیں کوئی پرستش کے لائق سوائے ایک اللہ.. '' (۱۹:۴۷)

جس نے رہتی دنیا تک کیلئے یہ انتظام کر دیا کہ اسی عقیدے پر استقامت اختیار کر کے یہاں ''تجدید'' کی دعوتیں کھڑی ہوتی رہیں اور ہر صدی میں ہی اس امت کیلئے اس کے دین کو پھر سے نیا اور تر و تازہ کر دیا کریں..

حمد صرف اور صرف اسی ذات کی..

****

درود (۱)

درود اور سلام محمد ﷺ پر ..

کہ جن کی راہ سے، خدا نے زمانے سے جہالتیں سے دور کیں.. نابیناؤں کو بینائی دی اور گم گشتوں کو منزل دِکھائی ..

کہ جنہیں بھیج کر خدا نے انتظام کیا کہ بند آنکھیں کھلیں، بہرے کان سنیں، سینوں پر پڑے قفل ٹوٹیں اور دلوں پر چڑھے پردے زائل ہوں۔

برکات خدا کے بندے اور خدا کے رسول ﷺ پر جو اس امرِ خداوندی کو لے کر تنِ تنہا کھڑے ہوئے اور کوئی بات انہیں اس کو نقطۂ تکمیل تک پہنچانے سے باز نہ رکھ پائی۔ جو اس دعوت کا فریضہ ادا کرنے پر آخر دم تک ثابت رہے اور جن کے صبر و استقامت نے ہر وہ کوشش اور ہر وہ تدبیر بے اثر کر دی جو آپ ؐ کو اپنی راہ چھڑوانے کیلئے کبھی عمل میں لائی گئی۔

تا آنکہ زمین آپ ؐ کی رسالت سے بقعۂ نور ہوئی، کہ اس سے پہلے ظلمتوں سے ڈھک گئی تھی۔ قلوب توحید کی اس لڑی میں پروئے گئے، کہ اس سے پہلے ان کا شیرازہ ہر طرف بکھرا پڑا تھا۔ آپ ﷺ کی دعوت کا آفتاب ہر طرف شعاع ریز ہوا۔ مشرق تا مغرب

---

(۱) اردو استفادہ از مقدمہ "مفتاح دار السعادہ" مؤلفہ امام ابن القیمؒ صفحہ ۱۱

جہاں جہاں تک رات دن کی رسائی ہے وہاں وہاں تک آپ ؐ کا دین پہنچا اور اک پوری بصیرت سے خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی ہونے لگی۔

پھر جب خدا نے آپ ؐ کے ذریعے دنیا میں ہر سُو روشنی کر دی، دین مکمل فرما دیا اور اپنے اہلِ ایمان بندوں پر اپنی یہ نعمت تمام کر دی تب اس نے اپنے اس خاص بندے اور رسول ﷺ کو اپنے ہی پاس لے جانے کا اقتضا کیا۔ رفیقِ اعلی میں اسے مقامِ کرامت واعزاز سے سرفراز کیا اور جنّاتِ خلد میں اسی کو سب سے بلند ونا مور رکھا۔

رحمتیں ہوں سید المرسلین ؐ پر کہ اپنی امت کو اس روشن شاہراہ پر چھوڑ کر گئے جہاں کبھی کوئی نہ بھٹکے گا سوائے اک اُسی شخص کے جو ہے ہی برباد ہونے کیلئے۔

صلوَات ہوں خدا کی آپ ﷺ پر اور آپ ؐ کی پاک وبرگزیدہ آل پر۔

****

ابتدائیہ

''توحید.. تحریک تا معاشرہ''

''توحید'' کو اسلام، ایمان، احسان اور جملہ امورِ دین کا ایک مستقل مدخل بنا دینا اور دین کے کسی بھی گوشے تک پہنچنے کیلئے ہر بار اسی راستے سے گزرنا ایک خاص منہج ہے جو رسولوں اور کتابوں کے اسلوب سے تو عیاں ہے ہی، خصوصاً خدا کے آخری رسول ﷺ اور خدا کی آخری کتاب سے، اس منہج پر خدا کے وہ خاص اولیا بھی ہر دور میں پائے گئے جن کو ورثۂ نبوت سے ایک حظِ وافر نصیب ہوا اور جو ہر دور میں مسلم معاشروں کو پستیوں سے بلندیوں کی سمت کھینچتے اور یوں عملِ تجدید کا حق ادا کرتے رہے۔

حکمت کا یہی اصل سِرا ہے اور وہ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے۔

اسلام کے کئی ایک خطے آج پھر سے اس تجدیدی احیاء کی نعمت پانے لگے ہیں جس میں "عقیدہ" زمانے کی صدا بنا دیا جاتا ہے۔ ہم بھی اپنے اور اپنی آج کی تحریکوں اور اپنے معاشروں کیلئے خدا سے اُس کی اِسی نعمتِ خاص کے سوالی ہیں..

اللهم اهدنا فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شر ما قضيت.

****

"توحید" کی دعوت کبھی کسی دور میں بھی آسان نہیں رہی۔ آج بھی آسان نہیں۔ یہ اس راستے کا اعزاز ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ اس راہ پر انبیا چلتے رہے! ہر دور اس دعوت کے لئے کچھ اپنے ہی انداز کے چیلنج لے کر آتا ہے۔ آج اِسے جو خاص چیلنج درپیش ہیں، ضروری ہے کہ توحید کی کسی بھی خدمت سے پہلے ان کا کچھ ادراک کر لیا جائے۔

موحد معاشرے کی ایک ازسرِ نو بحالی بھاری کام ہے۔ اس کا یہ بھار اٹھانے سے ہی اٹھے گا مگر

اس سے بھی پہلے ضروری ہے کہ اس کو ایک بار نظر میں کرلیا جائے۔ ہوسکتا ہے یہ اتنا بھاری نہ ہو جتنا کہ سمجھ لیا جاتا ہے اور اس تاثر کے باعث اِس وادی کا رخ کرنے سے ہی گریز کیا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اتنا آسان اور مختصر نہ ہو جتنا کہ ہمارے کچھ اصحاب فرضِ توحید کو معاشرے کے اندر سمجھ لیتے ہیں اور معمول کے چند امور کی انجام دہی کو ہی اس سے عہدہ برآ ہوجانے کیلئے کافی خیال کرتے ہیں!

کسی معاملے کی وسعت اور گہرائی کا پیشگی اندازہ ہوجانا اور اس سے متعلقہ امکانات ومؤیدات کا نگاہ میں آجانا اس کے باحسن اسلوب سرے لگ جانے میں ممد رہتا ہے۔ یہ سلسلۂ مضامین اپنے دور میں دعوتِ توحید کے راستے کی مشکلات اور کامیابی کے امکانات ہر دو کو نگاہ میں لانے کی ہی ایک کوشش ہے۔

******

شیطان کو سب سے زیادہ بغض اِس بات سے ہے کہ زمین میں اللہ کی بلاشرکتِ غیرے بندگی ہونے لگے اور زمین کے کسی خطے میں شرک پر دائرۂ حیات تنگ کردیا جائے۔ شیطان کی سب سے بڑھ کر کوشش ہوگی کہ توحید کو کہیں پر سکہ رائج الوقت نہ بننے دے۔

شیطان کا بس چلے تو وہ پوری دنیا سے شرک کروالے مگر ہر بات پر اسے طاقت دی نہیں گئی۔ امت محمدؐ میں اللہ کا شکر ہے ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتے۔ البتہ ایسے لوگوں کی تعداد ___ آج اس دور میں ___ یہاں خاصی کم ہے جو معاشرے میں شرک کی راہ روک کر کھڑے ہوں۔ جو لوگ شرک نہیں کرتے ان کا اصل کام تو یہ ہے کہ وہ حتی الامکان شرک ہونے بھی نہ دیں اور معاشرے کے اندر شرک کے راستے مسدود کردیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ ہے ہی اس قدر برگزیدہ۔ خود رسول اللہ ﷺ امت میں ہوتے تو وہ اسی کام کو ترجیح دیتے۔ رسول اللہ ﷺ آج ہم میں بنفسِ نفیس موجود نہیں البتہ یہ معلوم امر ہے کہ آپؐ کا مشن یہی ہے۔

ہم ظلم کریں گے اگر یہاں موجود کسی خیر کو کمتر جانیں۔ بلاشبہ یہاں شرک سے دستکش رہنے والوں کی تعداد کم نہیں، جو کہ نماز وروزہ حتی کہ دعوت، تبلیغ اور جہاد ایسے فرائض کو بھی مقدور بھر قائم کرتے ہیں۔ البتہ توحید کو اس عمل کی باقاعدہ بنیاد بنادیا جانا کہ یہ اُن کی دعوت، تبلیغ، تعلیم، اصلاح، جہاد اور تبدیلی کی سب کوششوں کا اساسی محور بن جائے، ایک اور چیز ہے جو کہ الگ سے ایک محنت مانگتی ہے۔ ان دو باتوں میں کیا فرق ہے، یہ سلسلۂ مضامین اسی سوال پر روشنی ڈالنے کی ایک کوشش ہے۔

******

بہت سے لوگ آج اگر کھلا کھلا شرک نہیں کرتے اور دوسری طرف ایک بڑی تعداد اگر ایسی ہے جو شرک کی متعدد نئی اور پرانی صورتوں کا شکار ہے.. تو شیطان کم از کم بھی یہ چاہے گا، بلکہ اسی کو غنیمت جانے گا، کہ یہ مسئلہ معاشرے میں باعثِ نزاع نہ ہو جائے!

دو گروہوں میں اس بات پر صاف صاف ٹھن جائے کہ بندگی اور پرستش کا ___ ہر معنی میں ___ حق کسے ہے اور اطاعت کروانا اور اپنا قانون چلانا کس کو سزاوار ہے، اللہ کو یا اسکے ماسوا ہستیوں کو؟ تو اس میں جاہلیت سراسر خسارے میں رہے گی۔ پس اس ایک بات پر جس قدر مٹی ڈال دی جائے اس کی نظر میں کم ہے۔ اس مسئلہ کو جتنا حاشیائی اور متروک الرواج کر دیا جائے اس کی نگاہ میں اچھا ہے۔ اس کیلئے جاہلیت کا طریقہ یہ ہوگا کہ لوگوں کو اس ''اختلاف'' پر آنے ہی نہ دیا جائے! بندگی اور عبادت کو اِس کی سب اشکال سمیت زمانے کا موضوع نہ بننے دیا جائے اور ہو سکے تو اس کو ایک اختلافی اور فرقہ وارانہ مسئلہ بنا کر رکھ دیا جائے۔ بلکہ آدمی کے پڑھا لکھا اور معقول ہونے کی یہ علامت ٹھہرا دی جائے کہ وہ 'اختلافی مسائل' کے ذکر تک سے دور بھاگے اور اس پر معاشرے میں تنازعہ برپا کر دینا فساد جانے۔ انبیا کی دعوت میں وہ مسئلہ کس قدر مرکزی تھا، آدمی کی بلا سے سب غیر متعلقہ ہو!

یہ ایک تاثر ہے اور اسکو قائم کر دینے میں جاہلیت جس قدر کامیاب ہے آج آپ کے سامنے ہے۔ بڑے بڑے اچھے اور موحد گروہ بھی اگر معاشرے میں کسی بڑی سطح پر مقبولیت کے طلبگار ہوں، جس میں کہ اصولاً کوئی برائی نہیں، تو ان کو ایسے اپنے ہر امتیاز سے دستبردار ہونا پڑے گا جو شرک سے برہنہ دشمنی اور غیر اللہ کی خدائی سے کھلا بیر ایسی پہنچان رکھ کر ہی قائم ہوتا ہے۔ قومی دھارے میں شریک ہونے کیلئے ہر مذہبی گروہ اور ہر دینی جماعت پر یکساں لازم ہے کہ وہ یہاں رواداری کا کچھ ایسا مظاہرہ کرے جس سے واضح ہو کہ وہ کسی ایسے بنیادی مسئلے کو اٹھانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی جس کا کھڑا کیا جانا جاہلیت کیلئے سوہانِ روح ہو، چاہے وہ شرک اور توحید کا نزاع کیوں نہ ہو اور بے شک وہ "ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت"(۱) کی صدائے پیغمبرانہ کیوں نہ ہو۔ زیادہ ہوا تو یہ اسکا ایک ذاتی یا پھر جماعتی

(۱) سورہ النحل 36 : ''بندگی کرو ایک اللہ کی اور دامن کش رہو طاغوت (کی بندگی) سے''

اعتقاد رہ جائے جس کو معاشرے کا باقاعدہ مسئلہ بنانے کی کوئی خاص ضرورت باقی نہ رہے!

شیطان زور بھی لگا لے تو وہ اس ساری کی ساری امت کو شرک میں نہیں دھکیل سکتا۔ اس کو سارا زور اب اسی بات پر لگا دینا ہے کہ جو کوئی یہاں شرک کرتا ہے شرک نہ کرنے والے اس کے منہ نہ آئیں اور نہ ہی اس شرک کی گندگی اور پلیدی کا یہاں کہیں ذکر ہو، خواہ وہ دعا اور سجدے کا شرک ہو اور خواہ وہ تہذیب اور حاکمیت کا شرک۔ شرک کے ساتھ اس رواداری کا مظاہرہ ہو جانے لگے تو یوں سمجھیے شیطان کا کام ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسے معلوم ہے امتِ محمد ﷺ میں اسے کچھ ملنے والا نہیں۔

اسے جاہلیت کی ایک چال کہیے یا ایک مجبوری، ہر دو صورت اس کا نگاہ میں رہنا البتہ ضروری ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ رواداری کی بابت بعض مفہومات درست کر لئے جائیں۔ پس اس کا آپ ہمارے ان مضامین میں جابجا ذکر پائیں گے۔

****

توحید کی دعوت دنیا میں سب سے مشکل اسی وقت تھی جب اللہ نے اپنے آخری رسولؐ کو یہاں مبعوث فرمایا۔ ایک ایسی اڑیل اور ہٹ دھرم قوم جس سے رسول اللہ ﷺ کو واسطہ پڑا کسی اور کے قابو میں آنے والی نہ تھی:

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا (مریم:۹۷)	ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں بہت ہی آسان کر دیا کہ تو اس کے ذریعے سے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے اور جھگڑالو قوم کو ڈرا دے

دنیا کے اس قدر بڑے بڑے دیوہیکل بت خانے، اس قدر مضبوط کافرانہ تہذیبیں جو صدیوں سے انسانی ضمیر پر مسلط اور انسانی شعور پر کنڈلی مار کر بیٹھی تھیں...... پھر اہلِ کتاب کی ہی اتنی بڑی بڑی دکانیں جن کا نبیوں اور صحیفوں کے نام پر سکہ چلتا تھا...... اور پھر جہان میں پائے جانے والے اتنے پیچیدہ فلسفے کہ جن کا کوئی اول اور نہ آخر...... اور پھر ایسی پُر ہیبت متجبرانہ

سلطنتیں جن کا جہان میں ڈنکا بجتا تھا...... ان سب کا یوں خاک میں مل جانا سوائے اس کے کسی صورت ممکن نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس اس امت کی تربیت اور تعلیم کا بیڑا اٹھائیں اور بنفسِ نفیس اس عمل کی قیادت کرتے ہوئے یہاں جاہلیت کے خلاف علمِ جہاد بلند کریں اور ازالۂ باطل میں اس پیشرفت کو ایک خاص نقطے تک پہنچا کر جائیں:

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البينة: ١......٣)	اہلِ کتاب کے کافر اور مشرک جب تک کہ ان کے پاس ظاہر دلیل نہ آجائے باز رہنے والے نہ تھے (وہ دلیل یہ تھی کہ) اللہ تعالی کا ایک رسول جو پاک صحیفے پڑھے جن میں صحیح اور درست احکام ہوں (۱)
هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (الصف: ٩)	وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے کے پورے دین پر غالب کردے، خواہ مشرکین کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو (۲)

جو کام صرف رسول اللہ ﷺ کے کرنے کا تھا اور کسی اور کے بس میں نہ ہوسکتا تھا وہ آپؐ نے بدست خود انجام دیا۔ امت کیلئے آپؐ نے وہی کام چھوڑا جو امت کرسکتی تھی۔ امت کو ایک راہ پہ ڈال دینا اور اسے اس کیلئے ایک پختہ راستہ بنا جانا تا آنکہ وہ کسی بھی دیکھنے والے کی نگاہ سے اوجھل نہ ہو پائے، اللہ کے رسولؐ ہی کا کام تھا۔ آپؐ کے بغیر جس طرح اس راستے کا سراغ ملنا دشوار تھا اسی طرح آپؐ کے بعد اب کسی کو اس راستے کا سراغ نہ ملنا انہونا ٹھہرا۔ یہ وہ فرق تھا جو انسانی دنیا میں محمد ﷺ کی بعثت کے ساتھ رونما ہوگیا اور آج تک بلکہ قیامت تک برقرار ہے۔

جہاں محمد ﷺ کا ذکر ہوگا وہاں توحید اور آخرت کے تذکرے ساتھ ہوں گے۔ اللہ کی وحدانیت و کبریائی وہاں موضوعِ اولین بنے گی۔ بتوں کا توڑا جانا.. شرک سے مخاصمت اور باطل سے عداوت اور اس کے خلاف جہادِ مسلسل کا تصور محمد ﷺ کی دعوت اور جدوجہد کے بیان میں خود بخود نمایاں ہوگا۔

---

(۱) ترجمہ جوناگڑھی (۲) ترجمہ مودودی

جہاں آپؐ کی تیئیس سالہ سیرت کے مطالعہ میں بندگی کی حقیقت نکھر کر آئے گی اور اللہ کی طلب اور چاہت کی ایک خوبصورت تصویر ابھر کر سامنے آئے گی وہاں طاغوتوں سے براءت، غیر اللہ کی عبادت کا مسلسل اور کھلا کھلا انکار اور جھوٹے خداؤں کی خدائی کا واضح ترین رد بھی اتنا ہی نمایاں ہو کر سامنے آئے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا مضمون کچھ اس حد تک واضح ہے کہ اس پر دو رایوں کا پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ مسئلہ صرف تب کھڑا ہوتا ہے جب رسول اللہ ﷺ کی دعوتی و تحریکی ترجیحات ذہن سے محو ہو جائیں یا کہیں پسِ منظر میں چلی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا اصل الاصول جس پر آپ کی برسوں محنت ہوئی اور جس کو منوانے پر آپؐ کا سب سے زیادہ زور صرف ہوا، ذہنوں سے روپوش ہو جائے اور دین کی وہ جزئیات جو آپؐ کی دعوت کے اس اصل الاصول کو پیشِ نظر رکھ کر ہی درست طور پر سمجھ آ سکتی ہیں اور جن کی اصل افادیت اور معنویت آپؐ کی دعوت کے اس اصل الاصول سے جڑنے بلکہ اسی سے پھوٹ کر برآمد ہونے میں ہے.. وہ جزئیات ہی انسان کی دعوت اور جدوجہد کا عنوان بن جائیں تب واقعی مسئلہ ایک لمبی چوڑی بحث کا ضرورت مند ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور جدوجہد کی کچھ بنیادی منزلیں ذہن سے روپوش نہ ہونے دی جائیں، آپؐ کی تعلیمی اور تحریکی مساعی کے کچھ بنیادی ترین مرحلے مطالعۂ سیرت میں مختصر نہ کروا دیئے جائیں اور قرآن کا کوئی ایک تہائی حصہ محض مشرکینِ مکہ کے ساتھ خاص نہ سمجھ لیا جائے تو رسول اللہ ﷺ کا تمام تر عرصۂ نبوت ایک ہی حقیقت کا تسلسل ہو جاتا ہے اور وہی حقیقت آپؐ کی جدوجہد میں پھر اول تا آخر بولتی ہے۔ یہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت تھی اور یہی اسلام کا جامع ترین عنوان۔ تعلیم، تربیت، تزکیہ، دعوت، ہجرت، جہاد، قتال، معاشرت، ریاست، نماز، ذکر، دعا۔ آپکا سب کچھ اسی لا الہ الا اللہ کی لڑی میں پرویا ہوا تھا۔ عبادت کی ہزاروں صورتیں جن کی غیر اللہ سے نفی کی گئی تھی اور جن کا صرف اللہ رب العزت کیلئے اثبات کیا گیا تھا...... ان کی اصل خوبصورتی یہی تھی کہ ان سب عبادات کو لا الہ الا اللہ کی لڑی میں پرویا گیا تھا۔ یہ خوبصورتی بعد والوں میں سے بہت سوں کی عبادت و ریاضت اور دعوت و جدوجہد کو حاصل نہ ہو سکی۔

یہ راہ بنا دینا سب سے مشکل تھا۔ یہ کام رسول اللہ ﷺ نے بنفسِ نفیس کیا۔ اس راستے کو اس حد تک پختہ اور روشن کر دیا کہ اس سے بھٹکنا کسی کیلئے ممکن ہی نہ رہے سوائے ایک ایسے شخص کے جو

خود بھٹک جانا چاہے:

قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ (۱)	میں نے تمہیں ایک جگمگ راہ پر چھوڑا ہے کہ جس کی رات بھی ویسی ہی (روشن) جیسا اس کا دن۔ میرے بعد کوئی اس سے نہ بھٹکے گا سوائے وہ جس کو ہلاک ہی ہونا ہو

یہ محض ذکراذکار کی دعوت نہ تھی۔ محض حسنِ اَخلاق کا درس نہ تھا۔ محض نماز روزہ کی تاکید نہ تھی۔ یہ محض کوئی نفس کو مارنے کا عمل نہ تھا۔ یہ محض کافروں سے الجھنے اور لڑنے لڑانے کی مہم نہ تھی۔ بس تبدیلی حکومت کا مطالبہ نہ تھا۔ یہ محض دعا اور مناجات کا لطف نہ تھا جو کہ پاکیزہ نفوس کی ایک بے حد بڑی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہ دراصل عبادت کا ایک جامع اور متوازن تصور تھا اور بندگی کا ایک منظّم اور ہمہ گیر عمل۔ اس میں سب کچھ تھا اور بڑی بات یہ کہ اپنی اپنی جگہ پر تھا۔ ایک درخت کی ہر ہر شاخ اور ہر ہر پتے کی طرح اس کی ہر ہر چیز توحید سے پھوٹ رہی تھی۔ بنیادی طور پر یہ توحید کا درخت تھا اور اس کا ہر پھل، بے پناہ تنوع کے باوجود، توحید کا مزہ دیتا تھا۔

لا الہ الا اللہ کی اس حقیقت کو ایک مضبوط تناور پودے کی صورت دلوں کی سرزمین پر اور معاشرے کی فضا میں قائم و راسخ کر دینا اور پھر اس کو تاریخ کا ایک ایسا دھارا بنا دینا کہ کسی کیلئے لا الہ الا اللہ کی اس حقیقت سے اور اس حقیقت کی اہمیت و اولویت سے صرفِ نظر کر رکھنا ممکن نہ رہے .. وہ کام تھا جو رسول اللہ ﷺ ہی اللہ کی مدد سے انجام دے سکتے تھے۔ چنانچہ یہ کام سب سے زیادہ اسی وقت اور اسی ماحول میں مشکل تھا جب آپؐ اس کو انجام دینے کیلئے دنیا میں مبعوث ہوئے۔ ایک چلے ہوئے راستے پر چلنا کبھی اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کہ ابتدا سے اس راستے کو بنانا۔

ہم سب کو اس لحاظ سے ایک چلے ہوئے راستے پر چلنا ہے۔ لہذا اس کو ہر گز اس قدر مشکل نہ جاننا چاہیے جتنا کہ یہ اس وقت تھا جب یہ راستہ ہی دنیا میں کہیں موجود نہیں تھا۔ صحابہ کو اس امت کی تاریخ میں ایک بہت خاص کام انجام دینا تھا اور وہ انہوں نے رسول اللہؐ کی معیت میں اور کمال محنت اور

(۱) مسند أحمد 16519 وابن ماجة: 43 عن العرباض بن ساريه، قال الألباني: صحيح (صحيح سنن ابن ماجه)

جانفشانی سے انجام دیا۔ ہمارا کام ہمارے اپنے لحاظ سے بےشک دشوار ہو مگر اس کام سے اس کی دشواری کا موازنہ تک نہ ہونا چاہیئے جو اس امت کی تاسیس کے وقت اس کے مؤسس ص اور آپ ص کے رفقائے کار کو کرنا پڑا۔

ہم بعد والوں میں اور اس امت کے مؤسسین (صحابہ) میں ایک دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کے زیرِ سرکردگی اپنی جدوجہد کو لازماً ایک خاص مرحلے تک پہنچانا تھا تاکہ بعد والوں کیلئے چلنے کا راستہ اپنے تمام تر مرحلوں سمیت پوری طرح صاف ہو جائے اور صحابہ کا سارا دور ہی ہر ہر معاملے میں ایک مثالی نمونہ بن جائے جسے بعد والے اپنا نصب العین بنا لینے میں پھر کوئی دقت نہ پائیں۔ البتہ ہم بعد والوں پر اس معنی میں اپنی کسی اجتماعی جدوجہد کو پایۂ تکمیل تک ہر حال میں پہنچا دینا لازم نہیں۔ نہ ہی ہم میں سے کوئی شخص خود کو اس بات کا مکلّف جانے کہ وہ یا اس کے رفقائے کار _ اجتماعی جدوجہد میں _ کسی خاص کام کو ضرور ہی مکمل کریں۔ نہ کسی کیلئے درست ہوگا کہ وہ کوئی ایسا تاثر ہی قائم کرے کہ _ اجتماعی زندگی کے اندر اور امت کی زندگی کے کسی مرحلے میں _ اس کو یا اس کے اصحاب یا اس کی جماعت کو کوئی خاص مشن پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے بعد ہی اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔

ہمیں ایک چلے ہوئے راستے پر چلنا ہے اور جہاں تک قدرت اور ہمت پائیں بس وہاں تک پہنچنا ہے۔ اس کے سوا اس معاملہ میں ہمارا کوئی فرض نہیں۔

ہمیں پریشان ہونا ہے تو صرف اس ایک بات پر کہ عین اسی راستے پر ہو لیں جس کو وجود اور رخ دینے پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی تمام تر محنت ہوئی۔ ہماری وہی ترجیحات ہوں جو اُن کی تھیں۔ ہمارا زور عین اسی بات پر ہو جس پر ان کا زور رہا۔ دین کی بابت ہمارا وہی تصور ہو جو ان کا تھا۔ بندگی کی وہی حقیقت ہم میں وجود پائے جو ان میں وجود پا چکی تھی۔ ہماری دعوت عین اسی بات کی ہو جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی دعوت کا عنوان تھا۔ ہماری وابستگی عین انہی بنیادوں سے ہو جن پر ان کا اجماع تھا۔ ہماری براءت، ہماری عداوت اور ہماری مخاصمت اسی باطل، اسی طاغوت اور اسی غیر اللہ کی خدائی سے ہو جس سے براءت اور عداوت اور مخاصمت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے

صحابہ نے اختیار کی تھی۔

البتہ کامیابی کی وہ حدیں جن کو صحابہ نے چھویا تھا ہم بھی ضرور چھوئیں، ہمیں اس بات کا مکلّف نہیں کیا گیا۔ نہ یہ ہمارے لیئے ممکن ہے۔ ہم اس راستے میں کہاں تک پہنچ پاتے ہیں، یہ ہماری ذمہ داری کی بنیاد نہیں بشرطیکہ ہم اسی راستے پر رہتے ہیں اور اس کو مختصر یا تبدیل کر دینے کی کوئی خواہش دلوں میں نہیں پالتے۔ اصل غلطی اور اصل انحراف یہ ہوگا کہ اپنی دعوتی اور تحریکی جدوجہد میں کامیابی کے اس نقطے تک پہنچنے کیلیئے جس تک صحابہ پہنچ گئے تھے ہم صحابہ کے راستے میں کوئی ترمیم ضروری سمجھیں یا اس کے کچھ اہم اور بنیادی حصوں کو درمیان سے حذف کر دیں یا پھر اس کے کچھ مسلمات کو اپنے عمل کا محور نہ رہنے دیں:

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ (هود: ۱۱۲......۱۱۳)

پس ثابت رہو جیسا تمہیں حکم دیا گیا، تم بھی اور تمہارے ساتھ (باطل سے) توبہ کر آنے والے بھی۔ خبردار، تجاوز نہ کر بیٹھنا، وہ تم جو کچھ کرو دیکھتا ہے۔ خبردار، ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آ جاؤ گے اور کوئی ولی وسرپرست اللہ کے سوا تمہیں نہ ملے گا اور نہ تمہیں کہیں سے مدد پہنچے گی

پس رسول اللہ ﷺ مامور تھے۔ آپؐ کی امت بھی مامور ہے [۱]۔ اس امت کی سب سے بڑی اچھائی یہ ہے کہ یہ وہی کام کرے جسے کرنے کا اس کو کہا گیا ہے۔ یہ اپنا کام خود تجویز نہ کرے بلکہ اس کو اس کے کرنے کا کام خدا کی طرف سے بتایا جائے۔ ہمیں جو بتا دیا گیا ہے ہمیں بس وہی کرنا ہے اور خدا کا کام ___ پورے اعتماد کے ساتھ ___ خدا پر چھوڑ دینا ہے۔ پوری دنیا اس راہ پر آ جائے یا کوئی ایک شخص بھی ساتھ دینے کو آگے نہ بڑھے، اس بات کا علم اور اختیار خدا کو ہے۔ ہم اس کے بندے ہیں اور ہمارا کام ہے زندگی زندگی اس کی بندگی کرنا اور اس کے رسول ﷺ کی چلی ہوئی راہ پر

---

(۱) امت کا مامور ہونا اس معنی میں ذکر نہیں ہوا کہ اس کا ہر اقدام رسول اللہؐ کی طرح "وحی" ہوگا بلکہ اس معنی میں کہ یہ "ابتداع" کی راہ سے اپنے عمل اور جدوجہد کا تعین خود نہ کرے بلکہ اس کیلیئے وحی کی جانب رجوع کرے اور سابقین کے طریقے کی جانب۔

پائے جانا۔ اپنا کام خدا پر چھوڑ دینا توکل ہے اور نہ خدا کا کام اپنے ہاتھ میں لینا رسمِ بندگی۔

صحابہ کا دور اس امت کی تاریخ کا منفرد ترین اور کامیاب ترین دور تھا۔ اس کے بعد اس امت پر عروج اور زوال کے بیسیوں مد وجذر کا آنا ایک شرعی حقیقت بھی ہے اور ایک معلوم تاریخی واقعہ بھی۔ کبھی اس دین کو کافی تعداد میں اور مطلوبہ نوعیت ومعیار کے لوگ ملیں گے اور کبھی کسی دور میں نہیں بھی ملیں گے۔ اس دین کی حقیقت کو لے کر چلنے والے کبھی کسی دور میں مقبولیت پائیں گے اور کبھی کسی دور میں ہوسکتا ہے خدا کی مشیئت ان کو غُرَباء رہنے دے، جس کی حکمت وہ آپ ہی جانے۔ اُس کی سنت ہے کہ انسانی زندگی میں اُس کی مشیئت بھی عموماً اسباب ہی کے راستے سے ظہور پزیر ہو۔ سو کبھی اس امت کے عروج پانے کے اسباب ہوں گے اور کبھی نہ ہوں گے۔ البتہ اس امت کا کوئی دور بھی خیر سے یکسر خالی نہ ہوگا۔ ہر دور میں لوگوں کا فرض ہوگا کہ وہ اپنے زمانے میں جس قدر خیر پائیں اسی کو ترقی وتوانائی دینے پر سرگرم ہوں اور اسی کو بنیاد بنا کر حق کی نصرت اور حق کے احقاق پر اپنا زور صرف کردیں۔ اپنے زمانے میں جس قدر شر پائیں اسی کو کم اور ختم کرنے پر کمربستہ ہوں اور اسی کو بنیاد بنا کر باطل کے بطلان اور اس کے خلاف جہاد کی سرتوڑ کوشش کریں۔ جہاں تک پہلی نسلیں اس کام کو پہنچا گئی ہوں یا اپنی کسی کوتاہی یا حالات کے جبر کے تحت اس کام کو چھوڑ گئی ہوں وہیں سے اپنے کام کا آغاز کریں اور کرۂ ارض پر اپنی آئندہ نسلوں کے کرنے کا کام زیادہ سے زیادہ آسان بنا کر جائیں۔ کسی زمانے میں خدا کو کیا منظور ہے، یہ البتہ خدا پر چھوڑ دیں۔

یہ ضرور واضح ہے کہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت کو، جو کہ ایک موحدانہ طرز بندگی سے عبارت ہے، دلوں میں گہرا اتارنا اور معاشرے میں قائم وسربلند کرنا کبھی کسی دور میں بھی اتنا مشکل نہ ہوگا جتنا کہ اُس وقت جب رسول اللہ ﷺ اور آپ ؐ کے اصحاب کو اس کا آغاز کرنا پڑا۔ اب ہمارے دور میں بلکہ کسی بھی دور میں اول تو یہ اتنا مشکل نہیں پھر یہ کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے ہی حصے کا کام کرنا ہے۔

مزید برآں، استطاعت کی شرط ایک مجموعی طور پر دشوار کام کو بھی کسی خاص شخص یا جماعت کے حق میں نسبتاً آسان کردیتی ہے۔ کسی کو اس کی ہمت سے بڑھ کر خدا مکلّف کرتا ہی نہیں خواہ وہ کوئی فرد ہو یا جماعت یا ادراہ۔

یہ دونوں باتیں مدّنظر رہیں تو اپنے اس دور میں توحید کی دعوت کا کام ناممکنات میں شمار نہ ہونا

چاہیئے۔ علاوہ ازیں، بہت سے حالات اور اسباب اگر ایسے ہیں جو اس دعوت کے سکۂ رائج الوقت ہو جانے کی راہ میں رکاوٹ ہیں تو حالات کے اور بہت سے پہلو اور موجود الوقت بے شمار اسباب ایسے بھی ہیں جو ہمارے لئے اس باب میں نویدِ مسرت کا درجہ رکھتے ہیں اور جن کو مدِّ نگاہ رکھ کر اس دعوت کی نصرت کا ایک زبردست پروگرام اور ایک کامیاب منہج ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ نہ یہ مشکلات ہماری نظر سے روپوش ہونی چاہییں اور نہ یہ مبشرات۔ ہماری کوشش ہوگی کہ راستے کے یہ دونوں پہلو ہمارے ان مضامین میں ساتھ ساتھ چلیں۔

****

جس پہلی چیز کو ہمیں واضح کرنا ہے وہ کچھ پیچیدگیوں کا ذکر ہے۔ کچھ تاثرات ہیں جو توحید کے تحریکی عمل کے گرد بن دیئے گئے ہیں۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کہ ان پیچیدگیوں کا پایا جانا اگر مشکلات میں شمار ہوتا ہے تو تاثرات کی یہ گرد جھاڑ دی جانا مبشرات میں گنا جا سکتا ہے۔ توحید پر آج ایک بہت بڑے طبقے کا پایا جانا ایک نہایت پر مسرت واقعہ ہے۔ یہ بحران ہماری نگاہ میں کچھ پیچیدگیوں کا ہی پیدا کردہ ہے ورنہ اس واقعے کا کہ خدائے واحد کو پوجنے اور شرک نہ کرنے والے یہاں لاتعداد ہیں، نہایت مثبت اور مؤثر اور خوبصورت استعمال ہو سکتا ہے۔ پس ان پیچیدگیوں کا دور کر دیا جانا ہی یہاں راستہ بنانے کی ایک صورت ہے......

تاثرات کی یہاں کچھ ایسی دہشت ہے کہ آج معاشرے میں آپ ہر کسی کے حق میں بات کر سکتے ہیں سوائے ایک خدا کے حق کے۔ خدا کا تنہا لائقِ بندگی ہونا اور اطاعت وتسلیم پر مطلق حق رکھنا...... خدا کے اس حق پر بات ہونا ایک غیر محسوس انداز میں معیوب بنا دیا گیا ہے۔ کوئی آپ کو بزور نہیں روکے گا البتہ خدا کے اس حق کی بات کرنے پر آپ کو ذہنی اذیت سے ایک بڑا حصہ یہاں ضرور ملے گا۔

ہر شخص اور ہر طبقے کا حق منوانا آج کے اس دور میں روا ہے۔ پر خدا کے ساتھ معاملہ یہاں اور ہے۔ باوجود اس کے کہ خدا کے فرستادہ نبیوں نے معاشروں میں خدا کا حق منوانے کیلئے ہی ساری محنت اور سارا زور صرف کیا تھا، آج اس کام کو کچھ اس خوبصورتی کے ساتھ رواداری کے منافی قرار دے دیا جاتا ہے کہ مہذب اور جدید تعلیم یافتہ نظر آنے کیلئے کیا دیندار کیا بے دین ہر شخص اس بات سے کوسوں دور بھاگے

کہ خدا کے ساتھ شرک اور بغاوت ایسے مسئلے پر کوئی اسے لوگوں سے الجھتا اور جھگڑتا پائے یا وہ کبھی غیر اللہ کی عبادت اور غیر اللہ کے قانون کی اطاعت ہونے پر جذبات میں آتا دیکھا جائے۔

اس کام کیلئے تاثرات ہی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جاہلیت اپنے نظریات بڑی مہارت سے عام کرتی ہے۔ سکول کے چند سالہ بچے سے لے کر ٹی وی سکرین میں گڑے بالغ عمر شہری تک کو یہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر جیسے چاہے اپنے رنگ میں رنگتی ہے البتہ جب اِسکے اپنے نظریات اور اِسکے اپنے اختیار کردہ طرز ہائے حیات پر زد آئے تو پھر رواداری کا سوال لے کر بیٹھ جاتی ہے۔ پس یہ ضروری جانا گیا کہ ''تاثرات'' کے حوالے سے موحدین کے راستے سے یہاں کی کچھ رکاوٹیں ہٹائی جائیں۔

اس معاملے کی پیچیدگی کا تیسرا بڑا سبب ان بعض طبقوں کی طرف سے پیش آتا ہے جو معاشرے میں توحید کی دعوت دینا چاہتے ہیں مگر وہ اس راستے میں کچھ افراط اور کچھ بے قاعدگیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ چیز پھر بہت سے لوگوں کے ذہن میں دعوتِ توحید ہی کی بابت ایک خاص قسم کا تاثر پیدا کر دیتی ہے۔ یوں اس معاملے کی پیچیدگی دوچند ہو جاتی ہے۔

ان تاثرات کا علاج اور سدِّ باب اس لحاظ سے دعوتِ توحید کو معاشرے میں لے کر اترنے کیلئے ایک مقدمہ بن جاتا ہے۔

ہمارے توحید کے بہت اچھے اچھے داعی بھی جب اس مقدمہ کو نظر انداز کر بیٹھتے ہیں تو ان کے اور معاشرے کے مابین تاثرات کی ایک ایسی دیوار حائل ہو جاتی ہے کہ "طرفین" ایک دوسرے کو سمجھ ہی نہ پائیں۔ زیادہ ہوا تو ایک دوسرے کی بابت الجھنوں اور غلط فہمیوں میں اضافہ کریں۔

ہمارے بعض نیک طبقوں کی جانب سے معاشرتی رجحانات کا درست تجزیہ نہ کر پانا اور تاثرات کے ساتھ پورا اترنے میں چابکدست نہ ہونا معاملے کی پیچیدگی کا ایک اضافی سبب بن جاتا ہے۔ بحران کی ان سب جہتوں پر ہم ان مضامین میں روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

****

اس بحران کی پھر ایک اور جہت بھی ہے اور وہ ہے ہمارے دیندار جدید طبقے کا کردار۔

ہمارے دیندار جدید طبقے کا ایک حصہ تو تحریکی سرگرمیاں رکھتا ہے جبکہ اس کا کچھ حصہ تحقیق و

تالیف، تعلیم اور سماجی شعبے سے منسلک ہے۔ مطالعہ وخدمتِ اسلام اس پورے طبقے کے مابین ایک مشترک امر ہے۔ جس طبقے کی ہم یہاں بات کر رہے ہیں وہ ہے جو اخلاص کے ساتھ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں اپنی دنیا کے اندر مقدور بھر کوشاں ہے......

ہمارے دینداروں کا یہ پڑھا لکھا طبقہ سب سے زیادہ اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ یہ معاشرے کو سمجھے اور معاشرہ اِسے۔ بلاشبہہ یہ طبقہ دین سے آخری درجے کی ایک محبت رکھتا ہے اور اسلام کے بہت سے فرائض ادا کرنے میں حد درجہ سنجیدہ ہے مگر یہ اپنے عمل کا آغاز کہاں سے کرے، اپنے تصورِ دین سے لے کر اپنے منہجِ عمل تک کو یہ کن بنیادوں پر ترتیب دے، اجتماعی زندگی میں دینی کام کے حوالے سے اس کی ترجیحات کیا ہوں اور یہ معاشرے میں اپنے کردار کا تعین کیونکر کرے.. اس پر اس طبقے کے ہاں بھی بہت کچھ کام ہونے کی ضرورت ہے۔

معاشرے کو ایک بنیادی تبدیلی کے عمل سے گزارنے کے تعلق سے اس طبقے کی ذمہ داریوں کا بوجوہ ادا نہ ہو پانا اس بحران کی ایک اور جہت ہے۔ لہذا یہ بھی ہمارا موضوع رہے گا۔

****

مسلم امت پر پچھلی چند صدیوں میں جو زوال آیا اس کے کچھ بہت ہی بنیادی اسباب تھے۔ زیادہ لوگ اس زوال کے "مابعد" احوال سے نبرد آزما ہونے پر متوجہ ہوئے مگر اس زوال کی سرے سے نوبت ہی کیوں آئی اور اس کا آغاز کیونکر ہوا، اس پر کم لوگوں کی توجہ جا سکی۔ اس زوال کی جڑیں حقیقت میں بہت دور تک جاتی ہیں۔ ابھی جب مسلم امت نصف عالم پر فرماں روا تھی زوال کے اسباب آہستہ آہستہ اس میں سرایت کرنے لگے تھے۔ معاملہ کو ازسرِ نو درست کرنے کیلئے، کچھ فوری تدبیروں کے ساتھ ساتھ، در اصل ہمیں بہت پیچھے جانا تھا۔

خدا کے اس جہان میں ہر واقعے کے پیچھے کچھ اسباب ہی کارفرما ہوتے ہیں۔ لہذا اسباب کو پوری توجہ دینا ہمارے دین کا اپنا ہی تقاضا ہے......

زوال کے اسباب صدیوں پہلے رونما ہو چکے تھے جو دن بدن زور پکڑتے جا رہے تھے۔ ہر دور کے صالح افراد ان کے سدِ باب کی کوشش بھی کرتے رہے۔ ان کی مزاحمت شدید ہو جانے پر یہ اسباب

پسپائی بھی اختیار کر جاتے رہے اور یوں زوال کسی دور میں رک بھی جاتا رہا بلکہ کچھ غیر معمولی کوششوں کے زیرِ تاثیر گراف کسی وقت اوپر بھی جانے لگتا۔ مگر مزاحمت کے کہیں سست پڑتے ہی انحطاط کے یہ اسباب پھر زور پکڑ جاتے رہے۔ جس رفتار سے زوال کے اسباب کے خلاف اس مزاحمت میں کہیں کمی آئی اسی رفتار سے اس اِدبار میں تیزی آ جاتی رہی۔ تا آنکہ یہ زوال اپنی اس آخری حد کو پہنچا جہاں سب وقتی تدبیریں پھر بے کار اور بے اثر جانے لگیں۔ یہ امت اقوامِ عالم کیلئے ایک دسترخوان ثابت ہوئی اور دنیا کی حریص قومیں.. یہ صدیوں کے بھوکے اس کھانے کے تھال پر ٹوٹ پڑے۔ دنیا بھر کے باطل نظریات اور باطل افکار اور کافرانہ تہذیبوں کیلئے ہم ایک کھلی منڈی بنے۔ اپنے پاس پہلے ہی کچھ نہ رہ گیا تھا اب اور بھی خستہ حال ہوئے۔ اس زوال کا شکست کے نقطے تک پہنچ جانا.. یہ اس انحطاط اور اس ادبار کا بالکل ایک نیا پہلو تھا اور اس قدر تکلیف دہ کہ ہمیں اس زوال کے اور سب پہلو بھول گئے۔ صورتِ حال ہی کچھ اتنی غیر معمولی اور بے بس کن ہو چکی تھی۔ ذہن غلام ہوئے۔ ہمارا فکر و شعور حتی کہ محسوسات تک غیروں کے اسیر ہوئے۔ ہمیں اچھا وہ لگا جو اُن کو اچھا لگتا تھا۔ ہمیں برا وہ لگا جو اُن کو برا لگتا تھا۔ غلامی کی یہ ایک ایسی جدید شکل تھی جس کی پہلے کوئی نظیر نہ ملتی ہو۔ ہمارے ذہین دماغ نطفۂ باطل کے ٹھہرنے اور پالا جانے کیلئے بہترین آماجگاہ جانے گئے، جسے وہ اپنے معاشرے میں جنم دے دے کر جوان کریں اور بڑی محنت سے اپنی قوم میں پزیرائی دلوائیں۔

اس بحران کے اب دو پہلو بنتے تھے۔ اس بحران کا ایک پہلو وہ اسباب تھے جو امت میں صدیوں پہلے رونما ہو چکے تھے اور ہمارے بالآخر یہ دن دیکھنے کا باعث بنے، جس کے بعد اس کا سب کچھ پھر غیروں کے پاس چلا گیا۔ اور دوسرا پہلو اس بحران کا وہ تھا جو اس امت کے مغلوب ہو جانے کے بعد ایک بھونچال کی طرح رونما ہوا اور جس میں ہمیں ایک دم باطل کی نئی نئی صورتیں دیکھنے کو ملیں۔

اب جبکہ ہمیں ایک نئی صف بندی کا مرحلہ درپیش تھا اس بحران کے یہ دونوں ہی رخ ہمیں سامنے رکھنا تھے۔ ایک، وہ اسباب جو ابتداءً امت کے زوال کا سبب بنے اور جو کہ صدیوں پہلے یہاں وجود پانے لگے تھے۔ اور دوسرا، وہ اسباب جو اس سقوط کے بعد ہم پر حملہ آور ہوئے اور پھر ہمیں اور بھی پستی کی جانب لے گئے۔

ہمارے اسلام پسند جدید طبقے کی توجہ زیادہ تر اس بحران کے دوسرے پہلو کی طرف گئی، یعنی اس پہلو کی جانب جو کہ رونما ہی اس پہلے زوال کے مکمل ہو جانے کے بعد ہوا تھا۔ گو یہ سچ ہے کہ اس نئے زوال نے پہلے زوال سے بھی بڑھ کر قوم کی لٹیا ڈبوئی۔ چنانچہ ہمارے اس دین پسند جدید طبقے نے "استعمار کے مابعد" گمراہیوں اور فکری مغالطّوں اور سماجی بیماریوں کے ازالے کی طرف تو کچھ نہ کچھ توجہ دی مگر ان امراض اور گمراہیوں اور فکر وعقیدہ کی ان خرابیوں کی جانب خاص توجہ نہ دی جو اس امت کو اس بلندی سے، جس پر کہ یہ کبھی کسی دور میں تھی، اس پستی کی جانب لے آنے کا ابتداءً باعث بنی تھیں۔ جبکہ واقعہ یہی ہے کہ وہ پہلا زوال جس کا موقعہ پا کر دنیا کی اقوام اس امت کے وجود پر چڑھ دوڑی تھیں انہی اسباب کا مرہونِ منت تھا جنہیں اب ہم پرانی گمراہیاں سمجھتے ہیں اور جنہیں بڑی حد تک نا قابلِ توجہ جانتے ہیں اور جو کہ امت کے اک خاصے بڑے حصے میں بدستور پائی جاتی ہیں۔

یہ اسباب جو اس پہلے زوال کا ابتداءً پیش خیمہ بنے عقائدی انحرافات بھی تھے۔ سماجی خرابیاں بھی تھیں۔ سیاسی مظالم بھی تھے۔ ترکِ جہاد، تعمیرِ ارض میں کوتاہی، تسخیرِ مادہ میں کاہلی اور قوانینِ طبیعت کے ساتھ تعامل میں تقصیر بھی تھی۔ ان سب خرابیوں کی یقیناً ایک طویل فہرست بن سکتی ہے مگر یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ فکر وعقیدہ اور شعور وادراک کی خرابی ایک ایسی خرابی ہے جو پھر ہر خرابی کیلئے راہ ہموار کر دیا کرتی ہے بلکہ ہر اوراچھائی کا آپ سے آپ اثر کم کر دیتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر، یہ فکر وعقیدہ کی خرابی ہی خدا کی نصرت میں مانع ہوتی ہے۔ لہذا جب تک اس کو دور نہ کر دیا جائے اور اس کی شدید ترین مزاحمت نہ کی جائے تب تک کسی اور چیز کا خاطر خواہ علاج ہونا ممکن نہیں رہتا۔ خود رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تعلیم کی حکمت عملی میں یہی حقیقت ہمیں جلی طور پر نظر آتی ہے۔

جدید خرابیوں کا سدِ باب کرنا ہمارے پیشِ نظر ہو تو اس کی ابتدا بھی قوم کے فکر وشعور اور فہم و عقیدہ کو درست کرنے سے ہوگی۔ پرانی خرابیوں کو دور کرنا ہو تو اس کا طریقہ بھی فکر وعقیدہ کی اصلاح ہے۔ کام کی ابتدا قلب وذہن کی تبدیلی سے ہی ہوگی۔ اس کے بعد پھر ہر چیز کا ہی باری باری اور اپنی اپنی جگہ پر نمبر آئے گا۔

جدید خرابیوں کا سد باب جتنا بھی ضروری تھا، اور ہم بھی اس کی ضرورت کے منکر نہیں، مگر یہ اس قیمت پر نہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ پرانی خرابیاں جو اس امت کے بعض طبقوں میں صدیوں پہلے رواج پا چکی تھیں اور پھر رفتہ رفتہ ترقی کرتی گئیں اور آخر کار پوری امت پر ہی اپنا وبال لا کر رہیں، یکسر نظر انداز کر دی جائیں۔ پچھلا راستہ صاف کئے بغیر آگے بڑھنا درست حکمتِ عملی نہ ہو سکتا تھا۔ ہمارے دین پسند جدید طبقے میں پرانے رواج کی گمراہیوں اور دیرینہ انحرافات کی بابت جو ایک لاتعلقی اور لاپروائی سی پائی جاتی ہے بلکہ بعض کے ہاں اس باب میں ایک قسم کی عافیت پسندی دیکھی گئی ہے، اس سے اپنے یہاں فکری سہل پسندی کا کچھ ایسا رجحان پرورش پا گیا کہ بہت سے صاحبِ استعداد لوگوں کو یہاں مطلوبہ اصلاحی عمل کی گہرائی ماپنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یا پھر اس جانب توجہ ہی نہ گئی۔ چنانچہ وہ گمراہیاں اور وہ شرکیہ انحرافات جو صدیوں پہلے سے اس امت کو زوال کی جانب دھکیل رہی تھیں ان کا سد باب اب بھی کسی نے تو ضروری ہی نہ جانا اور کسی نے اس کو ایک بھاری پتھر جان کر چھوڑ دیا اور محض جدید گمراہیوں یا پھر ان میں سے بھی چند ایک کا ہی تعاقب ضروری جانا۔

مختصر یہ کہ اس صالح طبقے نے یہاں علاج کا آغاز "مابعد استعمار" منظر نامے سے کیا بغیر اس نقطے کا تعین کئے جب ابتداءً اس مریض کی حالت بگڑنے لگی تھی۔

اتنا ہی نہیں اس نے اس طبقے کا ایک خاص لہجہ بھی بنا دیا جس کے باعث یہ جدید گمراہیوں کے خلاف بھی عداوت اور مخاصمت کا وہ اسلوب نہ اپنا سکا جو کہ شرک اور باطل کے خلاف اپنایا جانا اصولاً ناگزیر ہوتا ہے اور جس پر کہ انبیا کی زندگی سے ہزاروں شواہد ملتے ہیں۔ یوں جدید باطل کے ساتھ بھی یہ طبقہ ایک نکتۂ نظر کا اختلاف ہی کر سکا نہ کہ عقیدہ کا نزاع۔ نتیجتاً، نیا اور نہ پرانا ہمارا یہاں کوئی مقدمہ ہی نہ رہا۔

یہ ایک بڑا رخنہ تھا جو ہمارے اس دین پسند جدید طبقے نے امت کے اس سفرِ نو میں بوجوہ چھوڑ دیا اور پھر خود بھی آگے بڑھنے کا راستہ بند پایا سوائے یہ کہ ہر فکری انحراف اور ہر سماجی رکاوٹ کو جب سامنے پائیں اس کو طرح دے کر گزر جائیں اور اسے راستے سے ہٹائے بغیر آگے بڑھ جایا کریں! انحراف سے دُو بدُو ہو جانا، گمراہی سے مبارزت اور طاغوت سے عداوت یہاں رواج ہی نہ بن پایا۔ یوں یہ ہونے لگا کہ فکری انحرافات اور سماجی برائیاں یہاں جوں کی توں چھوڑ دی جائیں۔ اصلاح پسندوں کی

مساعی زیادہ ہوا تو ایک اخلاقی اپیل یا ایک علمی وتحقیقاتی عمل یا پھر ایک سیاسی اپوزیشن تک محدود رہی۔ پرانے انحرافات تو پرانے جان کر چھوڑ ہی دیئے گئے تھے اس طرزِ عمل کے نتیجے میں جدید فتنوں کا بھی سدِّ باب نہ ہو پایا۔

ایک ٹھیٹ توحید ہماری بے حد بنیادی ضرورت ہے۔ یہ کتاب اس ضرورت کا بیان بھی ہے اور اس منہج کے کچھ خدوخال کا تذکرہ بھی۔

****

زوال کے پرانے اسباب ہوں یا فساد کے نئے محرکات، ان کو آپ دو پہلوؤں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک انکا علمی ونظریاتی پہلو اور ایک عملی و واقعاتی۔ علمی پہلو میں وہ عقائد، نظریات اور افکار آتے ہیں جو کسی واقعاتی صورتحال کی پشت پر ہوں اور پھر وہ رجحانات، اصطلاحات اور تاثرات ہوتے ہیں جو ان افکار کی بنا پر معاشرے میں عام ہو جاتے ہیں اور جن کی بنا پر پھر ایک عام شخص کی عقل اور سوچ اسی کے سانچے میں آپ سے آپ ڈھل جاتی ہے بغیر اس کے کہ اس پر آپ کوئی باقاعدہ محنت کریں۔ رہ گیا اس زوال یا اس فساد کا عملی پہلو تو اس میں وہ سماجی، اخلاقی اور معاشرتی انحرافات آتے ہیں جو قوم کو تنزل کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان دونوں کا علاج ضروری ہے مگر اولیت فساد اور زوال کے علمی ونظریاتی و شعوری پہلو کو ہی حاصل ہے کیونکہ سماجی تنزل اور اخلاقی بگاڑ بڑی حد تک یا تو جہالت کا نتیجہ ہوتا ہے اور یا ضلالت کا جو کہ ہر دو صورت فکر وعقیدہ کا ہی زوال ہے۔ (گو زوال کا عملی و اخلاقی پہلو کچھ عملی اسباب کا پیدا کردہ بھی ہو سکتا ہے)

ہمارے جدید اسلام پسند طبقے نے پرانے بگاڑ کو ہاتھ ڈالا بھی تو وہ اس کا عملی و اخلاقی پہلو تھا نہ کہ اس کا فکری وعقائدی ونظریاتی پہلو۔ ثانی الذکر پر زیادہ سے زیادہ چند الفاظ کہہ دینا یا سرسری پیراگراف لکھ دینا کافی جان لیا گیا۔ جبکہ یہ کوئی ایسا باطل نہ تھا جو اب کہیں پایا ہی نہ جاتا ہو اور جس کا محض ایک تاریخی واقعہ کے طور پر ذکر کر دینے کیلئے اس پر ناپسندیدگی کے چند جملے بول دیئے جائیں۔ یہ عقائدی انحراف جس نے ہمیں یہ دن دکھائے، ایک پورے تسلسل کے ساتھ معاشرے میں اب بھی باقاعدہ وجود رکھتا تھا اور اس سے کترا کر گزر جانا داعیوں کو روا نہ تھا۔

باطل اپنے ختم کیا جانے کیلئے ایک باقاعدہ تحریک، ایک کبھی نہ رکنے والا بیان اور ایک خاص درجے کی مزاحمت چاہتا ہے۔ اس پر مسلسل اور پے در پے ضربیں نہ لگائی جائیں اور اس کے خلاف معاشرے میں ایک باقاعدہ محاذ نہ بنایا جائے تو گاہے گاہے کا بیان اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑتا۔ یہ جاندار اور زورآور عقائدی اسلوب بہرحال اسلامی ذہن کی تشکیلِ نو کے اس مرحلے میں اختیار کیا جانے سے رہ گیا تھا.. پرانے باطل کے مدِ مقابل ہی نہیں بلکہ اس نئی جاہلیت کے رُوبرُو بھی۔

پس معاملے کے اس پہلو پر بھی ہمارے یہاں آپ کچھ گفتگو پائیں گے۔

****

اس وادی کا رخ کرنے میں کئی ایک اندیشے واقعتاً ایسے پائے بھی جاتے تھے جن کو بے جواز جاننا انصاف نہیں۔ راہِ اعتدال سے تجاوز کر جانے میں ایک احساسِ بے اطمینانی کا پایا جانا فطری امر ہے۔

یہاں برّصغیر کے کئی ایک حلقوں میں "اصولِ اہلسنت" تک عام رسائی نہ ہونے کے باعث ایک بڑی خلش اس بات پر پائی جاتی رہی ہے کہ اِفراط اور تفریط کے مابین کوئی نقطۂ اعتدال ہاتھ آئے جس سے جادۂ حق پر لوگ یہاں پیر جما کر چلیں اور داعیانِ توحید یہاں بار بار کی ٹھوکروں سے بچیں جن کے باعث توحید سے تمسک اختیار کرنے والے کسی بھی گروہ کی بابت یہاں ڈر پیدا ہو جاتا رہا ہے کہ مبادا راستے کی کسی بھی ناہمواری کی نذر ہو جائے اور کسی بھی پیچیدہ اور مشکل مقام پر بہت سوں کو ساتھ لے کر کسی نامعلوم جانب لڑھک جائے۔ پھر جبکہ متعدد حادثات ایسے ہوئے بھی ہیں اور یہ اندیشے نرے مفروضے نہیں رہے۔ سمجھدار یہ دیکھ کر محتاط ہو جائیں تو باعثِ تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ دوسری جانب وہ اندازِ بے اعتنائی ہے جو عقائدی انحرافات کے ساتھ تعامل اختیار کرنے میں کسی وقت احساسِ مردنی اور بے اثر پذیری تک جا پہنچتا ہے بلکہ بسا اوقات تو ایمان کی موت ہو چکنے کا گمان ہوتا ہے۔

ایک بڑا طبقہ پس یہاں ایسا ہے جو بربادی کے ان دونوں ہی گڑھوں میں جا پڑنے سے حد درجہ ڈرا رہتا ہے۔ اس طبقے کی مشکل واقعتاً بے اندازہ ہے۔ کوئی واضح کسوٹی ایسی نہ پائی جانا جس سے اس

افراط وتفریط کے مابین نقطۂ وسط اوراس غلو و جفا کے مابین جادۂ اعتدال کی نشان دہی ہواور وہ کسوٹی نہ تو نرے وہم اور اندازوں پر مشتمل ہو، نہ ہی ہر شخص کی ذاتی تحقیق ہواور نہ ہی آج کسی کی ایک بالکل نئ علمی اپج.. بلکہ مستند علم پہ بِنا کرتی ہواوران ائمۂ علم سے لی گئی ہو جوامت کے علمی مراجع کے طور پر اپنی تاریخی حیثیت میں معروف ہوں اور جن کی جانب ایسے معضلات میں امت کا رجوع کرنا ثابت اور معلوم ہو.. کوئی واضح علمی کسوٹی یہاں ایسی نہ پائی جانا یہاں کا ایک بڑا المیہ ہے اور ایک بہت خطرناک اور خوفناک خلا۔ ایسے میں ایک پورے شدّ ومد سے لوگ راستہ چلتے نظر نہ آئیں باوجود اس کے کہ چلنے کی خواہش حد سے بڑھ کر پائی جاتی ہو تو اس پر صرف افسوس ہونا چاہیئے نہ کہ تعجب۔

اس خلا کو جس چیز سے پُر کیا جاسکتا ہے اور اس بند راستے کو جس چیز سے کھولا جاسکتا ہے وہ ہے "اصولِ اہلسنت" کا فہم۔ یہ ایک با قاعدہ علم ہے مگر بدقسمتی سے اس پر کام ہمارے برصغیر میں بہت کم ہوا ہے، خصوصاً یہاں کے تحریکی حلقوں میں۔ اور یہی یہاں ایک بڑی سرگردانی کا باعث ہے۔ وگرنہ جذبہ اور دین سے تمسک جتنا یہاں ہے شاید ہی دنیا میں کہیں پایا جاتا ہو۔ پس یہاں برصغیر میں اسلامی بیداری کی ایک ناقابلِ اندازہ خدمت کوئی ہوسکتی ہے تو یہ کہ یہاں "اصولِ اہلسنت" کا فہم عام کیا جائے اور مختلف سطحوں پہ اس پر کام کیا جائے۔ وہ بہت سے بڑے بڑے سوال اور عاجز کر دینے والے معضلات "اصولِ اہلسنت" کے اندر ایسے تشفی بخش جواب پاتے ہیں جیسے حساب کا کوئی پیچیدہ سوال کسی ماہر استاد سے حل کروالیا جائے اور پتہ چلے کہ کوئی ایک ہی گھنڈی اس سارے حسابی عمل کو خراب کرتی رہی تھی!

اس محاذ پر _ یعنی "اصولِ اہلسنت" کی شرح وبسط اور تفہیم واشاعت پر _ مقدور بھر کام کرنے کا ارادہ ہم بھی رکھتے ہیں (۱) اور شاید ایک محدود سے طبقے کی یہ کام کچھ خدمت کر سکے مگر

---

(۱) اس پر قدرے تفصیل سے کام جو کہ ہمارے پیشِ نظر ہے ابھی کیا جانا باقی ہے، پھر بھی اس پر ہماری ترجمہ کردہ کتاب "اہلسنت فکر وتحریک" اور ایقاظ کے سن دو ہزار چار تا دو ہزار چھ کے چیدہ چیدہ اداریے دیکھ لئے جانا مفید ہوسکتا ہے، ایقاظ کی ان تحریروں کو کتابی صورت میں نکالنا بھی ہمارے پیشِ نظر ہے۔

توحید کی عمومی دعوت کی طرح یہ کام بھی جب کسی بڑی سطح پر یہاں کے جہابذۂ علم ہی کریں گے تو صورتِ حال میں اصل فرق آئے گا۔

بہرحال اپنے دین پسند جدید طبقے کے وہ جائز اندیشے جن کی جانب یہاں اشارہ ہوا ہے اور جو کہ خود ان کے ایک بڑے طبقے کیلئے پریشان کن ہیں کیونکہ ان کی فطری ایمانی حِس ہر دو انتہا سے ہی خوف کھاتی ہے اور ہر دو گمراہی میں جا پڑنے سے بچنا چاہتی ہے.. ان کے وہ جائز اندیشے "اصولِ اہلسنت" کے بیان سے ہی زائل ہو سکتے ہیں۔ اس سلسۂ مضامین میں ہم "اصولِ اہلسنت" کی تفصیل میں تو نہ جائیں گے البتہ کچھ ضروری اشارات اس مسئلہ کی جانب ضرور کریں گے، جو کہ امید ہے "عقیدہ" کو "تحریک" سے جوڑ دینے کی ایک مضبوط اور عملی بنیاد مہیا کر سکے گا۔

****

امت میں پائی جانے والی "قبل از استعمار" گمراہیاں جو اساساً ہمیں اس گرداب تک لے آنے کا سبب بنیں.. ان پر کام کرنا دین کی طرف رخ کرنے والے جدید طبقے کے ہاں خطرات کا ایک ایسا پنڈورا بکس جانا گیا جس کو ہاتھ لگانے سے بھی ڈرا جائے۔ بہت سے اسباب ایسے ہوئے کہ ان بحثوں میں پڑنا فرقہ واریت جانا گیا اور پسماندگی کی علامت! حالانکہ ہمارا یہ جدید طبقہ اگر ایک علمی اور موضوعی objective انداز میں اس معاملے کو حل کرنے پر کچھ وقت لگاتا اور معاشرے کو معاشرے کی زبان میں اس باطل کی حقیقت سمجھانے پر اپنی کچھ توانائی صرف کرتا تو یہ معاملہ باحسن انداز انجام پاتا۔ مخالفت تو اِس پڑھے لکھے طبقے کی بھی ہو کر رہتی، کہ یہ خدا کی سنت ہے اور اس کے پیچھے اس کی بے پناہ حکمتیں ہیں، لیکن اس پر کچھ عرصہ اگر محنت ہو لیتی تو قوم کے سمجھداروں پر معاملہ کی پوری تصویر ہی واضح ہو جاتی۔ تب اس تصویر میں محض "مابعد استعمار" حالات ہی نہ بولتے بلکہ امت کا ایک پورا تاریخی کردار ہی اپنے پورے تسلسل کے ساتھ اس میں نمایاں ہوتا۔ یوں امت کے اس سفرِ نو میں معاملے کو عین اس بنیاد پر لے آیا جاتا جس پر اس امت کی اول اول تاسیس ہوئی تھی۔ اس صورت میں مسلم معاشروں کے یہ دیرینہ روگ بھی دور ہوتے اور ہمارا یہ طبقہ بھی اپنی معاشرہ فہمی کے باعث فرقہ واریت کی چھاپ سے محفوظ رہتا بلکہ فرقہ واریت کے اصل معنی سے بھی لوگوں کو تب ہی آگاہی ہوتی۔

تمام تر سمجھداری سے کام لیتے ہوئے اور غایت تن دہی کے ساتھ عقیدہ کے ان جان لیوا انحرافات کو دور کر دینا یوں بھی فرقہ واریت کیونکر کہلا سکتا تھا؟ کیا اس نے امت کا ستیاناس کر کے نہیں رکھ دیا؟ کسی ایسے تاثر کے ڈر سے کیا اپنے ہی جسم میں ایک ایسے مہلک مرض کو پلتا اور پھلتا چھوڑ دیا جائے؟

ارجاء، تصوف کی باطل اشکال، تشیع کی گمراہ صورتیں یعنی رافضیت، مزار پرستی، اولیا سے دعاء، اکابر پرستی، اعتزال، عقل پرستی، تاویلِ صفات، انکارِ حدیث ...... یہ ان فکری اور عقائدی انحرافات کی چند مثالیں ہیں جو کئی صدیوں تک اس امتکے وجود کو گھن کی طرح کھاتے رہے ہیں اور اب بھی وجود سے ختم نہیں ہو گئے ہیں۔ان گمراہیوں کا سدِ باب ہمارے وجود کا مسئلہ ہے۔فرقہ واریت کے طعنے سے دب کر کیا ہم اپنے وجود کو داؤ پر لگا سکتے ہیں؟

ہمارے اس طبقے کے ایک حصے نے اس مسئلے پر کسی سے کڑوی کسیلی سننا شاید اس لئے بھی ضروری نہ جانا کہ یہ اپنے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرنا چاہتا تھا، گو یہ معلوم نہیں ان کا یہ 'راستہ' کہاں لے کر جاتا تھا!!

کئی ایک جماعتیں جو بیک وقت دو مغالطّوں کا شکار ہوئی تھیں؛ ایک یہ کہ اسلام کی اِس وقت کی سب سے بڑی ضرورت اسلام کو اقتدار دلوانا ہے، اور دوسرا یہ کہ اسلام کو اقتدار دلوانے کا یہ کام بس انہی کی جماعت کو قائدین کی زندگی زندگی پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے.. ایسی کئی ایک جماعتیں نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو مجبور پاتی رہیں کہ اس کئی سوسالہ انحراف کو نظروں سے روپوش ہونے دیں جو کہ استعمار کی آمد سے بہت پہلے یہاں موجود تھا بلکہ اس حالتِ استعمار واستعباد کو طاری ہو جانے کیلئے مسلسل دعوت دیتا رہا تھا۔

یہ اس بحران کی سنگینی اور پیچیدگی کا ایک خاص پہلو ہے۔کچھ توجہ اس سلسلہ مضامین میں ہم اسے بھی دیں گے۔

****

قصہ مختصر، ہمارے یہاں پچھلی صدی ڈیڑھ صدی کے دوران اصلاح اور خدمتِ اسلام کی جو بھی عصری کوششیں ہوئیں ان میں اس بگاڑ کو بنیاد سے ہاتھ ڈالنے کا کام بہت کم ہوا۔اوپر اوپر سے

صفائی کی خاصی کوشش کی گئی مگر اس کا فائدہ ظاہر ہے جزوی اور وقتی ہی ہوسکتا تھا۔ جبکہ درحقیقت اس کو جڑ سے لینا ضروری تھا، جو کہ بہت کم لوگ کر پائے۔ زیادہ لوگوں نے اس کو کچھ سیاسی مسائل میں محصور جانا اور یا پھر کچھ سماجی مصائب میں۔ یا پھر انہوں نے اس کو غلبۂ کفار کے تناظر میں دیکھا اور یا پھر امت کی سیاسی و تکنیکی پسماندگی میں اور یا پھر کچھ نصابی اور تحقیقاتی قسم کے نقائص میں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو اس بحران کو "ایمان" کے مسئلہ کی جانب لوٹاتے رہے، اور جو کہ ایک بے حد صالح اعتبار ہے، ان کی محنت بھی "ایمان کے حقائق" کو ذہنوں اور دلوں کے اندر جلی و راسخ کرنے پر نہیں بلکہ "ایمان کی کیفیات" برآمد کرنے پر ہی رہی۔ "کلمہ پر محنت" کی جن لوگوں کو توفیق ہوئی وہ بھی "یقین" کے معنی میں نہ کہ بیک وقت "علم" اور "یقین" کے معنی میں۔ جبکہ یہ تو واضح ہے "یقین" کی محنت تب ہی جا کر ثمر آور ہوسکتی ہے جب لا الہ الا اللہ کے ان جلی مطالب کو اس کلمہ کا عنوان بنا دیا جائے جو کہ "ملتِ ابراہیمؑ" سے عبارت ہیں اور جو کہ انبیا کے جہاد کی مسلسل بنیاد بنے رہے ہیں اور جو کہ اس عظیم کشمکش کے پیچھے واضح ترین انداز میں بولتے رہے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے نبوت کے چند ہی سالوں کے اندر پورے جزیرۂ عرب میں کھڑی کر دی تھی۔

****

اسی کے ساتھ پھر ایک اور جہت شامل ہو جاتی ہے۔ یہ بھی ایک تاثر ہے گو یہ اس سلسلہ مضامین کے دوسرے حصے کا موضوع ہے..

ہماری قوم کا وہ طبقہ جو اپنے تئیں عملیت پسند کہلاتا ہے اور ہر عمل کی قیمت کو اس کے عملی بلکہ یوں کہیئے اس کے مادی نتائج سے ماپتا ہے.. توحید اور آخرت کو معاشرے کی تربیت و تعمیر کی اساس بنا دینے کے سوال پر یہ طبقہ حیرانی و بے یقینی سے دیکھنے لگتا ہے اور اس بات کو فرسودہ و از کار رفتہ جانتا ہے۔ گویا اس بات کا معاشرے کی فلاح و تعمیر سے کیا تعلق؟! اور قوم کی بھوک اور افلاس کا مداوا کرنے سے اس کو کیا رشتہ؟!

چنانچہ حصۂ دوئم میں کچھ روشنی ہم اس بات پر بھی ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ قوم کا پیٹ

بھرنے سے اس معاملہ کا کیا تعلق ہے اور یہ کہ اس امت کے حق میں وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِینَهُمُ الَّذِی ارْتَضَى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا[۱] کا یَعْبُدُونَنِی لَا یُشْرِكُونَ بِی شَیْئًا[۲] کے ساتھ کیا تلازم ہے اور أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ[۳] کے ساتھ فَلْیَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَیْتِ[۴] کی کیا مناسبت ہے۔

ایمان اور عقیدہ کی تعلیم عام کرنے کے اس محنت طلب کام کو امت کے اندر ایک غیر ترقیاتی منصوبہ جاننا ایک مقبولِ عام تاثر ہے جسے نظر انداز کر دینا "توحید" کے حق میں ظلم ہے۔ کچھ لوگوں کو خاص اس حوالے سے ہی ایک بات سمجھائی جا سکتی ہے لہذا "معاشرے کی ترقی" سے "توحید" کا رشتہ واضح کرنے پر بھی ہم کچھ وقت صرف کریں گے۔

****

تیسرے حصے میں ہم قدرے تفصیل سے "توحید" کی بنیاد پر ''تعمیرِ معاشرہ'' کا ایک عملی خاکہ زیرِ بحث لائیں گے۔ اس میں جہاں ہم امت کے کچھ روشن دماغ مصلحین سے استفادہ کریں گے وہاں اپنے ماحول میں کئے گئے کچھ تحریکی اور دعوتی تجربات کے قابلِ تصحیح حصوں کی بھی ذرا ایک متعین انداز میں نشاندہی کی کوشش کریں گے۔ اس مرحلے تک پہنچنے کیلئے کتاب کے پہلے دو حصوں کو توجہ دے لی جانا نہایت مستحسن ہوگا۔

****

---

(۱) سورہ النور 55: ''اور وہ ان کیلئے (زمین میں) انکے دین کو تمکین دے گا جسے کہ وہ انکے حق میں پسند فرما چکا ہے، اور وہ ان کی (موجودہ) حالتِ خوف کو امن وچین سے بدل دے گا"

(۲) حوالہ مذکورہ: ''وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے"

(۳) سورہ قریش 4: ''جس نے ان کو بھوک سے کھانا دیا اور خوف سے امن"

(۴) حوالہ مذکورہ 3: ''پس انہیں چاہیئے اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں"

اس بحران کی تمام تر سنگینی اور پیچیدگی کے باوجود ہمیں انکار نہیں کہ حالات کا رخ آہستہ آہستہ سہی مگر ایک اچھی سمت کی جانب ہی ہو رہا ہے۔ لا الہ الا اللہ کی حقیقت معاشرے میں، بلکہ پوری دنیا میں، دھیرے دھیرے سہی مگر لوٹ رہی ہے اور برابر اپنا راستہ بنا رہی ہے۔ حالات شہادت دے رہے ہیں کہ جہانِ نو میں ایک اسٹیج بن رہا ہے اور اسلام کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ پوری دنیا کی ضرورت بنتا جا رہا ہے۔ بلکہ اس ضرورت کا احساس بھی بڑھتا جا رہا ہے نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ دنیا بھر کے سمجھداروں کے ایک بڑے طبقے میں۔

اپنی بہت سی تحریروں میں امید کی ان اٹھتی گھٹاؤں کی ہم نے بھی نشاندہی کی ہے۔ دعوتِ توحید کی راہ میں حائل جس بحران کی ہم نے تشخیص کرنے کی یہاں ایک کوشش کی ہے وہ کوئی اس معاملے کا تاریک پہلو دکھانے کی کوشش نہیں۔ اس بحران کا نگاہوں میں لے آیا جانا دراصل امیدوں کی اسی سمت میں ایک غیر معمولی زور اور بہاؤ لے آنے کی ایک صورت ہے۔ یہ کچھ کمزور سے بند ہیں جو جاہلیت ایک مدت سے فرزندانِ توحید کی راہ میں باندھ کر بیٹھی ہے۔ ذرا حوصلے اور دلجمعی سے ان کو توڑ ڈالا جائے تو توحید کے اس سیلِ رواں کو پورا کرۂ ارض تہِ آب لے آنے سے آج کے اس دور میں کوئی چیز نہ روک سکے گی کہ جہاں دنیا ایک بستی بننے جا رہی ہے۔ دنیا کے ایک ہونے کا وقت ہو تب ہی تو "اذانِ لا الہ الا اللہ" بلند کرنے کا موقعہ ہے! ہمیں اس دور میں رکھا گیا ہے تو اس کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے۔ کیا بعید یہ گھڑی دیکھنا ہماری ہی قسمت میں ہو!

****

ان گنت اسباب ایسے ہوئے ہیں کہ ایک طرف خرافات کا دور یہاں قصۂ ماضی بننے والا ہے تو دوسری طرف لادینیت اور مغرب سے مرعوبیت کے دن ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر دو ضلالت پر اڑے رہنے والے عنقریب یہاں فرسودہ و ناپسندیدہ دیکھے جایا کریں گے۔ سیاست کا اقتدار بے شک کچھ دیر اور ان کے پاس رہے مگر ذہنوں کے اقتدار سے یہ عنقریب سبکدوش کر دیئے جانے والے ہیں۔ حالات ہمارے تصور سے بھی تیز ہو جانے والے ہیں۔ اسلام کی جانب لوٹ آنا اب ان معاشروں کا مقدر نظر آتا

ہے۔اسلام کی جانب لوٹ آنے کے اس بڑی حد تک لاشعوری عمل کو اب اگر ایک زوردار شعوری عمل میں بدل ڈالا جائے، جس کا مدخل علمِ توحید ہے، تو اپنے ان معاشروں کو ہی نہیں تاریخ انسانی کو اپنے اس دور میں ایک بے انتہا خوبصورت موڑ مڑوایا جا سکتا ہے۔سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے مگر اسباب کی دنیا میں فی الوقت اس کے بے پناہ امکانات ہیں۔

خود ہمیں البتہ کسی بات کی جلدی نہ ہونی چاہیئے سوائے اس کے کہ ہم اس صحیح راستے پر پائے جائیں جو چودہ صدیاں پہلے سے ہمارے چلنے کیلئے موجود ہے۔اپنی آئندہ نسلوں کو اگر ہم عین اسی راستے پر چھوڑ جانے کی تسلی کر لیتے ہیں تو زندہ رہنے میں فخر اور موت پانے میں سکون ہمارا حق ہوگا۔اس سے بڑھ کر کوئی اس دنیا سے بھلا کیا لے جا سکتا ہے؟ جو کام ہم نہیں کر پائیں گے وہ ہماری نسلیں کریں گی۔ جاہلیت سے ہماری جنگ کوئی دو چار یا دس بیس برس کا قصہ تو ہے نہیں۔ یہ صدیوں سے چلی آتی ہے اور صدیاں شاید اسے ابھی اور چلنا ہے۔ خدا کو ہی یہ منظور نہیں کہ قیامت سے پہلے اس کا فیصلہ ہو جائے۔تاریخ کو ابھی کتنے موڑ اور مڑنے ہیں، ہمیں کیا معلوم۔ہم اس پر پریشان بھی کیوں ہوں۔کوئی چیز خدا کو عاجز کر دینے والی نہیں۔ جو ہو رہا ہے جو ہوگا، اس کی حکمت اور اختیار سے ہوگا۔ہمیں پریشان ہونا ہے تو اس پر کہ وہ کام جو ہمیں اپنی اس دنیا میں کرنا ہے اس کو تو ہم کسی اور پر چھوڑ کر نہیں جا رہے؟

****

بندگی اور پرستش میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے والے اور حکم و قانون میں ایک اسی کی اطاعت کا دم بھرنے والے آج یہاں لاکھوں کروڑوں کو پہنچتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا اصل زر ہے۔اس کو صرف ایک جہت چاہیئے۔ یہ فکر عام کرنے کی ضرورت ہے کہ "توحید" محض ایک عقیدہ نہیں "توحید" راستہ ہے۔"توحید" کو معاشرے میں ایک فیصلہ کن حقیقت بننا ہے۔اہلِ حق اور اہلِ باطل میں اصل حدِ فاصل بننا ہے۔ دو فریقوں کے مابین کشمکش کا جلی عنوان ہونا ہے۔ "توحید" کو یہاں ایک "تحریک" میں ڈھلنا اور باقاعدہ طور پر ایک جیتا جاگتا "معاشرہ" کھڑا کرنا ہے۔

تاثرات و رجحانات اور غلط فہمیوں اور شبہات کا وہ جال جو معاشرے میں "توحید"

کی راہ روک کر کھڑا ہے بس اگر نگاہوں کی زد میں لے آیا جائے تو اس سے بے حقیقت چیز کوئی نہیں۔ اس کے بعد راستہ آگے تک صاف ہے۔ اس سے آگے راستہ بہت کھلا ہو جاتا ہے۔ ان رکاوٹوں کو جن کی جانب ہم نے اس بحران کے ضمن میں اشارہ کیا ہٹا دیا جائے تو اسلام کا وہ دھارا تشکیل پا جاتا ہے جو اپنے دور کے ہر صالح فرد کو اپنے ساتھ چلائے گا۔ مشکل ابتدا میں ہے اور اس پر بلاشبہہ زور صرف ہوگا۔

ہمارے دور کے معروف اسلامی مفکر سید قطبؒ نے کبھی کہا تھا:

"ناگزیر ہے کہ اسلامی عمل ایک پیدائشِ نو کے مرحلہ سے گزرے۔ ناگزیر ہے کہ اس 'پیدائش' کو 'زِہ' کے عمل سے واسطہ پڑے۔ ناگزیر ہے کہ 'زِہ' کا یہ عمل 'درد' سے آشنا ہو۔ پس ناگزیر ہے کہ اس دور کی تحریکیں یہاں ایک 'درد' سہیں"!

خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ "پیدائش کا درد" ہے نہ کہ "موت کی تکلیف"!!!

يا أَيهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يحْيِيكُمْ (۱)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے! لبیک کہو اللہ و رسولؐ کی آواز پر جب وہ تمہیں اس امر کی طرف دعوت دیں جس میں تمہاری زندگی ہے"..

****

یہ سارا سلسلۂ مضامین اس فکری، نظریاتی، سماجی اور تہذیبی صورتحال سے بحث کرتا ہے جو برصغیر اور خصوصاً پاکستان میں پائی گئی۔ کچھ اور مسلم ملکوں اور خطوں پر، جزوی فرق ہونے کے باعث، اس کا پورا انطباق نہ ہوتا ہو تو اس کی یہی وجہ ہوگی کہ ہم نے یہ بحث دراصل خود اپنے ماحول اور معاشرے سے متعلق کی ہے۔ گو اس بحث کا عمومی دائرہ برصغیر کے پس منظر سے زیادہ وسیع ہے۔

****

(۱) سورۃ الانفال آیت ۲۴

کچھ وضاحتیں بعض فنی امور کی بابت..

قرآنی آیات کا ترجمہ یا ترجمانی جہاں کسی مصدر سے من وعن لی گئی مثلاً ترجمہ تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلی مودودی یا ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی یا ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی وغیرہ، اس کی وہیں پر یا پھر حاشیہ میں صراحت کردی گئی ہے۔ جہاں ایسا نہیں ہوا وہاں ہم نے خود آیت کا مفہوم بیان کیا ہے، گو وہاں بھی معروف اردو تراجم سے ہی زیادہ تر مدد لی گئی ہے۔ لفظی ترجمہ کا التزام عموماً نہیں کیا گیا۔

احادیث، آثار اور اقوالِ علماء وفقہاء پر مشتمل عربی نصوص کا بھی عموماً مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

احادیث اگر صحیحین سے ہوں تو ان کا سادہ حوالہ دے دینا کافی جانا گیا ہے۔ کسی دوسری کتاب سے ہوں تو ان کی تصحیح یا تضعیف کی جانب حاشیہ میں نشاندہی کردی گئی۔ اس چیز کی پابندی عموماً کتاب کے متن میں دی گئی احادیث کی حد تک کی گئی ہے حاشیہ میں شواہد کیلئے اگر کوئی حدیث یا اثر ہو تو بھی بیشتر اس کا حکم بیان ہوا ہے مگر کسی وقت شاید ایسا نہ بھی ہو پائے۔ حدیث کے قابلِ قبول ہونے کے معاملہ میں عموما محدثِ عصر شیخ ناصر الدین البانی کی تحقیق پر انحصار اور زیادہ تر اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

وصلى الله على النبى وآله

حامد کمال الدین

حصۂ اول:

موحد تحریک

بَل نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ☆وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ☆ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ☆أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنْشِرُونَ☆ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ☆ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ☆ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرُ مَنْ مَعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ☆وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ☆

(الأنبیاء:۱۸-۲۵)

☆ ”مگر ہم تو باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے تم (اللہ کا) جو وصف کرتے ہو وہ (البتہ) تمہارے لئے باعث بربادی ہے

☆ ”زمین اور آسمانوں میں جو مخلوق بھی ہے وہ جاگیر ہے خدا کی۔ اور وہ ہستیاں جو وہ پاس رکھتا ہے ایسی ہیں جو نہ اس کی بندگی سے سرتابی کریں اور نہ کبھی تھکنے کا نام لیں

☆ ”رات دن وہ اس کی تسبیح کرتی ہیں، دم نہیں لیتیں

☆ ”یہ جنکو زمین پہ خدا بنا بیٹھے ہیں کیا وہ (بے جان کو) زندہ کر لیتے ہیں؟

☆ ”زمین اور آسمانوں میں ایک اللہ کے سوا اگر کہیں اور بھی معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہی تو ہو جاتے۔ پس پاک ہے اللہ، عرش کا رب، ہر اس وصف سے جو یہ (مشرک) بیان کرتے ہیں!

☆ ”وہ جو کرے جواب دہ نہیں۔ اور سب جواب دہ ہیں

☆ ”کیا اسے چھوڑ کر یہ اور معبود پکڑ بیٹھے ہیں؟ کہو: لاؤ تو اپنی دلیل۔ یہ ہے پیام میرے لوگوں کیلئے اور (تھا یہی) پیام مجھ سے پہلوں کیلئے۔ مگر ان میں کے اکثر حق سے ہی بے خبر ہیں، پس وہ موڑے ہوئے ہیں

☆ ”تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ یہی وحی دے کر کہ سوائے میرے کوئی بندگی اور پرستش کے لائق نہیں۔ پس مجھے ہی پوجو“

مقدمہ حصۂ اول

موحد تحریک

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ (رواہ مسلم)(۱)

ابو ہریرہ سے روایت ہے، رسول اللہ نے فرمایا: اسلام کا آغاز اجنبیت سے ہوا۔ عنقریب یہ شروع ہی کی طرح اجنبی ہو رہے گا۔ تو پھر خوشخبری ہو (اس دور کے) اجنبیوں کو (بروایت مسلم)

وفي مسند احمد: قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَنْ الْغُرَبَاءُ قَالَ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ إِذَا فَسَدَ النَّاسُ(۲)

مسند احمد میں الفاظ آتے ہیں: دریافت کیا گیا: یہ غرباء (اجنبی لوگ) کون ہوں گے؟ فرمایا: یہ وہ ہوں گے کہ لوگ جب بگاڑ میں پڑ جائیں یہ بگاڑ دور کرنے میں لگے ہوں گے

*****

حق سے دور ہونے میں لوگ درجہ بدرجہ تقسیم ہوتے ہیں۔ فساد کو قبول کرنے یا بگاڑ کا شکار ہونے میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ بہت زیادہ نہیں ہوتے جو فساد کو جانتے بوجھتے ہوئے اور قصداً و عمداً قبول کر چکے ہوں۔ زیادہ لوگ __ اپنی غفلت کے سبب __ محض

---

(۱) رقم 208 :کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدأ غریبا وسیعود غریبا وانه یارز

(۲) رقم 16094:عن عبد الرحمن بن سنه، البانی نے ان الفاظ کے ساتھ صحیح کہا ہے (السلسلہ الصحیحة: ۱۲۷۳)

شبہات اور غلط فہمیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ مگر غور کیجئے تو یہ لوگ بھی معاشرے میں بہت زیادہ نہیں ہوتے۔ کسی معاملے میں شبہات اور غلط فہمیاں رکھنا بھی اس معاملہ کو جاننے کی ایک خاص سطح ہے۔ شبہات اور غلط فہمیاں رکھنے کیلئے بھی دراصل اس معاملے پر کچھ نہ کچھ سوچ بچار کر رکھی ہونا ضروری ہے! حق اور باطل کے فرق کو معاشرے کی توجہ سے محروم رکھا جائے تو لوگ اس معاملے پر شبہات اور غلط فہمیاں تک رکھنے سے قاصر ہوتے ہیں!

حق سے جہالت کے ماحول میں لوگ زیادہ تر تاثرات اور رجحانات کا شکار ہوتے ہیں نہ کہ شبہات اور غلط فہمیوں کا۔ معاشرے میں کچھ اصطلاحات اور تعبیرات اور رِیت اور روایت کا چلن ہو جانا اس بات کیلئے کافی ہوتا ہے کہ حق اور لوگوں کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے۔ دعوت جب اس دیوار کی اوٹ میں کر دی جائے تو لوگ اس کی بابت محض اندازے اور تاثرات قائم کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے بھی _الا ماشاءاللہ_ اس امر میں کچھ بہت استثنا نہیں۔

یوں تو حق کے بیشتر معاملات اس دیوار کی اوٹ میں کر دیئے گئے ہیں مگر حق کا وہ معاملہ جو آج سب سے بڑھ کر اس مشکل سے دوچار ہے وہ دعوتِ توحید ہے جو کہ حق کی اساس ہے اور اسلام کا صُلبِ موضوع۔ ایک محدود طبقہ تو واقعی اس کی بابت شبہات اور غلط فہمیاں رکھتا ہے مگر ایک بڑا طبقہ اس کی بابت محض تاثرات رکھتا ہے۔

اس سارے بحران کو اگر ہم دو لفظوں میں سمیٹنا چاہیں تو ہمارے پاس اس سے بہتر کوئی الفاظ نہ ہوں گے، جو کہ حدیث کے الفاظ ہیں: یعنی اسلام کی غربت یا اسلام کی اجنبیت..

مسلمانوں کا ایک جم غفیر ہے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ذاتی معنی میں بڑی حد تک درست عقیدہ پر ہیں مگر اسلام اپنی حقیقت کے اعتبار سے اجنبی ہے

اور تنہا۔ اپنی اس حقیقت کے اعتبار سے جو بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاهق [1] کی صورت بیان ہوئی ہے .. حق معاشرتی رجحانات کی سرزمین پر اجنبی ہے اور ارتکاز سے محروم۔

اسلام کو اطراف عالم میں فتح دلانا بے انتہا قابل تحسین جذبہ ہوگا مگر مسلم معاشروں میں اسلام کی اس اجنبیت کو کم کرنا، دعوتِ رسل کی حقیقت کو اجلا کرنا اور حق کی تنہائی کا یہ دور مختصر کرنا اجتماعی فرائض میں آج کا سب سے بڑا فرض ہوگا .. اسلام کی اجنبیت کا خاتمہ نام کے اعتبار سے نہیں بلکہ حقیقت کے اعتبار سے۔

اسلام کی اجنبیت کو ختم کرنے کے اس مبارک کام کا آغاز اسلام کی اس سب سے پہلی حقیقت کو معاشرے کی بنیاد بنا دینے سے ہوگا جس کو کہ اسلام کی غربت اولی کے خاتمہ کے وقت بھی اولین توجہ دی گئی تھی۔ یہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت ہے جو کہ اسلام کا بھی آغاز ہے اور اسلام کے کام کا بھی۔

شرک سے بیر اور باطل سے معادات توحید کا لازمہ ہے اور انبیاء کی دعوت کا جزوِ اساس۔ شرک سے بیر توحید کا حق ہے مگر توحید کو اس کا یہ حق دیے بغیر ماننا آج ایک بڑے طبقے میں رواج پا گیا ہے۔ شرک نہ کرنا توحید کا کل تقاضا نہیں، شرک سے بیر رکھنا بھی اسی طرح توحید ہے اور دین میں مطلوب۔ اس کے بغیر توحید کامل نہیں۔ توحید کا پورے کا پورا پایا جانا سب سے پہلے ضروری ہے۔ ایسا ہو جانے کے بعد ہی خدائے واحد کو کئے گئے سجدے اور قربانی

---

(۱) سورہ الانبیاء 18: "بلکہ ہم تو باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں جو اس کا سر پھوڑ دیتی ہے"

میں بندگی کی اصل حقیقت آتی ہے۔ اس کے بغیر توحید کا کوئی تصور نہیں۔ ذاتی حیثیت میں بھی توحید کا یہ تصور رکھنا درست نہیں مگر جب آپ توحید کو ایک دعوت اور ایک تحریک کا درجہ دینا قبول کر لیتے ہیں تب تو اس طرز فکر کا نقص بہت کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

توحید کی یہ حقیقت عملاً آج سب سے زیادہ اجنبیت کا شکار ہوئی ہے اور بہت اچھے اچھے شرک نہ کرنے والے بھی رواداری کی اس رو میں بہہ جانے پر کسی نہ کسی حد تک مجبور ہوئے ہیں۔ اس رَو کے مخالف چلنا تو البتہ خال خال ہی کسی کا کام رہ گیا ہے۔

چونکہ اس رَو میں بہت تیزی آئی رہی ہے اس لئے اس بحران کا تجزیہ کرتے ہوئے اس مقبول عام ذہن کو ہی اس باب (کتاب کے حصۂ اول) میں زیادہ مخاطب کیا گیا ہے۔

گو اس باب میں ہم نے ان رجحانات کو بھی توجہ دینے کی کوشش کی ہے جو توحید کی دعوت دینے اور توحید کی ترجمانی کرنے میں افراط اور غلو کا شکار ہو جاتے ہیں اور بلکہ یہ افراط اور غلو ان کی ایک حد تک پہچان بھی ہو گیا ہے حتی کہ ان کی یہ پہچان توحید کی بابت لوگوں کا ایک مستقل تاثر بنا دینے کی بھی ایک وجہ بن گئی ہے۔

کسی بحران کا حل اس کی درست تشخیص پر ہی انحصار کرتا ہے۔ مرض کا خاتمہ علاج کر دینے سے ہی ہوسکتا ہے اور علاج کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس جگہ کا تعین کر دیا جائے جہاں بیماری نے گھر کر لیا ہو۔ توحید کے حقوق ادا نہ کئے جانا ہمارے نزدیک اس بحران کا ایک بڑا سبب ہے۔ اس باب میں ہم اس بات کا جائزہ لینے کی ایک کوشش کریں گے کہ توحید جو کہ اسلام کی اولین حقیقت ہے اپنے حقائق اور اپنے حقوق کے اعتبار سے کیونکر معاشرے میں حاشیائی کر دی گئی ہے۔ ضروری نہیں اس بحران (غربت اسلام) کے سب جوانب ہم نے اس بحث میں

سمیٹ دیے ہوں۔ یقیناً اس کے بہت سے پہلو ایسے ہیں جن پر بات ہونا ضروری ہے البتہ اس بحث میں ہم نے ان جوانب کو ہی نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے جو _ ہمارے خیال میں _ یہاں کے اسلام پسندوں کی توجہ سے بہت زیادہ محروم ہوئے ہیں یا جن کے بیان کی بابت ہمیں زیادہ تشنگی محسوس ہوئی۔

بحران کے اہم جوانب کی نشاندہی کر دینے کے بعد ہی چارہ گری کی کوئی صورت تجویز ہوسکتی ہے۔ چارہ گری کے سلسلے میں ہمیں انکار نہیں ہر ایک کا اپنا اجتہاد ہوسکتا ہے مگر اس کی نوبت بہرحال تشخیصِ مسئلہ کے بعد آتی ہے۔ تشخیص مسئلہ کی بابت بھی بے شک ہر ایک کا اپنا اجتہاد ہوسکتا ہے مگر اس کی بابت ایک مکالمہ کی ضرورت بہرحال مسلم ہے۔ پس ان دونوں باتوں سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مسئلہ کو ''زیر بحث'' لے آیا جائے۔ آپ محسوس کریں گے یہ کوشش ہم نے بہرحال کی ہے۔ اس موضوع پر بات کو آگے بڑھانے کیلئے جو حضرات شریکِ گفتگو ہونا چاہیں ہم ان کے آراء وافکار کے سننے اور پڑھنے کیلئے چشم براہ ہوں گے۔ خاص قسم کی تحریروں کیلئے، بے شک وہ ہماری آراء سے کتنا ہی مختلف ہوں، مگر معیار اور پختگی کے ایک خاص درجے کو پہنچتی ہوں، سہ ماہی ایقاظ کے صفحات بھی حاضر ہوں گے۔ ہم واقعتاً متمنی ہیں کہ اس موضوع پر ایک تعمیری تبادلۂ خیال ہو۔

اب یہ آپ پر ہے آیا اس مسئلہ کو جو ہم یہاں اٹھانے جا رہے ہیں نرا وہم سمجھتے ہیں جو کسی توجہ ہی کے لائق نہیں یا اس کا یہاں کی تحریکوں کے ایجنڈے پر آنا آپ کے نزدیک فی الواقع ضروری ہے۔ اس ایک سوال ہی کا جواب پانے میں اگر ہم کامیاب ہو جاتے ہیں تو بھی ہم اپنے یہ مضامین بے کار نہ جانیں گے۔

جہاں تک واقعی لائحہ عمل کی بات ہے اور جس کی نوبت تعیینِ مسئلہ کے بعد ہی آیا کرتی ہے ..تو کتاب کے آئندہ حصوں میں اس حوالے سے بھی ہم نے کچھ نکات اٹھائے ہیں مگر ابھی حصہٴ اول میں ہم اس بحران کو سمجھنے، اس کے مختلف جوانب کا تجزیہ کرنے اور اس سلسلے میں پائے جانے والے بعض اہم مغالطّوں کا ازالہ کرنے کی ہی کوشش کریں گے۔

****

فصل اول

باطل سے بیزاری نہ کہ رواداری

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ☆ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ☆ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ☆ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ☆ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ☆ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ☆ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ☆ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ☆ (الحج:۶۷-۷۴)

☆ ’’ہر امت کیلئے ہی ہم نے بندگی کا ایک خاص طریقہ مقرر کر دیا جس کی اسے پیروی کرنا ہے۔ پس انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کرنا چاہیے۔ آپ اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو (کھل کر) بلائیے۔ یقیناً آپ ٹھیک راستے پر ہی ہیں

☆ ’’ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھتے ہیں تو آپ کہہ دیں کہ اللہ تمہارے حال سے بہت ہی واقف ہے۔ تمہارے سب اختلافات کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز ضرور کر دے گا

☆ ’’کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر بات ہی اللہ کے علم میں ہے۔ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے۔ اللہ کیلئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے

☆ ’’یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان ہستیوں کی عبادت کر رہے ہیں جن کیلئے اس نے نہ تو کوئی سند نازل کی ہے اور نہ یہ خود (انکی پرستش کے حق ہونے کی بابت) کوئی علم رکھتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو کوئی مددگار میسر نہ ہوگا

☆ ’’اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی وہ ان پر ٹوٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں۔ کہہ دیجئے: تو کیا میں تمہیں اس سے بھی بدتر خبر دوں؟ آگ! جس کا وعدہ اللہ نے ان لوگوں کے حق میں کر رکھا ہے جو قبول حق سے انکار کریں اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے

☆ ’’لوگو، ایک مثال بیان کی جاتی ہے، ذرا کان لگا کر سنو! اللہ کے سوا تم جن جن کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے، گو سارے کے سارے ہی جمع ہو لیں اور تو اور مکھی اگر ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو وہ اسے بھی اس سے نہیں چھڑا سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور!

☆ ’’حق تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی، جیسا کہ اس کے مقام کا حق ہے، قدر ہی نہ پہچانی..‘‘

سورۂ حج کی ان آیات[۱] سے اخذ کی جانے والی

دعوت کی کچھ اہم بنیادیں

ہر اُمت کیلئے بندگی کا ایک طریقہ متعین کر دیا جاتا رہا ہے اور خدا کے ہاں اس طریقے کے سوا کی گئی بندگی ہرگز مقبول نہیں۔ خدا وہی قبول کرتا ہے جو وہ خود مقرر ٹھہرادے اور اپنے رسولوں کے ذریعے اس کی اپنے بندوں کو خبر پہنچادے۔ خدا کو فقط اعمال کی کثرت سے راضی نہیں کیا جا سکتا۔ خدا بس اس راستے کی پیروی سے خوش ہوتا ہے جو اس نے آپ اپنی مرضی اور چاہت سے اپنے بندوں پر فرض کر دیا ہو۔

وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ[۲]   بندے کیلئے میرا تقرب پانے کا کوئی ایسا ذریعہ ہے ہی نہیں جو مجھے ان فرائض سے زیادہ پسند ہو جو کہ میں نے اس پر عائد کر رکھے ہیں

خدا اپنے بندوں پر کیا فرض کرے، یہ وہ جانتا ہے۔ خدا نے اپنے بندوں پر کیا فرض کیا ہے، نبوت محمدؐ کے اس دور میں یہ البتہ ہر کسی کو معلوم ہوسکتا ہے۔ مگر ایک چیز ایسی ہے جو اس نے ہر دور، ہر نبوت اور ہر رسالت کے اندر فرض کئے رکھی ہے اور محمد ﷺ کی بعثت فرما کر اس کا پوری زمین کے اندر غلغلہ ہو جانے کا انتظام کر دیا ہے..

وہ سب سے بڑی چیز جو خدا نے ہر دور میں اور ہر اُمت پر فرض کئے رکھی.. وہ سب سے بڑا مطالبہ جو اس نے ہر دور کے انسانوں کے آگے بہت ہی کھول کر رکھا اور جس سے کسی کو کسی حال میں چھوٹ نہیں دی.. توحید ہے۔ خدا کی یکتائی کا اعتراف ہے۔ بندگی، عبادت اور پرستش کو اس کی تمام تر صورتوں کے ساتھ ایک اللہ وحدہ لاشریک کیلئے کر دیا جانے کی فرضیت ہے اور اس میں کسی ہستی کو ذرہ بھر اور رائی برابر شریک نہ کیا جانے کی تاکید۔

---

(۱) آیات سورۂ حج، جو کہ پچھلے صفحے پر دی گئی ہیں

(۲) البخاری عن ابی هریرہ کتاب الرقاق، باب التواضع

یہاں تک کہ اس نے اس بات کو.. یعنی خدا کے سوا اور ہستیوں کی عبادت کا انکار کیا جانے اور بندگی کی سب صورتوں کو ایک اللہ کیلئے خاص کر دیا جانے کو ہر دور اور ہر زمانے میں اسلام کا عنوان بھی قرار دے دیا کہ مبادا کسی کو اسلام کا سب سے بڑا فرض متعین کرنے میں کوئی دقت ہو یا مبادا کسی کو اسلام کا عنوان اور اسلام کا منشور کسی دور میں خود ترتیب دینے کی ضرورت آ پڑے۔ یہ کام خدا نے خود ہی کر دیا۔ ''بندگیِ غیر اللہ کی نفی اور تنہا خدا کی اطاعت و پرستش'' کو ہر رسول کی رسالت کا جلی ترین عنوان بنا دیا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (الأنبياء: ۲۵)	ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ ایک میرے سوا کوئی نہیں جو بندگی کے لائق ہو، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (النحل: ۳۶)	ہم نے ہر اُمت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو۔ پھر ان میں سے کچھ کو اللہ نے ہدایت دی اور کچھ پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا رہا

اس سب سے بڑے اور سب سے جلی فرض کو پھر اس نے ایک ایسے عہد اور حلف نامے کی شکل بھی دے دی جو اس دین میں آنے کیلئے ہر شخص کو اٹھانا پڑتا ہے:

اشهد ان لا اله الا اللّٰه و اشهد ان محمداً رسول اللّٰه

اس حقیقت کے بار بار اعادہ کو بہترین ذکر ٹھہرا دیا۔

أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (۱)	سب سے فضیلت والا ذکر (یہ کہنا ہے کہ 'نہیں کوئی عبادت کے لائق سوائے اللہ کے"

اسی کو کائنات کی سب سے بھاری اور سب سے مؤثر اور سب سے بابرکت حقیقت ٹھہرایا اور نجات اور خدا تک رسائی کا سب سے بہتر ذریعہ اور اعلیٰ ترین وسیلہ:

---

(۱) الترمذی: كتاب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة، ابن ماجة: كتاب الأدب، باب فضل الحامدين. قال الألباني: حسن، السلسة الصحيحة: 1497

فإن السموات السبع و الأرضين السبع لو وضعت في كفة و وضعت لا إله إلا الله في كفة رجحت بهن لا إله إلا الله و لو أن السموات السبع و الأرضين السبع كن حلقة مبهمة قصمتهن لا إله إلا الله(۱)	اگر ساتوں کے ساتوں آسمان اور ساتوں کی ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں پڑیں اور یہ کلمہ کہ "نہیں کوئی عبادت کے لائق سوائے ایک اللہ کے" ایک پلڑے میں ہو تو "نہیں کوئی عبادت کے لائق سوائے ایک اللہ کے" کا پلڑا ان سب کے بالمقابل بھاری پڑ جائے اور اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں (مل کر) ایک بند کڑا ہوں تو یہ کلمہ کہ "نہیں کوئی عبادت کے لائق سوائے ایک اللہ کے" ان کو پھاڑ کر گزر جائے

اسلام کی اس سب سے بڑی حقیقت کا اہم اہم مواقع پر اعادہ کرنا خود عبادت کا ہی حصہ بنا دیا بلکہ عبادت کا حسن ٹھہرا دیا۔اذان کی صدا میں۔ اقامت کے الفاظ میں۔ بندے کا وضو کر کے پاکیزگی کا احساس پاتے وقت۔ دُعائے استفتاح میں۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ کہتے وقت۔ سجدہ ورکوع کے متعدد اذکار میں۔ تشہد میں خشوع اور حلف برداری کے سے احساس کے ساتھ انگشت شہادت بلند کرتے ہوئے۔ جمعہ میں۔ خطبہء حاجت میں۔ کفارۂ مجلس۔ حج کا تلبیہ پڑھتے ہوئے۔ عمرہ وحج کے مختلف مواقع پر اور مختلف پیرایوں میں.. اسی حقیقت کا اعادہ اور اسی مشن کی یاددہانی ہوتی ہے۔

گویا شریعت نے پورا بندوبست کر دیا کہ آدمی کو اس کا وہ مشن یاد دلایا جاتا رہے جس کیلئے وہ دُنیا میں آیا ہے اور جس کیلئے دُنیا میں رسول آتے اور کتابیں اترتی رہیں.. تاکہ اس بار بار کے اعادہ سے اس مشن کا عنوان بھی درست ہوتا رہے، جو کہ بہت اہم ہے، اور آدمی کو اس کی تاکید بھی ہوتی رہے۔

****

خدا نے ہر اُمت کیلئے ایک خاص طریقۂ بندگی مقرر کر دیا ہے۔ ہر نبی (رسول) کی اُمت کو الگ شریعت دی ہے اور آدابِ بندگی میں ہر دور کے اہل ایمان کو ایک خاص ضابطے کا پابند کیا

---

(۱) الألباني في "السلسلة الصحيحة: 209: 1رواه البخاري في "الأدب المفرد "(548) و أحمد (2 / 169 - 170 ، (225)
و البيهقي في "الأسماء "(79 هندية) من طريق الصقعب ابن زهير عن زيد بن أسلم ..إلى أن قال (أي الألباني :(و قلت :و هذا سند صحيح)

ہے۔ اِس بات کو تسلیم کرنا اُس کی مطلق اطاعت کا دم بھرنا ہے۔ خود اپنی ہی اتاری ہوئی کسی بات کو بھی اُس نے جب بدلنا چاہا بدل دیا (وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لا يَعْلَمُونَ)[١] ایک چیز کو ایک شریعت میں رکھا اور دوسری میں نہ چاہا تو نہ رکھا۔ جس بات کو چاہا منسوخ کیا اور جس بات کو چاہا برقرار رکھا.. باوجود اِس حقیقت کے کہ ہر نبی پر شریعت خود اُسی کی طرف سے نازل ہوئی۔

وہ جب چاہے خود اپنی ہی شریعت میں کچھ نیا شامل کر دے اور جس بات کو چاہے موقوف ٹھہرا دے[٢]۔ کسی کو روا نہیں کہ اس سے پوچھے یا اس کو کچھ تجویز کر کے دے۔ اُس نے تو پہلے نبیوں کی شریعتوں پر اَڑنے کا کسی کو حق نہیں دیا۔ خود اُسی کی جانب سے اترا ہوا ایک حکم بھی، جو اُس نے بعد ازاں منسوخ کر دیا ہو، اب نہیں چل سکتا۔ پھر یہ حق کسی مخلوق کو کیوں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی چلائے اور اپنی منوائے اور اُس ایک کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا ضابطہ ضابطہ کہلائے۔ خدا وہ ہو اور چلے یہاں کسی اور کی؟ لوگوں کیلئے رُخ زِندگی اُس کے سوا کوئی اور متعین کرے تو کیوں؟ اختیار صرف اُس کا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ (القصص: ٦٨)	تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اختیار کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اختیار ان کا حق نہیں، پاک ہے اللہ اور بہت بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں

****

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ..[١]

"ہر اُمت کیلئے ہی ہم نے بندگی کا ایک خاص طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کی اُسے پیروی کرنا ہے۔ پس

---

(١) النحل 101: "اور جب بدل ڈالتے ہیں ہم ایک آیت کو جگہ ایک آیت کی، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس چیز کو کہ اتارتا ہے، کہتے ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ تو باندھ لینے والا ہے۔ بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے " (ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلوی)

(٢) مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی زندگی زندگی۔ اب جو نازل ہو چکا وہ قیامت تک حرف آخر ہے

(٣) یہاں سورہ حج کی انہی آیات کے حوالے بار بار آئیں گے جو اس فصل کے شروع میں مقدمۂ فصل کے طور پر مذکور کر دی گئیں۔ پس یہاں جن آیات کا حوالہ آپ نہ پائیں ان کے حوالہ کیلئے مذکورہ الصدر حوالہ کی جانب رجوع کریں۔

انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے .."

موسیٰ علیہ السلام یا عیسی علیہ السلام کی شریعت پر چلنے کا دعویٰ کرنے والے بھی یہ حق نہیں رکھتے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اس معاملے میں جھگڑا کریں۔ان کو بھی یہ حق نہیں کہ آپؐ کے ساتھ اس بات پر الجھیں کہ خدا کی شریعت میں کیا ہو اور کیا نہ ہو ..

یہود ہوں یا نصاری یا کسی اور مذہب کے پیروکار، سب کو یہ حق تو دیا جاتا ہے کہ وہ محمد ﷺ کی شریعت کے ساتھ ایمان لائیں یا کفر کریں اور اس کے نتیجہ میں خدا کے ہاں جا کر جزا پائیں یا سزا۔مگر یہ بات کہ شریعت میں کیا ہو اور کیا نہ ہو، قبلہ یوں ہو یا یوں، فلاں چیز حرام ہو یا حلال، زانی کو رجم اور چور کا ہاتھ کاٹنا چاہیے یا نہیں اور یہ کہ سود میں کوئی خرابی ہے یا نہیں .. اس کا حق کسی کو اس دُنیا میں بھی نہیں ہے۔چناؤ اتنا ہے کہ خدا کی طرف سے جو آیا ہے اسے قبول کر لیں یا رد۔

"ہر اُمت کیلیۓ ہم نے بندگی کا ایک خاص طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کی اسے پیروی کرنا ہے۔ پس انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے.."

چنانچہ شریعت کے عام احکام کا جب یہ مقام ہے کہ ایک بار وہ وحی سے واضح اور صاف طور پر ثابت ہو جائیں تو ان پر بحث جائز نہیں رہتی (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ) پھر اگر معاملہ دین کی ان اساسیات کا ہو جو کبھی کسی دور میں اور کسی نبی کی شریعت میں تبدیل ہوتی ہی نہیں اور جن کی ہر نبی کی اُمت ہی مکلّف رہی ہے تو دین کی ان اساسیات کو محل نظر کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ ان پر بحث پھر کیونکر جائز ہوگی؟؟؟

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُسْتَقِيمٍ

"پس انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔آپ (بے پرواہ ہو کر) لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف بلائیے۔یقیناً آپ ٹھیک ہدایت پر ہی ہیں"۔

دین میں جو بات آ گئی اور دین کی جو بنیاد ٹھہرا دی گئی اور جو کہ ہمارے لئے اب (مَنسَكًا) ہے ہمیں اس کو من وعن ماننا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے (هُمْ نَاسِكُوهُ) اور من وعن اس کی پیروی کرنے کی ہی دعوت دینی ہے (وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ) اور عین اسی بات کو حق جاننا ہے (إِنَّكَ لَعَلَى

هُدًى مُّسْتَقِيمٍ)

خدا کی بلاشرکت غیرے بندگی کرنا اور اسی کی دعوت دینا، خدا کے سوا پوجے اور پکارے جانے والوں کو باطل کہنا اور طاغوت جاننا، خدا کے سوا پوجے جانے والوں کی عبادت کے آڑے آنا اور معاشرے میں اس کا چلن نہ ہونے دینا، پرستش، عبادت اور اطاعتِ قانون میں خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کردینے پر آدمی کو _ اقامتِ حجت ہو جانے کے بعد _ انبیاء کے دین سے خارج سمجھنا اور جانتے بوجھتے اور علم رکھتے ہوئے خدا کے ساتھ شرک پر مصر رہنے والے (تارکِ توحید) کیلئے انبیاء کے دین میں باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہ پانا اور حجت قائم کردینے کے بعد اس کو جہنم کے عذاب سے صاف صاف متنبہ کردینا .. توحید کو ایمان، نماز، تحریک، جہاد، دعوت اور معاشرے کی بنیاد بنانا، اللہ و رسول اور ایمان والوں سے ہی تمام تر وفاداری رکھنا اور طاغوت و اولیاءِ طاغوت سے دشمنی روا رکھنا.. دین کی ایک ایسی بنیاد ہے جو ہر نبی کی شریعت اور ہر نبی کی دعوت کا مستقل حصہ رہی۔ ہم اس کے ازروئے شریعت پابند ہیں .. اور اس معاملے میں کسی کو ہم سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔

یا تو ایک بات خدا نے مقرر ٹھہرائی نہ ہو تب ہم خدا پر جھوٹ باندھیں گے اگر ہم اس کو دین کی بنیاد قرار دیں اور خدا پر جھوٹ باندھنے سے بڑھ کر دین میں کوئی ظلم نہیں۔ لیکن شرک سے مخاصمت اور اہل شرک سے بیزاری و براءت اگر انبیاء کا دین ہے تو پھر اس کو اسلام کے کام سے حذف کر جانے کا کسی کو اختیار کیسا؟

قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ أَنتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ (الشعراء: ۷۵-۷۷)	ابراہیم نے کہا : کیا کچھ خبر بھی ہے وہ سب جنہیں تم پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، یہ سب میرے دشمن ہیں بجز ایک رب العالمین کے
قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ (الانعام: ۷۸)	ابراہیم پکار اٹھا :اے برادران قوم ! میں بری و بے زار ہوا ان سب سے جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (الزخرف: ۲۶-۲۷)	جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا: تم جن کی بندگی کرتے ہو میں ان سے صاف بری و بے زار ہوا۔ میرا تعلق ہے تو صرف اس ذات سے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی ذات ہے جو میری رہنمائی کرے گی۔ اور یہی کلمہ ابراہیم اپنی پچھلی نسلوں کیلئے چھوڑ گیا..

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (الممتحنة: ۴)

(مسلمانو!) تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے، جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور جن جن کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو ان سب سے بری و بے زار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلئے عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ..

****

اسلام کی اس انداز کی دعوت پر .. حتی کہ اسلام کے محض اس انداز کے تعارف پر کئی جانب سے رواداری کا سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ محض ہمارے دور میں نہیں، ہر دور میں ہی۔

توحید پر اصرار اور شرک سے مخاصمت.. اسلام کا یہ فرض معاشرے کے ایک محدود طبقے کی شدید ناپسندیدگی کا سبب بنتا ہے۔ مگر اس خاص طبقے کی پسند ناپسند چونکہ معاشرے کے ایک بہت بڑے طبقے کی زبان میں بولتی ہے لہٰذا کوئی معاشرہ جب توحید کی حقیقت سے دور ہو اور اس کی قیادت جاہلیت کے ہاتھ میں ہو تو اس دعوت اور اس فرض کو وہاں کچھ ایسی مزاحمت پیش آتی ہے گویا پورا معاشرہ ہی اس کیخلاف ہے۔ تب بہت لوگ اسلام کا کوئی اور کام کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک واقعتاً صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔

ایک غریب نادار شخص جو اپنے بچوں کو دو وقت کی روٹی کھلانے تک سے عاجز ہے ذہنی طور پر اس قدر مفلوج اور معاشرتی دھارے کے ہاتھوں اس حد تک مغلوب کر دیا جاتا ہے کہ کسی طاغوت کے آستانے پر چڑھاوا چڑھا کر اپنی غربت اور اس کی دولت کی ریل پیل میں اضافہ کر آنا فضیلت کی بات جانے۔ صرف اتنا نہیں بلکہ اپنی جان کا استحصال کرنے والے اس انسان کے بارے میں کوئی غلط بات سننا تک گوارہ نہ کرے کیونکہ اگر اس کی گنجائش چھوڑ دی جائے تو دریوزہ گری کا یہ سب کاروبار ہی خطرے میں پڑ جائے۔

ایک ظالم سرکش کے پنجۂ استبداد میں کراہنے والے بیچارے ہی قوم اور قبیلہ اور باپ دادا کے نام پر اس ظالم کی بڑائی کا علم تھامنے کو کھڑے ہوتے ہیں اور خوشی خوشی اپنا آپ اس کی عظمت پر وار دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

سب سے پہلے لوگوں کی عقل کا استحصال ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر خود بخود ہر چیز کا استحصال ہونے لگتا ہے۔ لوگ نہ صرف اپنا استحصال کرواتے ہیں بلکہ اپنے اوپر روا رکھے گئے اس ظلم اور استحصال کا دفاع بھی کرتے ہیں اور کسی کو اس کیخلاف 'گستاخی' کی اجازت بھی نہیں دیتے!

آج ہمارے دور میں بھی انسانی معاشرے جس بدترین استحصال کا شکار ہیں اور جس کے انتہائی نتیجہ میں قوموں کی قومیں ایک محدود عالمی طبقے کی اسیر کر لی گئی ہیں اس کے پیچھے یہ عقل کا استحصال ہی کارفرما ہے۔

درست ہے کہ انبیاء کا دین محض دُنیا کے مسائل حل کرنے نہیں آیا۔ یہ کائنات کے آفاقی اور ابدی حقائق کو انسان کے قلب وذہن میں اُتارنے اور پھر اس کے قول وکردار میں ڈھالنے آیا ہے اور اگر محض دُنیا کے بحرانات ومسائل کو ہی ان کا کل ہدف قرار دے دیا جائے تو یہ ایک بہت عظیم چیز کو بہت چھوٹا کر دینا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے ابتدائی پیغام میں لوگوں کے سیاسی اور اقتصادی مسائل نے کوئی خاص توجہ نہ پائی۔ خدا کی معرفت اور خدا کی کبریائی بندگی ونیاز میں خدائے وحدہ لاشریک کی یکتائی.... دل کی دُنیا میں اس ایک کے سوا سب کے دیے بجھا دینا اور سب کی عبادت وپرستش کا انکار کروا دینا.... یہ ایک ایسا عمل ہے جو دُنیا کے مسائل سے بلکہ خود اس دُنیا سے بڑا ہے اور ایک بڑی چیز اپنے سے چھوٹی چیزوں میں فٹ نہیں ہوا کرتی۔ مگر پھر بھی یہ وہ چیز ہے جو دُنیا کے بہت سے گھمبیر مسائل کو بڑے آرام سے، بلکہ ایک غیر محسوس انداز میں، حل کر جاتی ہے۔ چنانچہ توحید دُنیا کی خیر بھی ہے اور آخرت کی بھی۔

عقل کے استحصال کا خاتمہ توحید کا ایک خود بخود اور لازمی نتیجہ ہے۔ یہ وجہ ہے کہ وہ سب طبقے جن کی بقا دُنیا میں عقل کے استحصال سے مشروط ہے توحید کی دعوت دیے جانے پر لازماً چیخ پڑتے ہیں اور بسا اوقات وہ اس چیخ وپکار کا کام معاشرے کے سادہ لوح طبقوں کو سونپ دیتے ہیں۔ میڈیا کا کردار دُنیا میں ہمیشہ زبردست رہا ہے۔ صاحبِ معاملہ پیچھے چھپا رہتا ہے اور وہ لوگ جن کا اس معاملے سے کچھ لینا دینا ہی نہیں ہوتا اسکے فریق بنا دیے جاتے ہیں!

توحید پر اصرار اور شرک سے مخاصمت کا یہ فرض دین کے دیگر فرائض مانند نماز وروزہ اور زکوۃ و

حج سے یکسر مختلف ہے۔ یہ واضح طور پر ایک ایسا فرض ہے جو معاشرے کے ایک خاص طبقے کی شدید ناپسندیدگی کا سبب بنتا ہے۔ شیاطینِ جن وانس جو صبح شام لوگوں کے سینوں میں وسوسے پھونکتے ہیں اس فرض کے بجالائے جانے پر جتنا سیخ پا ہوتے ہیں اتنا اسلام کے کسی اور فرض کے ادا کرنے پر نہیں ہوتے۔ پھر عقل کے استحصال کی راہ سے اس بات کا انتظام کرلیا گیا ہوتا ہے کہ اس محدود طبقے کی پسند ناپسند ہی معاشرے کے ایک بڑے طبقے کی زبان میں بولے .. یہاں سے "توحید پر اصرار" اور "شرک کے خاتمہ" کے سوال پر معاشرے میں 'رواداری' کا سوال اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

ایک غلط کو، اگر وہ معاشرے کے ایک بڑے طبقے میں رائج ہے، غلط مت کہا جائے اور باطل کو، اگر وہ سماج کے کسی شعبے پر مسلط ہے، باطل اور کفر اور ہلاکت کے نام سے نہ پکارا جائے.. یہ رواداری کا کم از کم تقاضا ٹھہرتا ہے! جاہلیت کا یہ مطالبہ اگر آپ تسلیم کر لیتے ہیں تو آپ کو اچھے القاب ملتے ہیں۔ تب آپ مہذب ہیں۔ زمانہ فہم ہیں۔ روشن خیال ہیں اور حد درجہ قابل ستائش۔ بے شک ذاتی زندگی میں آپ شرک سے پرہیز کئے رہتے ہوں، جاہلیت آپ کی اس بات کو جیسے کیسے برداشت کر لے گی مگر شرک کی مخالفت اور باطل کے آڑے آنے سے آپ کو ضرور روکے گی۔

زمانے کے سر نہ آنے کی بابت (قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ) [۱] آپ کو مشورہ دینے کیلئے جاہلیت آپ سے وقت کی ایک خاص ثقافتی زبان میں بات کرے گی۔ آپ اس کا اشارہ پا جاتے ہیں تو یہ آپ کی ذہانت اور عبقریت کی خوب داد دے گی۔ ورنہ آپ خود بخود اس کی نظر میں کوڑھ مغز ہیں! غرض معاشرے کے اندر ایک 'جدید' اور 'عصری' انسان بن کر رہنے یا کم از کم نظر آنے کی آپ کو خوب خوب ترغیب دی جائے گی۔ کوئی چیز آپ کے نزدیک شرک اور گمراہی ہے تو ایک غیر محسوس انداز میں آپ بے شک اس کو ترک بھی کئے رکھیں مگر اس سے عداوت اور مخاصمت کو بھی اپنا درد سر نہ بنائیں! شرک اور باطل کے معاملے میں اکثریت کی راہ سے ہٹ کر اگر آپ کسی بات کے قائل ہیں تو بھی کیا حرج ہے، بس اپنے کام سے کام رکھیں اور دُنیا کو اس کے حال پر چھوڑ دیں! اپنی مصروفیت

---

(۱) الحجر: 70 "وہ بولے: (اے لوط) کیا ہم نے تجھے دُنیا بھر کی (ٹھیکیداری) سے منع نہیں کر رکھا؟"
(ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی)

کیلئے بے شک کوئی تحقیقی یا سیاسی یا تبلیغی سرگرمی اختیار کرلیں۔ باطل سے حتی کہ ایک سیاسی انداز کا اختلاف بھی بے شک کریں۔ اپوزیشن میں بیٹھ جائیں۔ کسی بے دین یا ملحد اور خدا بیزار یا شرکیہ رجحانات کی حامل پارٹی کے ساتھ "سیاسی جنگ" تک آپ کر سکتے ہیں مگر یہ کہ اس کے ساتھ خالصتاً ایک عقیدہ کی جنگ چھیڑ دیں اور ایک اصولی انداز کی مخاصمت رکھیں یوں شرک اور باطل کے ساتھ آپ کسی ایسی جنگ کا علم بلند کریں جو حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ (۱) کے سوا کسی صورت تھمنے والی ہی نہ ہو ..اس کی بہر حال گنجائش نہیں۔

تاوقتیکہ آپ جاہلیت کی عصری تعبیرات کی رو سے اپنی 'معقولیت' اور 'موزونیت' کا بھرم رکھنے کی خواہش سے ہی دستبردار نہیں ہو جاتے جاہلیت سے آپ ایک سنجیدہ اور ٹھیٹ نوعیت کے کسی اختلاف کے متحمل نہیں ہوتے۔ جب تک آپ اس کی مقرر کردہ یہ 'حد' پار نہیں کر جاتے تب تک آپ کے زمانہ شناس اور روشن خیال ہونے پر کوئی کلام نہیں! باوجود اس کے کہ روشن خیالی اور زمانہ شناسی کے جاہلیت کی نگاہ میں متعدد 'درجات' ہیں اور بیشتر دیندار سب کچھ کر کرا کے بھی اس میں کوئی اعلیٰ درجہ نہیں پا سکتے مگر شرک اور باطل کی مخاصمت سے دستبردار ہو کر آپ جاہلی امتحان میں اعلیٰ نمبروں کے ساتھ نہ سہی 'پاس' ضرور ہو جاتے ہیں۔ جاہلیت کی جانب سے ایک پڑھے لکھے دیندار کیلئے یہ کوئی چھوٹی رشوت نہیں۔ کہنے کو یہ شخصیت کا محض ایک تاثر ہے مگر اس کی طلب میں بہت سے لوگ اگر جان سے نہیں گزرتے تو حق سے بہر حال گزر جاتے ہیں۔ ہاں اگر آپ جاہلیت کا یہ مطالبہ ہی جو وہ ایک خاموش اور عصری انداز میں کرتی ہے، رد کر دیتے ہیں تو آپ جنونی ہیں تفرقہ پرست ہیں جہالت پسند ہیں اور نہ جانے کیا کیا ہیں!

کہنے کو یہ بس ایک طعنہ ہے۔ چند الفاظ ہیں۔ مگر بہتوں پر بھاری گزرتے ہیں۔ بُرا پڑ جانا انسان کو طبعاً ناپسند ہے اور ستائش پانا ہر شخص کو بھلا لگتا ہے۔ خاص طور پر اس طبقے کے ہاں قابل قبول ہونا جو معاشرے پر اثر رکھتا ہے۔ اس طبقے کی تو ملامت سے بچ جانا ہی، جو کہ بے انتہا بلیغ اور عصری انداز میں ہوا کرتی ہے، ایک بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے! مگر یہ معاملہ انسانوں میں بُرا پڑنے یا

---

(۱) (۲) الممتحنہ: 4 "جب تک کہ تم ایک اللہ وحدہ لاشریک کے ہی مومن نہ ہو جاؤ"

ستائش پانے سے بہت بڑا ہے۔ جاہلیت کے کچھ لفظوں کی ہی اگر آپ تاب نہیں لا سکتے تو دعوتِ حق کی راہ میں اور آپ کیا اٹھائیں گے؟ یہ تو سب سے پہلے اعصاب کی جنگ ہے۔

توحید پر اصرار اور شرک سے عداوت کا یہ فرض جاہلیت کو جب ناگوار گزرتا ہے اور وہ معاشرے کی جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کی عقل کا استخفاف کر کے معاشرے میں اس فرض کے خلاف جو ایک مزاحمت پیدا کرتی ہے تو یہ ایک آزمائش ہوتی ہے۔ کوئی بے شک آپ کو پتھر نہ مارے زمانے بھر کی مخالفت مول لینا ویسے ہی آسان کام نہیں۔ پھر جبکہ ذاتی طور پر خدائے واحد کو پوجنے کی آزادی بھی ہو! شرک سے بیر اور باطل سے تعرض .. یہ فرض دعوتِ توحید سے حذف کر دینے کو تب اکثر لوگوں کا دل چاہنے لگتا ہے۔ اس کی دعوت دینا تو خیر بڑا کام ہے اس فرض کو فرض جاننا ہی تب استقامت چاہتا ہے۔ جب سارا زمانہ ایک طرف ہو تو شیطان یہ شک ڈالتا ہے کہ شاید یہ (یعنی شرک سے مخاصمت) فرض نہیں کوئی سنت اور نفل قسم کی چیز ہے جو اگر چھوٹ جائے تو کوئی اتنا بڑا حرج نہیں۔ یہاں تک کہ اس کا درجہ نفل سے بھی نیچے چلا جاتا ہے۔ تا آنکہ بعض کے نزدیک یہ جائز تک نہیں رہتا اور وہ اس فرض کو باقی توحید سے الگ کر کے دیکھنے لگتے ہیں: " ٹھیک ہے یہ خدا کو ایک ماننا اور شرک نہ کرنا تو مان لیا مگر یہ شرک سے عداوت اور مخاصمت کی فرضیت کہاں سے نکل آئی!؟'' شرک سے عداوت اور مخاصمت کی فرضیت پھر نہ پورے قرآن میں کہیں نظر آتی ہے اور نہ انبیاء کی زندگیوں میں۔ شرک سے نزاع کی فرضیت تب آدمی کو لوگوں کی اپنی بنائی ہوئی بات لگتی ہے اور سراسر غلو اور انتہا پسندی!

باطل کی مخالفت اور شرک سے عداوت کا پہلو بیچ سے نکال دیا جائے تو پھر حق کی دعوت بھلا کس کو بری لگے گی!؟

دعوت معاشرے میں کس بات کی دی جائے؟

ظاہر ہے ہر اچھی بات کی دعوت دی جانی چاہیے اور ہر بُری بات سے لوگوں کو روکنا چاہیے۔

دعوت کا آغاز کس 'اچھی بات' سے ہو؟ اور کس 'بُری بات' سے لوگوں کو 'سب

سے پہلے' روکا جائے؟

کس 'اچھی بات' کی لوگوں کو 'سب سے زیادہ' ''دعوت'' دی جائے اور کس 'بُری بات' سے لوگوں کو 'سب سے زیادہ' ''روکا'' جائے؟

سوال اصل میں یہ ہے۔

کیا خیال ہے اس کا جواب اگر قرآن سے اور رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی سے اور تمام انبیاء کی تعلیم سے لے لیا جائے؟ قرآن، رسول اللہ کی دعوتی زندگی اور انبیاء کی تعلیم اس سوال کا اس قدر واضح جواب ہے کہ جاہلیت کی ڈالی ہوئی تمام تر گرد کے باوجود اس کا روپوش ہونا ممکن نہیں۔

توحید کو منوانا اور شرک کی بیخ کنی کرنا.. اس سوال کا جواب قرآن اور دعوت انبیاء سے اس کے سوا اور کیا ملے گا؟

****

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ (67) وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (68) اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (69)

''پس انہیں اس امر میں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ آپ (کھل کر) لوگوں کو خدا کی طرف بلائیے۔ یقیناً آپ ٹھیک راستے پر ہی ہیں۔ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے اللہ تمہارے اعمال سے بہت واقف ہے۔ تمہارے سب اعمال کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز ضرور کر دے گا.."

یعنی شریعت کے کسی معاملے پر، خدا کی ٹھہرائی ہوئی کسی حقیقت پر تو بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ کوئی ترمیم، کوئی ردوبدل اور خدا کی طے کر دی ہوئی کسی بات پر نظر ثانی کا تو سوال خارج از بحث ہے۔ وہ مانتے ہیں تب، نہیں مانتے تب، تم البتہ انہیں ___ بغیر کسی جبر واکراہ کے ___ اسی کی دعوت دو اور اسی بنیاد پر ان کو خدا کی طرف بلاؤ۔

محمد ﷺ کی شریعت میں جو آ گیا اس کو حق ہونے کی سند خدا کی طرف سے حاصل ہو

چکی۔ وہ ھدیٰ مستقیم ہے۔ البتہ اس کو منوانے میں زبردستی کی گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ اس کا فیصلہ قیامت کے روز خدا خود کرنے والا ہے۔ یہ ایک ایسی اعلیٰ بات ہے جس کو منوانے کیلئے لوگوں کے عقل وفہم اور ان کے قلب وضمیر کو ہی مخاطب کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی دھونس نہیں۔ بات ماننے یا نہ ماننے کی پوری آزادی ہے۔ مگر وہ بات جو خدا کی طرف سے آ گئی اس میں ترمیم کروانے کا البتہ کسی کو حق نہیں۔ اس میں تبدیلی یا نرمی لے آنے کا مطالبہ کرنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ اس کو کھول کھول کر بیان کردو اور پھر ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو:

''پھر بھی اگر یہ لوگ آپ سے الجھتے ہیں تو آپ کہہ دیں اللہ تمہارے اعمال سے بہت واقف ہے۔ تمہارے سب اعمال کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز ضرور کردے گا..''

البتہ یہ بہت واضح ہے کہ اسلام کی کوئی اور بات بری لگے نہ لگے شرک کی مخالفت اور باطل کی مذمت اور تنہا خدا کی بندگی کی دعوت ظالموں کو بہت ناگوار گزرے گی بلکہ ظالم ہر دور میں اپنی پہنچان ہی یہاں سے کرائیں گے...... ان دو عقیدوں کے مابین مخاصمت کا رشتہ ہی کچھ ایسا ہے:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (۷۱-۷۲)	یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان ہستیوں کی عبادت کر رہے ہیں جن کیلئے نہ تو اس نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ یہ خود (ان کی پرستش کے حق ہونے کی بابت) کوئی علم رکھتے ہیں۔ ایسے ظالموں کیلئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور جب ان کو ہماری صاف صاف آیات سنائی جاتی ہیں تو تم دیکھتے ہو منکرین حق کے چہرے بگڑنے لگتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابھی وہ ان پر ٹوٹ پڑیں گے جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں..

لیکن اگر بات پوری طرح پہنچا دی گئی ہے تو کوئی پروا نہیں۔ اس پر تب خدا کے عذاب کی کھلی کھلی وعید سنا دینا تک درست ہے...... اور یہ تلقین خود قرآن ہی کر رہا ہے:

قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكُمُ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۷۲)	کہہ دیجئے پھر کیا میں تمہیں اس سے بھی بدتر خبر دوں؟ آگ! جس کا وعدہ اللہ نے ان لوگوں کے حق میں کر رکھا ہے جو قبول حق سے انکار کریں اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے

گویا اس پر وعید سنا دینا تک رواداری کے خلاف نہیں۔ نہ ہی یہ لہجہ لوگوں کا معاملہ خدا پر چھوڑ دینے کی بات سے متعارض ہے۔ باطل کے ساتھ شدید ترین لہجہ اپنا لینا اس دعوت ہی کے مراحل میں سے ایک مرحلہ ہے اور یہ ہرگز کوئی دھونس اور زبردستی نہیں کہلاتا۔

غیر اللہ کی خدائی کو باطل کہا جانا اور بندگی و پرستش میں خدا کے ساتھ شرک ہو جانے کو شدید مذمت کا مستحق جاننا حتی کہ اس پر وعیدِ آتش تک سنا دینا خدا کی عظمت اور کبریائی کا حق ہے۔ یہ ایک بالکل درست رویہ ہے۔ انبیاء کی زندگی اس پر شاہد ہے۔ اس پر تعجب تب ہوتا ہے اور یہ رواداری کے منافی تب نظر آتا ہے جب آدمی کی نگاہ سے انبیاء کا وہ جہاد جو وہ زندگی بھر کرتے رہے روپوش ہو جائے اور سب بڑھ کر جب آدمی خدا کی وہ شان اور قدر، جو کہ اس کا حق ہے، پہچاننے پر قدرت نہ پائے:

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِہ ..

"حق تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی، جیسا کہ اس کے مقام کا حق ہے، قدر ہی نہ پہچانی .."

خدا کے حق کی یہ ایک خاص حرمت تھی جو انبیاء کو شرک اور باطل کے خلاف بولنے پر مجبور کرتی تھی۔ خدا کے حق کی یہ حرمت مگر جب نگاہوں سے روپوش ہونے لگے تو تب اس 'رواداری' کے مستحسن ہونے کی نوبت آتی ہے جس کی رو سے "معاشرے میں خدا کے سوا اوروں کی اطاعت و بندگی کے خلاف محاذ کھڑا کرنا" ایک 'فرقہ وارانہ' اور 'اختلافی' مسئلہ قرار پاتا ہے اور یہ موضوع بحث تک سے نظر انداز ہونے بلکہ اجتناب برتے جانے کے قابل ہوتا ہے!

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِہ ..

"حق تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی، جیسا کہ اس کے مقام کا حق ہے، قدر ہی نہ پہچانی .."

****

سورۂ حج سے ہم نے جو آیات ذکر کی ہیں ان میں شریعت کی اٹل حیثیت، توحید کی دعوت دی جانے کی اہمیت، رواداری کی حدود، دعوتِ توحید کے خلاف دُنیا کے سرکشوں کا طبعی ردعمل، توحید کی دعوت پر ظالمین کا سیخ پا ہونا اور ان کے چہرے بگڑنا اور ان کا اس دعوت کے

آڑے آنے کی ہر کوشش کرنا، اہل حق کو ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی ہدایت، ان کا معاملہ خدا پر اور قیامت کے روز پر چھوڑ دینے کی تاکید، مگر شرک کی حقیقت اور اس کی شناعت بیان کی جاتی رہنے کی ضرورت اور ایک موحدانہ انداز میں اللہ کی شان اور قدر پہچاننے کی تاکید...... سورۂ حج کی ان آیات میں دین کی ان سب بنیادوں کا ایک زبردست اور پرلطف ذکر ہے۔ یہ سب باتیں چونکہ ہمارے اس مضمون سے گہرا تعلق رکھتی ہیں اس لئے اس پورے سلسلۂ مضامین کا آغاز ہم نے ان آیات کے ذکر سے کیا ہے۔ اس کے بعد کی آیات بھی اختتامِ سورت تک بنیادی طور پر اسی موضوع کا تسلسل ہیں۔ ان کو بغور دیکھ لینا اس موضوع کی افادیت اور معنویت اور بھی بڑھا دے گا۔ خصوصاً سورۂ حج کی آخری آیت جہاں یہ موضوع اپنے عروج کو پہنچتا ہے:

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ (الحج: ۷۸)	اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے (اس) کام کیلئے چن لیا ہے اور اس دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰت دو، اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ۔ وہ ہے تمہارا مولیٰ۔ بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار

****

(۱) مذکورہ بالا مضمون بمع کچھ ترمیم واضافہ الگ سے بطور کتابچہ بھی دستیاب ہے، جس کا مقصد دعوتی فائدے کیلئے اس مضمون کی تقسیم عام کو آسان بنانا ہے۔

فصل دوم

الحنیفیة[۱] السمحة[۲]..
آسانی اور رواداری پر مبنی ٹھیٹ موحدانہ طرزِ عمل

بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ [۳]

مجھے اس ٹھیٹ موحدانہ طرزِ عمل کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس میں بے حد آسائش اور رواداری ہے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (الحج: ۳۰-۳۱)

پس بتوں کی گندگی سے بچو اور باطل قول سے اجتناب کرو۔ (حنفاء) خدا کی جانب یکسو موحد بن کر۔ شرک سے دور رہتے ہوئے۔ سنو! اللہ کے ساتھ جس نے شرک کیا گویا وہ تو آسمان (کی بلندی) سے گر گیا۔ اب یا تو اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو ایسی جگہ لیجا کر پھینک دے جہاں اس کے چیتھڑے اڑ جائیں۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (البینة:۵)

اور وہ اس بات کے سوا کسی چیز کے مامور نہ تھے کہ ایک اللہ کی بندگی کریں اپنے دین کو اس کیلئے خالص کر کے (حنیف) یکسو موحد ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰت دیں۔ یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

---

(۱) لفظی وضاحت: ''حنیفیت'' نسبت ہے "حنیف" سے، جو کہ ابراہیم علیہ السلام کا لقب ہے اور کچھ اہم ترین مضامینِ دین کا ایک جلی عنوان، اور جو کہ دراصل دینِ اسلام کا ایک جامع تعارف ہے۔ اس فصل میں اسی کے بیان کی کوشش ہوئی ہے۔ ''حنیفیت" کو لفظ "حَنفیت'' سے البتہ خلط نہ ہونا چاہیئے جو کہ لغوی طور پر نسبت ہے "حنیفہ" سے اور جو کہ عرف میں امام ابوحنیفہ کے مذہب سے، جو کہ اہلسنت کے فقہی مذاہب میں سے ایک معتبر فقہی مذہب ہے، منسوب ہونا ہے۔

(۲) لفظ سمحہ میں نرمی و میانہ روی کا معنی بھی آتا ہے۔ آسانی و آسائش کا بھی، وسعتِ نظر کا بھی اور رواداری و فراخ دلی کا بھی۔ ایک لفظ میں اس کا ترجمہ کر دینا ممکن نہیں۔

(۳) مسند احمد (21260) حدیث ابی امامہ الباہلی، یہ ایک لمبی حدیث کا چھوٹا سا حصہ ہے .البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے .دیکھئے :السلسله الصحیحه، رقم الحدیث(2924)

أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ(۱)

انداز دینداری جو کہ اللہ تعالی کو سب سے پسند ہے وہ ہے: ٹھیٹ موحدانہ طرز کی بندگی جس میں خوب نرمی ومیانہ روی ہو

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتْ بِهِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ قَالَتْ وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أَبِمَزْمُورِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا (۲)

عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہا: میرے ہاں ابوبکرؓ تشریف لائے جبکہ اس وقت میرے ہاں دو انصاری لڑکیاں ان رجزیہ اشعار پر گا رہی تھی جو کہ انصار لوگوں نے جنگ بعاث کے موقع پر کہے تھے۔ عائشہؓ کہتی ہیں: یہ دونوں باقاعدہ گانے والیاں نہ تھیں۔ تب ابوبکرؓ (غصہ میں) کہنے لگے: شیطان کا یہ سُر کیا رسول اللہؐ کے گھر میں؟ جبکہ اس روز عید تھی۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر ہر قوم کا کوئی جشن ہوتا ہے اور آج ہمارا جشن ہے۔

و حَدَّثَنَاه يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو كُرَيْبٍ جَمِيعًا عَنْ أَبِي مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَفِيهِ جَارِيَتَانِ تَلْعَبَانِ بِدُفٍّ (۳)

یحیٰ بن یحیٰ اور ابوکریب دونوں ابومعاویہ ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ جو روایت کرتے ہیں اس میں یہ لفظ آتے ہیں: یہ دونوں لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔

---

(۱) امام بخاری یہ حدیث معلق (بغیر ذکر سند کامل) کتاب الایمان میں ایک باب کے عنوان کے طور پر لاتے ہیں: "بَاب الدِّينُ يُسْرٌ وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ" ابن حجر العسقلانی بخاری کی شرح فتح الباری میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: مؤلف نے اس حدیث کا اسناد نہیں کیا کیونکہ یہ ان کی شرط پر نہیں، ہاں مگر (بخاری نے)" الادب المفرد "میں اس (کی سند) کو موصول کیا ہے۔ اسی طرح احمد بن حنبل ودیگر نے اس حدیث کو موصول کیا ہے مُحَمَّد بْن إِسْحَاق عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاس کے طریق سے۔ (اس کے بعد ابن حجر کہتے ہیں: اس کی اسناد حسن ہے)
طبرانی حدیث کے یہ الفاظ المعجم الاوسط میں بروایت ابوہریرہ لے کر آتے ہیں رقم: 7562
البانی نے حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ایک سند کی بحث میں صحیح کہا ہے۔ دیکھئے السلسله الصحیحه رقم 881: ،جبکہ "تمام المنة"صفحہ 44: پر ایک سند کی بحث میں" أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ "کے الفاظ کو حسن لغیرہ کہا ہے۔

(۲،۳) صحیح مسلم 1479: کتاب صلاه العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذی لا معصیة فیه فی ایام العید.
چونکہ مسلم کے الفاظ میں دف کی صراحت آتی ہے اس لئے مسلم کی حدیث ہی اوپر متن میں نقل کی گئی۔ بخاری میں یہ حدیث ان (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ حَبَشٌ يَزْفِنُونَ فِي يَوْمِ عِيدٍ فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُ رَأْسِي عَلَى مَنْكِبِهِ فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ حَتَّى كُنْتُ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ عَنْ النَّظَرِ إِلَيْهِمْ (۱)	عائشہؓ سے روایت ہے، کہا: کچھ حبشی لوگ عید کے روز آئے اور مسجد میں ایک رقص نما کھیل پیش کیا۔ تب نبی ص نے مجھے بھی بلا لیا۔ میں آپ کے کاندھے پر اپنا سر رکھ کر ان کا کھیل دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ میں نے خود ہی ان کی طرف سے توجہ پھیر لی۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

= الفاظ کے ساتھ آتی ہے: عن عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا يَوْمَ فِطْرٍ أَوْ أَضْحًى وَعِنْدَهَا قَيْنَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاذَفَتْ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ مِزْمَارُ الشَّيْطَانِ مَرَّتَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَإِنَّ عِيدَنَا هَذَا الْيَوْمُ (بخاری 3638) "عید فطر یا اضحیٰ کے دن ابوبکر عائشہؓ کے ہاں آئے، جبکہ انکے ہاں دولڑکیاں انصار کے جنگِ بعاث کے روز کہے ہوئے بول گا رہی تھیں۔ ابوبکر نے دو مرتبہ کہا یہ شیطان کا آلہ؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں رہنے دو ابوبکر ہر قوم کی خوشی کا دن ہوتا ہے اور ہماری خوشی کا دن آج ہے"۔

(۱) صحیح مسلم 1483: كتاب صلاه العيدين، باب الرخصه فى اللعب الذى لا معصيه فيه فى ايام العيد.

اس حدیث کی شرح میں امام نوویؒ کہتے ہیں: قَوْلهَا: (جَاءَ حَبَش يَزْفِنُونَ فِي يَوْم عِيد فِي الْمَسْجِد) هُوَ بِفَتْحِ الْيَاء وَإِسْكَان الزَّاي وَكَسْر الْفَاء وَمَعْنَاهُ يَرْقُصُونَ، وَحَمَلَهُ الْعُلَمَاء عَلَى التَّوَثُّب بِسِلَاحِهِمْ وَلَعِبهمْ بِحِرَابِهِمْ عَلَى قَرِيب مِنْ هَيْئَة الرَّاقِص لِأَنَّ مُعْظَم الرِّوَايَات إِنَّمَا فِيهَا لَعِبهمْ بِحِرَابِهِمْ، فَيُتَأَوَّل هَذِهِ اللَّفْظَة عَلَى مُوَافَقَة سَائِر الرِّوَايَات " حضرت عائشہ کے لفظ "یزفنون" کا مطلب ہے "یرقصون "یعنی" ناچتے ہوئے "علما نے اسے اس پر محمول کیا ہے کہ وہ اپنے ہتھیاروں اور نیزوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے اس انداز سے اچھل کود کرتے تھے جو کہ رقص کی ہیئت کے قریب ہو۔ کیونکہ بیشتر روایات میں انکا صرف نیزوں کے ساتھ کھیل پیش کرنا آتا ہے۔ لہذا اس لفظ کا معنی سب روایات کی موافقت میں لا کر سمجھا جائے گا۔

جبکہ مسند احمد میں انس بن مالک کی حدیث (رقم: 12082) کے یہ لفظ آتے ہیں: كَانَتْ الْحَبَشَةُ يَزْفِنُونَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرْقُصُونَ وَيَقُولُونَ مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَقُولُونَ قَالُوا يَقُولُونَ مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ "حبشی لوگ رسول اللہ کے سامنے اچھلتے اور رقص کرتے ہوئے گا رہے تھے: محمدٌ عبدٌ صالح یعنی محمد خدا کے نیک بندے ہیں "مسند احمد کی یہ حدیث صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ محض "زيادةِ معنى" کیلئے دی گئی۔

عن عُرْوَةُ : إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ :لَتَعْلَمُ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ (١)	عروہ کہتے ہیں :عائشہؓ نے کہا :اس روز رسول اللہ ص نے فرمایا تھا :یہود جان لیں کہ ہمارے دین میں وسعت ہے۔ درحقیقت مجھے ایک ایسے موحدانہ طرز زندگی کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس میں آسائش اور رواداری ہے
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ (٢)	ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا" :بے شک دین آسانی ہے۔ اور جو بھی دین میں شدت اپنائے گا وہ دین سے لازماً مات کھائے گا "

****

(۱) مسنداحمد: 23710و 24771...... البانی نے (خذوا یا بنی رفدۃ ! حتی تعلم الیھود والنصاری أن فی دیننا فسحۃ) الفاظ کے ساتھ حدیث کو صحیح کہا ہے .(یعنی "شاباش بھئی جبش کے گبھرو! تاکہ یہودی اور عیسائی جان لیں کہ ہمارے دین میں بڑی وسعت اور گنجائش ہے") جبکہ ان الفاظ کے ساتھ جو اوپر متن میں نقل ہوئے البانی نے جید اسناد کہا ہے .دیکھئے :السلسلہ الصحیحہ رقم1829)

(۲) صحیح بخاری رقم 38:کتاب الایمان باب الدین یسر ، اس باب کی طرف اوپر اشارہ گزر چکا

یہاں حدیث کے الفاظ کی خوبصورتی قابلِ غور ہے :دین کو یسیر (آسان) نہیں بلکہ یُسر (آسانی) کہا گیا ہے، جو کہ دراصل دین کے فکری وفقہی ومعاشرتی پہلوؤں سے آسان ہونے، عملی اور واقعاتی ہونے اور حالات سے معاملہ کرنے میں مناسب ترین انداز اپنانے کی ایک زبردست جہت پر دلالت ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس دین کے بغیر زندگی عذاب ہے۔ قلب وذہن سے لے کر معاشرے اور ماحول تک......دین صحیح معنی میں ایک آسودگی ہے۔

حدیث کے مؤخر حصہ کی شرح میں امام ابن حجر لکھتے ہیں :

"جو شخص بھی دینی اعمال کے معاملہ میں زیادہ باریکیوں کے اندر جائے گا اور نرمی کو ترک کرے گا وہ آخر کار عاجز آجائے گا اور ہمت ہار بیٹھے گا اور شکست کھا کر رہیگا .ابن المنیر کہتے ہیں :یہ حدیث صداقتِ نبوت کی ایک نشانی ہوئی؛ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے اور ہم سے پہلے بھی لوگ دیکھ چکے ہیں کہ دین میں سختی کرنے والا ہر شخص آخرِ کار تھک ہار کر بیٹھتا ہے۔ "

کچھ اور آگے چل کر ابنِ حجر لکھتے ہیں :

"اس سے شرعی رخصتوں کو اختیار کرنے کی جانب اشارہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ رخصت کے مقام پر عزیمت اپنانا سختی ہے جیسے مثلاً کوئی شخص پانی استعمال کرنے کے معاملہ میں عذر رکھنے کے باوجود تیمّم پہ تیار نہ ہو اور پانی کا استعمال پھر اسے نقصان لاحق کر ڈالے "(دیکھئے فتح الباری بہ ذیل مذکورہ بالا حدیثِ بخاری)

حنیفیت ملتِ ابراہیمؑ کا ایک خوبصورت وصف بھی ہے اور اس کا ایک معروف لقب بھی۔ ظہورِ اسلام سے پہلے عرب میں شرک اور بتوں کی عبادت کو غلط جاننے والے اور خالص فطرت پر برقرار رہتے ہوئے ماحول کے اثرات کے خلاف برسرِ مزاحمت، عقلِ سلیم کے پیروکار، جاہلیت کی عام برائیوں سے دامن کش رہنے والے باہمت انسان جو کہ خدا سے ایک خاص انداز کی موحدانہ لولگا رکھیں حنفاء کے نام سے مشہور تھے۔ قرآن میں بیشتر مقامات پر ابراہیم علیہ السلام کا تعارف حنیف کے وصف سے کرایا گیا ہے۔ خود مسلمانوں کو "حنفاء للّٰہ غیر مشرکین بہ" رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ صبح شام کے بعض مسنون اذکار میں جو کہ توحیدِ بندگی کی زبردست یاددہانی ہیں، حنیفاً مسلماً کے الفاظ آتے ہیں (۱)۔ ضرور پھر اس لفظ میں کوئی ایسی بات ہے جو خدا کو خاص طور پر مطلوب ہے اور جس کو دعوت اسلام کا تعارف کرانے میں نہایت برمحل جانا گیا ہے۔

یہ لفظ عجیب وسعت کا حامل ہے۔ یہ بیک وقت دو معنی دیتا ہے جو کہ بظاہر متعارض ہیں مگر دراصل ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے ہیں۔ حَنَفَ یَحنُفُ کا مطلب مُڑا ہونا بھی ہے اور سیدھا ہونا بھی، میلان ختم کر لینا بھی ہے اور میلان پیدا کر لینا بھی۔ گویا یہ ٹوٹنا بھی ہے اور جڑنا بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے ساتھ عن کا حرف بھی استعمال ہوتا ہے اور الیٰ کا بھی۔ چنانچہ یہ دہرا معنی رکھتا ہے۔ یہ کمال انداز سے ایک حقیقت کے دونوں رخ بیک وقت بیان کرتا ہے۔ توحید کے دراصل دو پہلو ہیں۔ ان دونوں پہلوؤں پر یہ ایک ہی لفظ فٹ آتا ہے۔ یہ دونوں پہلو الگ الگ رہیں تو بے معنی ہیں یکجا ہوں تو "توحید" بنتی ہے۔ چنانچہ جس قدر توحید کے یہ دونوں پہلو اہم ہیں اسی قدر ان

---

(۱) عَنْ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا إِذَا أَصْبَحْنَا:
" أَصْبَحْنَا عَلَى فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْإِخْلَاصِ وَسُنَّةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِلَّةِ أَبِينَا إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ "
روایت ابی بن کعبؓ سے، کہا: اللہ کے رسول ﷺ ہمیں سکھایا کرتے تھے کہ جب ہم صبح کریں تو کہیں:
"صبح کی ہم نے اسلام کی فطرت پر، اور اخلاص (توحید) کے کلمہ پر، اور اپنے نبی محمدص کی سنت پر، اور اپنے باپ ابراہیم ع کی ملت پر کہ جو حنیف (ٹھیٹ موحد) تھے، سرِ بندگی تسلیم کر دینے والے اور مشرکوں سے الگ تھلگ ہو رہنے والے"
(مسند أحمد 20219:، البانی نے اسے صحیح کہا دیکھئے السلسہ الصحیحہ حدیث رقم 2989:)

دونوں پہلوؤں کا اجتماع ضروری ہے تاکہ یہ انسان کے تصور اور کردار کی ایک متعین جہت بنا دے۔ حنیفیت کا لفظ ان دونوں پہلوؤں کو کمال خوبصورتی کے ساتھ یکجا کر دیتا ہے۔" حنیف "اس شخص کو کہیں گے جو کسی طرف سے یکسر ہٹ جائے اور مکمل طور پر کسی اور طرف کا ہو لے۔ ان دونوں باتوں کے بغیر حنیف کا معنی متکامل نہ ہو گا۔ ایک طرف سے ٹوٹنا اور دوسری طرف جڑنا۔ یعنی نفی اور اثبات دونوں بیک وقت مراد لئے جائیں تو اس لفظ کی حقیقت سامنے آئے گی۔

چنانچہ "حنیفیت" کا معروف معنی ہے: سب معبودوں سے ناطہ توڑ کر بس ایک ہی معبود سے لو لگا لینا اور سب راستوں سے ہٹ کر ایک حق ہی کے راستے پر آ رہنا اور اسی پر جم جانا۔ جاہلی رسوم، جاہلی رواج، جاہلی معیار اور پیمانے اپنانے سے ابا کرنا۔ چنانچہ جس قدر "خدائے برحق کی بندگی " کا دم بھرنے اور "حق کی اتباع " سے وابستہ رہنے کا مفہوم اس لفظ سے واضح ہوتا ہے اتنا ہی جلی ہو کر "باطل" کو مسترد کر دینے اور "لوگوں کی دیکھا دیکھی "اور "رسوم ورواج " کا راستہ چھوڑ دینے کا مفہوم بھی اسی لفظ میں نمایاں ہے۔ اس لحاظ سے یہ اسلام کی ایک لفظ میں بہترین اور جامع ترین تفسیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت کے تعارف میں فرماتے ہیں: مجھے حنیفیتِ سمحہ دے کر بھیجا گیا ہے۔

یہ تو ہوا حنیفیت کا مطلب۔ سمحہ کیا ہے؟ اس کے معنی میں نرمی، آسانی، رواداری، رحمدلی، میانہ روی، رعایتِ فطرت، معقولیت، اعلیٰ ظرفی اور وسعت نظر کے مفہومات آتے ہیں۔ گویا یہ 'مذہب' اور 'دھرم' کے لگے بندھے مفہوم سے یکسر مختلف چیز ہے۔ ہر دھرم کی پیشہ ورانہ تفسیر اس کو پیچیدگیوں کا مجموعہ اور ایک از کار رفتہ چیز بنا دیتی ہے۔ 'مذہب' جکڑ بندی کا دوسرا نام ہو جاتا ہے۔ اس پر ایک خاص کاہن پیشہ قسم کے لوگوں کا اجارہ ہوتا ہے۔ مذہب کو ترکِ دُنیا اور مردم بیزاری کا ہم معنی کر دیا جاتا ہے۔ قدرتی جذبوں کا قتل اور جائز خواہشات کو دبا دینا 'مذہبی' ہونے کا تقاضا مان لیا جاتا ہے۔ شریعت کو سخت سے سخت کر دینا خدا کے تقرب کا ذریعہ باور کیا جاتا ہے۔ پھر چونکہ یہ ایک بے بنیاد دین ہوتا ہے، جہالت، خرافات اور انسانی اھواء وخواہشات بلکہ بسا اوقات تو انسانی حماقتوں کا مجموعہ ہوتا ہے لہٰذا اسے ثابت کرنے اور منوانے میں دھونس اور زبردستی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

سمحہ کا لفظ ان سب مفہومات کو باطل کر دیتا ہے اور دینِ اسلام کا ان جکڑ بندیوں سے یکسر ایک مختلف تعارف کراتا ہے..

اسلام فطرت کی اپنی ہی آواز ہے اور انسانی ضمیر اور عقل سے سیدھا سیدھا خطاب۔ لہٰذا اس کو ثابت کرنے اور منوانے میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔ اس معنی میں اسلام کے اندر رواداری ہے ..

پھر شریعت کے احکام میں نرمی اور آسانی ہے، جو کہ " گنجائش "اور "رواداری " کا ایک اور پہلو ہے ..

پھر، "احکامِ شریعت " کے اپنے اندر تو جو نرمی اور آسانی ہے وہ تو ہے ہی، احکامِ شریعت کے " فہم و استنباط "میں جو ایک " گنجائش "اور وسعت ہے، اور اس باب میں "تنوع " کیلئے جس قدر جگہ رکھی گئی ہے، فقہ (یعنی استخراجِ احکام اور فہمِ مقاصدِ شریعت) کے جو خوبصورت آداب رکھے گئے ہیں، اور اس باب میں "اختلاف " کے جو بے حد متوازن اور برمحل حدود متعین کئے گئے ہیں، انسانی صلاحیت کو اپنے جوہر دکھانے کا جو ایک کشادہ راستہ اس پہلو سے پیدا کر کے دیا گیا ہے اور تعددِ آرا کو ایک تعمیری عمل کیلئے سازگار بنانے کا جو ایک انتظام اس رنگ میں ہے، وہ اپنی جگہ حیران کن ہے۔

فقہی اختلاف کیلئے جگہ پیدا کی جانا اور تعددِ مذاہب (فقہی معنی میں) کا قبول کیا جانا، جو کہ منہجِ اہلسنت کا ایک امتیازی وصف ہے، اور جو کہ ہمیں ائمۂ سلف سے اپنے تمام تر حدود اور ضوابط سمیت باقاعدہ علمی انداز میں ملتا ہے، بھی اسی " گنجائش "اور "آسائش " کے ساتھ ملحق ہے۔

پھر لوگوں کو ان کے فرائض بتانے میں انکے حالات، انفرادی استعداد اور موقع ومناسبت کی حد درجہ رعایت ملحوظ ہے ..

دین سکھانے میں تدریج ہے۔ کسی بات کا مکلّف ہونا استطاعت سے مشروط ہے۔ بھول چوک معاف ہے ..

معاشرے کے اندر ہر شخص، ہر طبقے اور ہر صنف کو اپنی بہترین صلاحیتوں کے جوہر دکھانے کا کھلا موقعہ دینا اِس دین کا اپنا تقاضا ہے بلکہ اس کا امتیاز۔

اخوت، مساوات، خیر خواہی، صبر، احسان، صدقہ، صلہ رحمی اور مکارم اخلاق کی تلقین ہے۔ عفت، حیا اور پاکدامنی یہاں کا وجہِ امتیاز ہے۔ صداقت، جرات، بے نیازی، خدا امیدی، مثبت خیالی، قربانی اور ایثار ایک مسلسل دہرایا جانے والا سبق ہے۔ کردار کے حُسن پر حد درجہ زور ہے۔

بلکہ یہاں اگر کوئی سختی نظر آتی ہے تو وہ حیرت انگیز طور پر کردار کی پختگی میں ہی ڈھل جاتی

ہے جو کہ نفس کو پاکیزگی دینے کے ساتھ ساتھ بالآخر معاشرے کو بھی کچھ راحت اور زینت ہی دے جاتی ہے۔ یہ محنت کرائے بغیر ابنِ آدم کو عطا ہونے والا وہ قیمتی ترین جوہر مٹی میں مل جاتا ہے جس کے اعتراف میں ملائکہ کو اس کے سامنے سجدہ ریز ہونا پڑا تھا بلکہ تو شیطانی وحی کے زیرِ اثر، جو کہ جادہ ءانبیا سے ناآشنا ذہن لوگوں کو بکثرت القا ہوتی ہے، اس کا یہ نفیس جوہر ایک غلیظ کیچڑ بن کر رہ جاتا ہے اور اس کا تعفن ہر طرف پھیل جاتا ہے جس میں پھر صرف شیطان پلتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو تہذیب اور روشنی کے نام پر اس کی کچھ زندہ مثالیں آج خاص طور پر دیکھی جاسکتی ہیں (۱)۔ پس بے شک کسی وقت آدمی کو سانس پھولتی محسوس ہو مگر یہاں پائی جانے والی دشواریاں "علیم وخبیر " کی جانب سے نفس انسانی کو ترقی کی کچھ گھاٹیاں ہی سر کروانے کیلئے ہیں جس سے کہ انسان کی ہستی میں پھر ایک خاص رنگ کے پھول کھلتے ہیں، اور جس سے کہ خدا کے تخلیقی منصوبے کی اس خاص جہت پر یہ مخلوق پھر رشک خلائق ہو جاتی ہے۔

مزید برآں سادگی اور صفائی کا حکم ہے (۲)۔

---

(۱) آج کے کچھ مہذب ملکوں میں حرام کے بچے پیدا ہونے کی سالانہ شرح خوفناک حد کو پہنچی ہوئی ہے . تصور کیجئے "انسان "ہو اور "حرام " کی راہ سے آیا ہو، ایسی معزز مخلوق کو اپنے وجود ہی کے معاملہ میں ساری عمر ایک باعزت نسب اور قبیلہ و برادری کی بجائے کسی کی "بدکاری "اور "بے راہ روی " کا حوالہ اٹھا کر پھرنا پڑے ''حقوقِ انسان'' سے یہ مسئلہ بھی کیا تعلق نہیں رکھتا؟ ''انسان'' کے ہمدرد ہمارے ترقی پسند مُلا کو چھوڑ کر کسی وقت اس "انسانی مسئلہ "پر بھی توجہ دیں اور کبھی اس مسئلہ کو بھی اپنے انسانی ایجنڈے پر آیا ہمیں دیکھنے دیں!

(۲) یہی وجہ ہے کہ صفائی کی بعض باتیں، جو کہ "حنفاء "صدیوں سے کرتے آئے ہیں اور 'روشن خیال' دنیا نے ان میں سے کچھ باتیں کہیں اب جا کر ان سے سیکھی ہیں، با قاعدہ طور پر "فطرت" سے جوڑی گئی ہیں ورنہ شریعت میں انکا حکم ویسے بھی دیا جا سکتا تھا۔ پھر کسی وقت ان میں سے کئی ایک کی نسبت ابوالحنفاء ابراہیم علیہ السلام سے بھی کرائی گئی ہے . مثال کے طور پر دیکھئے یہ دو روایتیں:

- *"روایت ابن عباسؓ سے، بہ تعلق قولِ خداوندی "وَإِذَا ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ " (البقرہ:124) کہا : یہ حکم پاکی سے متعلق تھا، پانچ باتیں پاکی کی سر سے متعلق اور پانچ دھڑ سے متعلق؛ سر سے متعلق :مونچھیں تراشنا، منہ کی کلی کرنا، ناک پانی ڈال ڈال کر صاف کرنا، دانت صاف کرنا، سر کے بال سنوارنا . جبکہ دھڑ میں :ناخن تراشنا، زیرِ ناف*

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر=

فطرت کے مقاصد پر زور ہے۔ [۱]

ایک طرف بھاری بھرکم رسومات مذموم ہیں تو دوسری طرف رہبانیت اور ترکِ دُنیا کی ممانعت [۲] ہے۔ معاشرے کے عین بیچ میں رہنا، لوگوں میں گھل کر رہنا، لوگوں سے ملنے والی

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

= مونڈنا، ختنہ کرانا، بغل کے بال اتارنا، اور بول و براز کا اثر دھونا۔" (دیکھیئے تفسیر ابن کثیر بہ ذیل مذکورہ بالا آیت)

- "روایت عائشہؓ سے، کہا: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے": دس باتیں فطرت سے ہیں: مونچھیں تراش رکھنا، باریش ہونا، دانت صاف کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، ناخن تراشنا، (انگلیوں اور جوڑوں کی) رگوں کی ملی ہوئی جگہیں مانجھنا، بغل کے بال اتارنا، زیر ناف مونڈنا، (قضائے حاجت کے بعد) پانی استعمال کرنا، زکریا (راویِ حدیث) کہتے ہیں: دسویں بات میں بھول گیا سوائے یہ کہ وہ منہ کی کلی کرنا ہو" (صحیح مسلم 384: کتاب الطہارہ باب خصال الفطرہ)

(۱) فَأُتِيتُ بِثَلَاثَةِ أَقْدَاحٍ قَدَحٌ فِيهِ لَبَنٌ وَقَدَحٌ فِيهِ عَسَلٌ وَقَدَحٌ فِيهِ خَمْرٌ فَأَخَذْتُ الَّذِي فِيهِ اللَّبَنُ فَشَرِبْتُ فَقِيلَ لِي أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ أَنْتَ وَأُمَّتُكَ (البخاری 5179:الأشربه، شرب اللبن) "پھر (اسراء ومعراج کی رات) میرے پاس تین ظروف لائے گئے ایک میں دودھ، ایک میں شہد اور ایک میں شراب۔ تب میں نے وہ لے لیا جس میں دودھ تھا اور اسے نوش کیا۔ تب مجھے کہا گیا: پالیا آپ نے فطرت کو اور آپ کے ساتھ آپ کی امت نے"!

كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا (البخاری " 53: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ناپسند فرماتے عشاء سے پہلے سو جانے کو اور عشا کے بعد باتوں کیلیے بیٹھ جانے کو "

اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا قَالَ وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ فَأَثْرَى وَكَثُرَ مَالُهُ (الترمذی 1133:البیوع، ما جاء في التبكير بالتجارة، سنن ابی داود، ابن ماجۃ واحمد، البانی نے اسے صحیح کہا دیکھیئے صحیح سنن ابن ماجۃ رقم 1818، صحیح ابی داود 2345)" اے اللہ! بابرکت کر میری امت کے صبح سویرے کام کاج میں لگ جانے کو۔ آپ کو جب کبھی کوئی سریہ یا جیش جہاد کیلیے بھیجنا ہوتا تو اسے علی الصباح روانہ فرماتے۔ خود صخر (راویِ حدیث صحابی) ایک تاجر تھے اور جب انہیں کوئی تجارتی مہم روانہ کرنا ہوتی علی الصباح روانہ کرتے۔ چنانچہ بہت مالدار ہوئے اور ان کے ہاں بے حساب دولت ہوئی"۔

(۲) - فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ قَالَ فَحَدَّثَ نَفْسَهُ بِأَنْ يُقِيمَ فِي ذَلِكَ الْغَارِ فَيَقُوتُهُ مَا كَان

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

اذیت کو نیکی میں بدل کر لوٹانا یہاں بار بار دیا جانے والا ایک سبق ہے۔

غرض ہر معاملے میں ایک توازن ہے اور ہر چیز یہاں ایک خاص حُسن رکھتی ہے اور ایک خاص سَلیقہ۔ کوئی چیز بلاضرورت یا بے محل ہو، اس کا تو خدائی تنزیل میں تصور بھی نہیں۔

اس لحاظ سے الحنیفیہ السمحہ رسول اللہ کی دعوت اور مشن کا بہترین تعارف ہے!

حنیفیہ اور سمحہ۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے مشن کو بے انتہا منفرد بنا دیتے ہیں۔ ایک طرف اصول ہیں جن پر کوئی سمجھوتہ نہیں۔ حنیفیت ہے یعنی باطل سے کوئی سازگاری نہیں۔ ہر باطل راستے، ہر باطل نظام اور ہر باطل معبود سے مکمل ناطہ توڑ لینا ہے جس کے بعد باطل سے مسلم فرد یا مسلم جماعت یا مسلم معاشرے کا کوئی لینا دینا ہی نہ رہے۔ اللہ وحدہ لاشریک سے _ خالصانہ بندگی پہ مشتمل _ ایک خاص نکھرا ہوا تعلق ہے۔ اصولوں پر بے پناہ سختی ہے۔ عقیدہ پر بے حد زور ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

= فِيهِ مِنْ مَاءٍ وَيُصِيبُ مَا حَوْلَهُ مِنْ الْبَقْلِ وَيَتَخَلَّى مِنْ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ لَوْ أَنِّي أَتَيْتُ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَإِنْ أَذِنَ لِي فَعَلْتُ وَإِلَّا لَمْ أَفْعَلْ فَأَتَاهُ ..قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ خَيْرٌ مِنْ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَمُقَامُ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهِ سِتِّينَ سَنَةً (مسند احمد عن ابی امامۃ الباہلی: 21260، الالبانی : حسن لشواہدہ۔ السلسہ الصحیحہ 2924)" تب ایک صحابی کا ایک غار کے پاس سے گزر ہوا جہاں پانی دستیاب تھا، اس کے جی میں آیا کہ وہ وہیں رہ پڑے وہاں کا پانی پیا کرے اور آس پاس درختوں اور ہریالی سے اپنی غذا کی کچھ ضرورت پوری کر لیا کرے اور یوں دنیا سے دور عبادتِ خداوندی کرتا رہے۔ مگر پھر اس نے کہا: کیوں نہ میں خدا کے نبی کے پاس جاؤں اور آپ سے اپنی اس خواہش کا بیان کروں اگر وہ اجازت دیں تو یہ کر لوں ورنہ نہیں۔ تب وہ آپ ص کے پاس آیا ..تب آپ نے فرمایا: آگاہ رہو میں یہودی انداز دینداری کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور نہ نصرانی طرزِ عمل کے ساتھ۔ بلکہ مجھے بھیجا گیا ہے "حنیفیتِ سمحہ" کے ساتھ۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ص کی جان ہے خدا کے راستے میں گزاری ہوئی ایک صبح یا ایک شام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی شخص کا صفِ جہاد میں پوزیشن لے رکھنا اس کے ساٹھ سال تک نوافل ادا کرتے رہنے سے افضل ہے"

یہاں کوئی چھوٹ نہیں۔

دوسری طرف اصولوں کی دعوت دیئے جانے میں ہر درجہ معقولیت ہے۔ ان کو منوانے میں کوئی زبردستی نہیں۔ یہاں انسان کی عقل اور ضمیر سے خطاب ہے۔ دعوت کو لیکر چلنے میں اور اس راستہ کے اندر لوگوں کے ساتھ تعامل اختیار کرنے میں معقول ترین، آسان ترین اور موثر ترین انداز اپنانے کی ہدایت ہے بَشِّـرُوا وَلَا تُنفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا (١) راستہ وہی توحید کا راستہ ہے۔ راستہ نہیں بدلنا۔ انچ بھر نہیں ہٹنا۔ مگر اس راستے کو مردم بیزاروں سے بھی نہیں بھرنا۔ معقولیت کا دامن نہیں چھوڑنا۔ لٹھ ماری کا یہاں کیا کام۔ لوگوں کی ہمت اور استعداد اور لوگوں کے حالات کو مدنظر رکھا جانا ہے۔ اس راستے میں بہترین انسانی رویوں کو پروان چڑھایا جانا ہے۔ انسانی رشتوں کی تکریم کی جانی ہے۔ سماجی بندھنوں کو اور سے اور مضبوط کیا جانا ہے۔ یہاں عفو و درگزر ہے۔ بلند خیالی ہے۔ اعلیٰ ظرفی ہے۔ انسانی جوہر کی ترقی وافزودگی ہے۔ تہذیبی عمل ہے۔ احکام شریعت میں یُسر ہے۔ عزیمت ہے تو رخصت بھی ہے۔ جہاد اور عزم الامور پہ زور ہے تو تفریح اور شغل کی گنجائش بھی ہے۔ تبھی دف بجانے اور حبش کے مسلمانوں کو اپنا علاقائی کھیل پیش کرنے کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

"یہود جان لیں کہ ہمارے دین میں ایک وسعت اور آسائش ہے۔ درحقیقت مجھے ایک ایسے موحدانہ طرز زندگی کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس میں آسائش اور رواداری ہے" (٢)۔

چنانچہ ان بے شمار جہتوں سے اسلام میں بے حد وسعت، آسائش اور رواداری ہے، بلکہ آسائش

---

(١) عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ قَالَ بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا (صحیح مسلم 3262: كتاب الجهاد والسير، باب في الامر بالتيسير وترك التنفير) " *ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو اپنے کسی مشن پر روانہ کرتے تو فرماتے: تبشیر کرو نہ کہ لوگوں کو بھگاؤ، آسانی کرو نہ کہ لوگوں کو مشکل میں ڈالو"*

(٢) حوالہ پیچھے گزر چکا

اور رواداری _ مکارم اور پاکیزہ قدروں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ _ ہے ہی صرف اسلام میں۔

البتہ جاہلیت جس رواداری کا مطالبہ کرتی ہے اس سے مراد کچھ اور ہے! ایک نگاہ ہمیں اس پہلو سے بھی ڈالنا ہے، مگر ذرا آگے چل کر(۱)۔ پہلے "گنجائش" کے حوالے سے ابھی اوپر جو اصولی زاویئے نشان دہ کئے گئے، ان میں سے چند ایک کو تھوڑا سا اور جلی کر دیا جانا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں "حنیفیت" کی اساس کو بھی کچھ مزید واضح کر دیا جانا۔ اس کے بغیر وہ "جامعیت" اور "مانعیت" اور وہ "وسعت" اور "توازن" اور وہ "سلفیت واصالت" اور "عصریت" جن کو بیک وقت جمع کرنے سے ہی اسلام کی وہ تصویر بن سکتی ہے جن کا ذہنوں میں بٹھا دیا جانا یہ سب لکھنے لکھانے سے دراصل ہمارے پیشِ نظر ہے، شاید تشنۂ وضاحت رہے۔ گو آپ یہ محسوس کریں گے کہ ان میں سے ہر زاویہ بذاتِ خود ایک بہت بڑا مبحث ہے اور الگ سے واضح کیا جانے کا ضرورت مند۔

****

"حنیفیت" اور پھر "سمحہ"...... یہ اس قدر گہری اور دوررس اور پُر معنی فطری و قلبی، ذہنی و عقلی، منطقی و بدیہی، شعوری و ادبی، سماجی و عمرانی و تہذیبی، عملی و واقعاتی، دنیوی و اخروی، مادی و روحانی، خدائی و انسانی جہتیں _ بیک وقت _ اپنے اندر رکھتا ہے جو اپنے اس تمام تر حسن کے ساتھ وہ "دین" ٹھہرتا ہے جو _ بیک وقت _ انسان کے شایانِ شان ہو تو خدا کے ہاں مقبول. إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ(۲).. وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ(۳) اس کو جاننے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ کسی اور چیز پر قیاس ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اِس پر! پس سب سے پہلی بات اس کی طرف آنے کیلئے یہ ہے کہ اس کو "منفرد" مانا جائے اور "اِس" کے اور "اِس کے ماسوا" کے مابین حقیقی معنی میں کسی "مترادفات" کا پایا جانا بھی دور از امکان سمجھا جائے۔ واقعتاً یہ دین اتنا ہی منفرد ہے، بلکہ اِس سے بھی زیادہ!

---

(۱) ملاحظہ فرمایئے کتاب کی آیندہ فصل: ''رواداری کی حدود''

(۲) آل عمران 19: ''بغیر کسی ادنی شک وشبہہ، "دین" تو اللہ کے نزدیک ہے ہی صرف "اسلام"

(۳) آل عمران 85: ''اور جو "اسلام" کے ماسوا "دین" کی جستجو کرے اس سے ہرگز وہ قبول نہ ہوگا، اور آخرت میں وہ سب کچھ کھو دینے والوں میں سے ہوگا"

مراکش کے ایک مسلم دانشور، عبدالسلام یاسین، جنہوں نے فرانسیسی زبان میں اسلام کی بعض فکری اور تہذیبی جہتوں پر ایک بہت خوبصورت کتاب لکھی ہے اور جس کا عربی ترجمہ "الاسلام والحداثۃ" کے عنوان سے ہمیں پڑھنے کیلئے دستیاب ہوا.. اپنی کتاب کے آغاز میں یورپ کے انسان کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میری اصل دقت یہ ہے کہ میں تمہیں "ریلیجین" کے زیرِ عنوان "اسلام" کی تفسیر کرکے دوں!

خدائے علیم وخبیر کی یہ تنزیل واقعتاً اسی قدر نا قابلِ قیاس ہے۔

******

ہمارے وہ بہت سے شاعر اور ادیب جو 'دین' کو، جسے یہ ظالم 'مذہب' کہتے ہیں، کچھ بے معنیٰ رسوم اور بے دید جکڑ بندیوں کے رنگ میں لاکر پیش کرتے ہیں اور بسا اوقات 'دیر' اور 'حرم' کا ایک ہی سانس میں ذکر کر جاتے ہیں۔ پھر اپنے جیسے سفیہوں سے اس نکتہ آفرینی پر داد پانے کے خواستگار تک ہوتے ہیں...... 'دیر' اور 'کعبہ' کو ایک ہی مصرعے اور ایک ہی سیاق میں جڑ کر یہ زندیقیت کی راہ پر تو چلتے ہی ہیں (خاص طور پر وہ جو بالقصد اس اندازِ سخن کو رواج دیتے ہیں، بے شک کسی اور وقت وہ 'نعتیں' بھی کہتے سنے جائیں) 'حنیفیتِ سمحہ' سے اپنے کورا پن کا بھی ثبوت دیتے ہیں۔ خود یہ جس 'رسم' پہ ہیں وہ ایک بے حد پٹی ہوئی لکیر ہے۔ پیتل اور سونے کو 'ایک نظر' سے دیکھنا ان کے نزدیک صاحبِ نظر ہونا ہے! کون یہ تکلیف کرے کہ اشیاء کو الگ الگ کرکے دیکھے، خاص طور پر اس 'دیکھنے' کی اگر کوئی قیمت بھی ہو!

ان میں سے اکثر کا مصدرِ آگہی یا تو یہاں کے پرانے زندیق ہیں جو کہ فلاسفہ اور قدریہ و وجودیہ (وحدت الوجود) کے مکتبِ فکر سے منسلک شریعت بیزار صوفی شاعروں میں بکثرت پائے گئے اور جو کہ 'معرفت' اس مقام کو کہتے ہیں جہاں حق اور باطل کا فرق ملیامیٹ کرتے ہوئے اور دینِ انبیا اور دینِ تحریف زدہ وخانہ ساز کا امتیاز مٹی میں ملاتے ہوئے سب جہتیں ایک کردی جائیں، یا پھر ہندو سماج کا پسِ منظر ہے جو کہ گھپ اندھیرے کی ایک بدترین مثال ہے، اور یا پھر چرچ کی تاریخ اور اس کے خلاف 'عقل' اور 'جذبے' کا وہ خروج جس نے عمومی طور پر زمانۂ حاضر کے ایک پڑھے لکھے ذہن کی تشکیل کی ہے، اور یا پھر یہ تینوں جہالتیں۔ ظلمات بعضها فوق بعض.

گو اس بات کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ ہمارا 'مذہبی' طبقہ نہ صرف اس اندازِ فکر کو سمجھنے اور اسے ''حنیفیتِ سمحہ'' سے آشنا کروانے میں کچھ بہت کامیاب نہیں رہا (بلکہ ایک بڑا طبقہ شاید خود اس سے آشنا نہیں!) بلکہ نادانستہ، ماحول میں اس اندازِ فکر کو مقبولیت پانے کے بعض مواقع بھی اپنے پاس سے فراہم کرتا رہا اور بدستور کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام کی یہ فطری حسین جہتیں اور یہ عقلی وفکری افق، اور اس کی یہ روحانی شفافیت جو قلب اور نظر کی بیک وقت تسکین کرتی ہے، بلکہ اس کے سوا کوئی چیز پائی ہی نہیں جاتی جو قلب ونظر کی تشفی کر سکے...... 'ہدایت' اور 'خدا آگاہی' کا یہ خالص بے ساختہ قرآنی ونبوی اسلوب...... جو کہ سارا کا سارا ''حنیفیتِ سمحہ'' کے تحت خوبصورتی کے ساتھ مندرج ہوتا ہے اور ''دین'' کو 'احکام' سے پہلے ایک 'پیغام' بناتا اور 'اعمال' سے پہلے 'قلوب' میں جگہ پاتا ہے...... اور جو کہ ''دین'' کو لینے اور پیش کرنے کا ایک باقاعدہ منہج ہے، اور نبوی اسلوبِ تربیت کی اصل اساس...... اس وقت عام کیا جانا [1] بے حد ضروری ہے۔ ہم اس پر جا بجا زور دیتے نظر آتے ہیں تو اس کی کچھ یہی وجہ ہے۔

******

نصوص کے فہم واستیعاب، جمع وتطبیق، تحقیق وتخریج، تعیینِ مناط، استدلال واستنباط وغیرہ کے معاملہ میں تعددِ آرا اور تنوعِ مذاہب، جب تک کہ وہ "اہلسنت" کے دائرہ میں رہیں، بھی اس "گنجائش" اور "آسائش" کا ایک زبردست مظہر ہیں، جیسا کہ ابتدا کے اندر بیان ہوا۔

بعض فقہی مسائل پر مناظراتی دنگل جن سے ہمارے عوام کو "دین" کے نام پر متعارف کرایا جاتا رہا ہے، اور جن کو اہلِ علم کے علمی مناقشوں سے باہر نکال کر باقاعدہ 'سڑک' پر لے آیا جاتا ہے، بلکہ عوام کو ان میں باقاعدہ فریقِ معاملہ بنانے کی کوشش ہوتی ہے اور بسا اوقات تو قاضی اور حَکَم بھی، حتی کہ کسی وقت ان کو ان فقہی موضوعات پر بھڑکایا اور مشتعل بھی کر لیا جاتا ہے بلکہ ان میں ایمان کی غیرت جگانے تک کا یہی ایک میدان تجویز ہوتا ہے، غرض ان فقہی مسائل ہی کو حق اور

(۱) کچھ 'انسانی وسائل' اگر دستیاب ہو جاتے ہیں تو ادارہ ایقاظ اس منہج کی تعریف وترویج پر یہاں ایک باقاعدہ انداز سے کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ واللہ من وراء القصد، وھو المستعان.

باطل کا عنوان ٹھہرا دیا جاتا ہے یا شاید کسی وقت کفر و اسلام کا مسئلہ تک .. غایت درجہ مذموم ہے اور علم سے کوئی مس ہی نہیں رکھتا۔

اس رجحان نے دعوت کے اندر ایک اصولی اور عقائدی بنیاد اپنائی جانے اور معاشرے کا حقیقتِ اسلام کی بابت تصور درست کرایا جانے کے عمل کا جس قدر نقصان کیا ہے، اندازے سے باہر ہے۔ اس سے ایک اصولی دعوت کا کام حد درجہ مؤخر ہو گیا ہے۔ لوگوں کی نظر میں دین مسائل کا نام ہو کر رہ گیا ہے۔ فروع بڑی حد تک اصول بن گئے ہیں اور اصول فروع بلکہ تو روپوش۔ اہلِ اسلام کے مابین کچھ فقہی مسائل کی بنیاد پر بُغض اور نفرت اور عَداوت کے بیج بو دیے جانا اور پھر مسلسل اور ہر موقعہ اور ہر تہوار پر انہیں پانی دینا زمانے کی ایک تباہ کن بدعت ہے اور "آ سائش" کے دین سے بوجوہ تعارض۔ (۱)

ہاتھوں کا سینے کے اوپر یا سینے کے نیچے باندھا جانا، آمین کہی جانے کی کیفیت، نماز کی کچھ خاص حالتوں میں رفع یدین کیا جائے یا نہ، تراویح کی تعداد، قنوت میں کونسی دعا پڑھی جائے، تشہد میں انگلی کے اٹھانے کا وقت اور ہیئت، سجدے کو جاتے وقت زمین پہ گھٹنے پہلے پڑیں یا ہاتھ، وغیرہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ .. ایسے ہزاروں مسائل اہلِ علم کے مابین دوستانہ "علمی مناقشوں" کے اندر آ سکتے ہیں جبکہ عوام کے مابین ایک "تعلیمی عمل" کے اندر، اور بس! .. ائمۂ تابعین واتباعِ تابعین کے دور میں، کہ مذاکرۂ علم و دلیل میں اس سے بہتر کوئی دور نہیں، یہ مسائل کبھی محاذ نہیں بننے دیئے گئے علما کے مابین اور نہ عوام کے مابین۔ پس ہمارے سلف وہ ہیں اور ہمارے لئے "اتباعِ سنت" و "اجتنابِ بدعت" کی علمی و عملی مثال بھی وہی۔

اس اسلوب کی رو سے دین چونکہ مسائل میں محصور ہو گیا ہے لہٰذا کچھ جدید رجحانات کے زیرِ اثر اب اگر بعض روایتی مسائل کو موضوع بنانے کے وتیرہ میں کچھ کمی آئی تو بھی موضوعِ بحث و مناظرہ کچھ اور قسم کے "فقہی مسائل" ہی بنے! اپروچ وہی پرانی کہ ایک بات کو سرے لگا کر ہی چھوڑا

---

(۱) اس موضوع پر ذرا تفصیل سے دیکھنے کیلئے ملاحظہ فرمایئے اس کتاب کی فصل "فرقہ واریت ہے کیا؟"

جانا ہے۔حالانکہ فقہائے اہلسنت کے ہاں کسی مسئلہ میں "اختلاف کی گنجائش" کا مطلب یہی تو ہے کہ وہ بات 'سرے لگا کر' ہی لوٹنا ضروری نہیں! اب نہ وہ بات سرے لگے اور نہ بحث سے جان چھوٹے! اسلوب سے بالکل عیاں ہے کہ ہر فریق اپنے عوام کی خاطر مناظرہ کرتا ہے وگرنہ اس کے عوام دل چھوڑ جاتے ہیں ![(١)]

****

دین کی تعلیم .. لوگوں کو ان کے فرائض بتائے اور "سمجھائے" جانے میں ایک خاص ترتیب، "ایمان کی حقیقت" قلوب کے اندر راسخ کی جانا اور "اعمال" کو پھر ہی جا کر اس سے "برآمد" کرنا، معاشرے کے اندر پائے جانے والی رجحاناتی دقتوں اور دشواریوں کا درست اندازہ رکھنا اور اسی کے مناسبِ حال "علاج" کی زوردار مگر درست اور دانشمندانہ حکمتِ عملی اختیار کرنا، زمان و مکان کی رعایت سے "اصلاحی اولویات و ترجیحات" کی فقہ رکھنا، "نفسِ انسانی" کے "مطالعہ" اور اس سے "معاملہ" کرنے کی بابت ایک درست و مؤثر انداز رکھنا اور اس باب میں "نبوی اسلوب" کا اپنایا جانا وغیرہ وغیرہ جو کہ "فقہ الدعوہ" کے تحت باقاعدہ ایک پڑھی اور پڑھائی جانے والی "سائنس" ہے .. بھی اسی "سمحہ" کے تحت مندرج ہوتی ہے۔

---

(١) اس کی محض ایک مثال .. چہرے کا پردہ ہمارے سامنے حق و باطل کا ایک دلچسپ اور زبردست موضوع بنا دیا جاتا ہے۔تعددِ آرا کا جواز اس موضوع پر خارج از اعتبار ٹھہرتا ہے! فقہی اختلاف کی گنجائش مانی جانا قریب از محال ہے! ایک مسئلہ جس میں سلف کے مابین اختلاف ہوا آپ بھی رجحانِ ادلہ کی بنیاد پر یا اپنے کسی قابلِ اعتماد محقق پر سہارا کرتے ہوئے ان میں سے کوئی ایک رائے ہی رکھ سکتے ہیں اور چونکہ یہ ان مسائل میں آتا ہے جن میں اہلسنت کے مابین اختلاف ہو جانے کی "گنجائش" ہے لہذا اس موضوع پر زیادہ سے زیادہ آپ "تبادلۂ آرا" اور "مناقشۂ علم" ہی کر سکتے ہیں خواہ جتنا بھی کرنا چاہیں، اس کے بعد ان ہزاروں مسائل کی طرح جن میں سلف کے مابین اختلاف ہوا آپ اس مسئلہ پر بھی محاذ بنانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ادھر دیکھیے ایک فریق یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ "نقاب" اور "چہرے کے پردے" کی شریعت میں گنجائش تک ہے! حالانکہ چہرہ ڈھانپنے کی افضلیت پر متقدمین اہلِ علم میں کوئی اختلاف نہیں۔ ایک دوسرا فریق یہ ماننے کیلئے تیار نہیں کہ چہرے کا پردہ "فرض نہ ہونا" سرے سے کوئی معتبر رائے ہو سکتی ہے! جبکہ شریعت میں اور اصولِ اہلسنت کی رو سے یہ وہ مسئلہ ہے جس میں ہر دو رائے رکھی جانے کی گنجائش ہے۔

درشت دینی رویے، دین کے چھوٹے امور کو بڑا اور بڑے امور کو چھوٹا کر دینا، لوگوں کو دینی فرائض پہ لانے یا برائیاں چھڑوانے میں کسی "ترتیب" کا خیال نہ کرنا بلکہ تعلیم اور اصلاح کے عمل میں کسی ترتیب کا سرے سے تصور ہی نہ ہونا .. لوگوں کی استعداد اور پسِ منظر کو دیکھے اور جانے بغیر بلکہ لوگوں کی استعداد اور پسِ منظر کا کوئی تصور تک رکھے بغیر انکو شرعی احکام کی بس ایک فہرست تھما دینا .. اور جملہ مسائلِ شرع پر یکساں شدت یا یکساں نرمی سے بات کرنا .. ایسے کچھ رجحانات جو دین ہی کی بابت ایک عام شخص کا تاثر آخری حد تک خراب کر دینے کا باعث بنے ہیں ہمارے نزدیک حد درجہ قابل مذمت ہیں۔ ان سب امور پر کسی اور موقعہ پر زیادہ تفصیل سے بات ہونا باقی ہے۔

******

معاشرے کی فاعلیت dymamism کو ختم نہ ہونے دینا، بلکہ اس کو باقاعدہ ایک مہمیز دینا اور ایجابیت کو ہر ہر معاملے کے اندر اختیار کر رکھنا .. یہ بھی اس عقیدہ اور اس شریعت کی "سماحت" کا ایک زبردست پہلو ہے۔ اس کی بے شمار جہتیں ہیں جن کے بیان کیلئے کوئی اور محل درکار ہے، مگر اس مقام پر ہم یہاں کی بعض الجھنیں دور کر دینے کیلئے اس کی ایک جہت کی جانب ذرا اشارہ کر دینا چاہیں گے جو کہ کئی ایک ذہنوں کے اندر اس وقت پیدا ہو جاتی ہیں یا ہو سکتی ہیں جب ہم "عقیدہ" اور "شریعت" پر مبنی ایک "ٹھیٹ" دعوت کی بات کرتے ہیں اور جبکہ اذہان خود بخود "ٹھیٹ" دعوت کے بعض دستیاب نمونوں models at hand کی جانب چلے جاتے ہیں ..

يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى	وہ ایک وقتِ مقررہ تک تمہیں بہترین سامانِ زیست دے گا
وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ	اور ہر صاحبِ مقام کو اس کا مقام دے گا

(ہود: 3)

أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ	یہ کہ میں ضائع نہیں کرتا کسی عمل کرنے والے کا عمل، وہ مرد ہو
أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ	یا زن، تم سب ایک دوسرے میں سے ہی ہو"

(آل عمران: 195)

پچھلی کئی ایک صدیاں یہاں __ زوال کے کئی اور مظاہر کی طرح __ معاشرے کے اندر عورت کا کردار جس طرح نہ صرف فراموش کیا گیا بلکہ متعدد انتظامات بالاہتمام ایسے عمل میں

لائے گئے کہ معاشرے کے اندر ایک صحت مند انداز میں عورت کا نہ تو کوئی "دینی" کردار رہے اور نہ "دنیاوی"۔ الا ماشاءاللہ۔ یہاں تک کہ صنفِ نسواں کی بابت اس انداز میں سوچنا گویا "عقائد" کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے! پس یہ ضروری ہے کہ عقیدہ کی ایک اصیل دعوت اس انداز کے معاشرتی رویوں کے معاملے میں اپنا ایک جداگانہ تاثر بنائے ..اور ایسا ہم بوجوہ ضروری سمجھتے ہیں۔

بیشتر مساجد ہمارے برصغیر میں اس بات کی روادار نہیں کہ عورت جمعہ و جماعت کے اندر کبھی شریک تک ہو اور دین کی روزمرہ سرگرمیاں جس کا مرکز "مسجد" ہی کو ہونا چاہیئے، اور جو کہ سنت سے ثابت اور واضح ہے، اس میں صنفِ نسواں کو بھی افادہ واستفادہ کا ــــ حدودِ شریعت کے اندر رہتے ہوئے ــــ موقعہ حاصل ہو۔ فتنہ پھیل جانے کی دلیل ایسی زبردست حجت رہی کہ صدیوں "عورت" یہاں "مسجد" کی شکل نہ دیکھ پائی اور یہ بات ہرگز کوئی فتنہ نہ جانی گئی۔

جبکہ نہ صرف یہ کہ اپنے یہاں پائی جانے والی یہ صورت سلف سے ماخوذ نہیں دراصل "عورت" کے کردار کو ــــ دوسری طرف ــــ عین ہماری ان صدیوں میں ہی ہماری مدِ مقابل اقوام کے اندر آخری حد تک لے کر جایا گیا جو اگر بنیادی طور پر "تخریب" کیلئے تھا اور بلا شبہہ تخریب کیلئے تھا تو اس کے روبرو ہمارے یہاں "تعمیر" کیلئے اس کو آخری حد تک لے جایا جانا ضروری تھا اور عورت کے ایک زوردار دینی وسماجی کردار کی ایک درست مگر بھرپور تصویر پیش کی جانا ہم سے مطلوب تھا۔ تاکہ "تہذیبوں کے اس ٹکراؤ" میں برابر کی چوٹ ہوتی اور "عورت" کے حوالے سے مغرب نے اور یہاں اس کے لاؤڈ سپیکروں نے جو گمراہ کن انداز اپنایا اس کے مقابلے میں ہماری "عورت" فکری اور تہذیبی اور معاشرتی فاعلیت کے اس مقام پر ہوتی کہ "عورت کے حقوق" پر اسلام کا مقدمہ آج کی اس جدید جاہلیت کے خلاف ہماری جانب سے بڑی حد تک وہ خود لڑتی۔ مگر ایسا بہت کم ہو پایا۔

مغرب کے اسلامی مراکز کے اندر ایک "عصری" اسلامی عمل کا جو ایک واقعہ بڑی محدود سی سطح پر سہی ہماری اس صدی میں سامنے آیا ہے، کئی ایک خطرناک غلطیوں اور تجاوزات کو اس سے منہا

کرتے ہوئے، وہ یقیناً دیکھے اور پڑھے جانے کے لائق ہے۔ خصوصاً اسلام کی عصری تہذیبی جہتوں کے حوالے سے اور ان میں بطورِ خاص اسلامی ماحول کے اندر اور اسلام کے اجتماعی و معاشرتی عمل میں عورت کا تعمیری حصہ۔

ہمارے برصغیر کے اطراف و اکناف میں البتہ عورت کا معاشرے کے اندر ایک مؤثر "دینی کردار" رکھنے کی کسی ایک انداز سے حوصلہ شکنی ضروری جانی گئی ___ اِس کو باقاعدہ "دین" کا تقاضا جانتے ہوئے ___ تو "دنیوی کردار" کے معاملہ میں کسی دوسرے انداز سے اس کو معطل کر کے رکھا جانا۔ الا ما شاءاللہ۔ یہاں تک کہ ایک خاص ٹھیٹ اندازِ دینداری کی اس کو باقاعدہ پہنچان اور علامت بھی بنا دیا گیا۔ یہاں تک کہ اگر آج کوئی دین سے شدید تمسک کی بات کرے تو اس کو خود بخود اسی سوچ کا حامل سمجھا جائے!

بلکہ بوجوہ اسے ایک ایسا رخنہ بنا کر چھوڑ دیا گیا جسے پر کرنے کو یہاں کے بے دین اور لادین ہی رہ جائیں!

بلاشبہہ عورت کے دینی و دنیوی کردار کے موضوع پر اسلام اپنی خاص متعین "حدود" رکھتا ہے اور پھر اپنی خاص متعین "ترجیحات"۔ مرد و زن کا آزادانہ گھلنا ملنا اسلامی معاشروں کے اندر ممنوع ہی رہنا ہے۔ "پردہ" کا ادارہ مضبوط ہی کیا جانا ہے۔ محکمۂ جنگلات کی اوورسیری یا نہروں کی کھدائی کی انجینیری ایسی نوکریاں بھی مسلمان عورت کی ضرورت ہیں اور نہ مرد و زن کی مساوات کو مغربی انداز میں حماقت بننے دینے کی یہاں ایسی کوئی گنجائش۔ مگر وہ بہت سے دینی و معاشرتی احاطے جہاں ہمیں "نساءِ مؤمنات" کا کردار پھر سے زندہ کرنا ہے آئندہ کی وہ سماجی تبدیلی جو کہ ان شاءاللہ اسلام کے نقشے پر ہونے والی ہے اُس کا یہ ایک اہم حصہ ہوگی۔

******

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف بڑھیں گے ..

کوئی صدی بھر سے، ہمارے برِّصغیر میں، یہاں کے بہت سے فکری و تحریکی حلقوں کے اندر، "دین" کے "مقصد و مزاج" اور "حقیقت و کردار" اور "انبیا کی جدوجہد کا نقطۂ مرکزی" پر

خوب بحث و گفتگو ہوتی آئی ہے اور ابھی ہوتی رہے گی۔ کئی ایک "مکتبِ فکر" اس حوالے سے اب باقاعدہ یہاں وجود رکھتے ہیں۔ یہ ایک صحت مند عمل ہے اور اس میں ابھی تک بہت اچھی اچھی جہتیں سامنے آ چکی ہیں۔ البتہ یہ ایک واضح امر ہے کہ برصغیر کی فکری دنیا "عقیدۂ اسلامی کی اصل روح" کو پانے کے حوالے سے پچھلی کئی صدیوں سے ایک "ارتقائی عمل" سے گزر رہی ہے، بے شک اس موضوع پر کئی ایک نے "حرفِ آخر" پہ پہنچ جانے کا دعوی کرلیا ہو اور اگرچہ اس کا "حرفِ آخر" کچھ دیر بعد خود اسی کو "حرفِ آخر" نظر نہ آتا ہو! جدیدیت کی وارداتیں بھی اسی لئے یہاں پر ہی سب سے زیادہ ہو رہی ہیں۔ گو جمود اور قدامت پسندی کی کچھ کہنہ مثالیں بھی سب سے زیادہ اور ایک بہت بڑی سطح پر ہمیں اپنے اس برصغیر میں ہی ملیں گی.. اور ان دونوں کے مابین سب سے نایاب چیز "نقطۂ وسط!!!"

البتہ ہمیں جو تشنگی ہے وہ یہ کہ "تعبیرِ دین" کے حوالے سے محمد بن عبدالوہاب کے مکتبِ فکر کو جو کہ دراصل ابنِ تیمیہ و ابنِ قیم کا مکتبِ فکر ہے، اور جو کہ ایک کامل و متکامل منہج ہے، کسی طرح یہاں برِ صغیر کے ان فکری اور تحریکی حلقوں کے اندر باقاعدہ طور پر لے کر آیا جائے اور __ اس کی چند عصری جہتوں کی حد تک __ سید قطب کے مکتبِ فکر کو بھی جو کہ سید مودودی کے "ماقبل تقسیمِ ہند" منہج کی ایک عمیق تر و مرکوز تر و ترقی یافتہ صورت ہے۔ ہمارا یہ مضمون اسی سمت میں ایک ناچیز کوشش ہوگی۔

ابنِ تیمیہ اور ابنِ عبدالوہاب کا یہ مکتب فکر، جو کہ کچھ انکا اپنا کمال نہیں بلکہ اہلسنت کا اصیل منہج ہے، یہاں اگر درست انداز میں متعارف کرایا جاتا ہے تو کیا بعید "تعبیرِ دین" کے حوالے سے یہاں اخلاص کے ساتھ کی جانے والی اب تک کی بعض کوششوں میں ایک "تصویر" کے جو کچھ اہم ترین حصے تا حال "گمشدہ" پائے جا رہے تھے وہ ہمیں اس اصیل "منہج" کے اندر مل جائیں اور تب یہاں کے اہلسنت طبقے تحریکی عمل میں اپنی پیش رفت کیلئے ایک بہترین بنیاد پا لیں!

اس حوالے سے ایک باقاعدہ موضوعی objective انداز میں اور تفصیل کے ساتھ بات کی جانا تو ابھی باقی ہے اور وہاں ہمیں اپنے برصغیر کے اندر منظرِ عام پہ آنے والے بعض مکاتبِ فکر کا ایک ملاحظہ اور ان کے مابین ایک موازنہ کرنے کی بھی شاید ضرورت پڑے۔ مگر یہاں اس وقت ہم

نہایت اختصار کے ساتھ ہی" اپنے" اس منہج کا ایک مقدمہ اپنی بساط کی حد تک بیان کر پائیں گے۔

اِس مکتب کے توضیحِ مطالب میں، جس کے ویسے ہم ہرگز اہل نہیں، اور جو کہ کبھی بھی ہمارا موضوعِ مشق نہ بنتا اگر برصغیر کا یہ "خلا" جو کہ پھاڑ کھانے کو آتا ہے اور جو کہ اہلِ علم کے لئے پھر بھی موجود ہے ہمیں اس کیلئے بے صبر نہ کر دیتا، ہم سے البتہ یہاں جو تقصیر یا غلطی ہو اُس کو ہمارے ہی نقصِ بیان یا پھر کوتاہیِ فہم پر محمول کیا جائے۔ توفیق اور بخشش کیلئے ہم سب خدائے ذوالجلال ہی کے سوالی ہیں اور اسی کے در کے محتاج۔

******

حنیفیت: "تحقیقِ توحید"

یہ دنیا جس نے بنائی ایک خاص ترتیب اور سلیقے سے بنائی ہے اور ایک نہایت خاص نقشے پر۔ اُس کے اِس نقشے اور منصوبے کو نظر انداز کر کے یہاں پورے ایک دھڑلے سے رہنے کی کوشش گوا ایک بڑی دنیا کرتی ہے، کیونکہ کچھ دیر کیلئے انہیں اِس پر کچھ نہیں کہا جاتا، مگر یہ وہ پہلی اور آخری غلطی ہے جو یہاں رہ کر جانے والے یہاں کرتے ہیں اور وہ سب سے بڑا خطرہ جو وہ روزانہ مول لیتے ہیں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ

ہم نے کثیر جن اور انسان جہنم کیلئے رکھ چھوڑے ہیں؛ ان کو قلوب حاصل ہیں مگر یہ ان سے سمجھ کا کام نہیں لیتے۔ یہ آنکھیں رکھتے ہیں پر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان رکھتے ہیں مگر ان سے سنتے نہیں ہیں۔ ان کا حال چوپایوں جیسا ہے بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔ یہ ہیں وہ لوگ جو "غافل" ہیں"

(الاعراف: 179)

پس ضروری ہے کہ وجود کے اس لاکھوں کروڑوں سالہ منصوبے کا علم پا کر رکھا جائے اور علم بھی اس کے اصل مصدر سے ہی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے زبردست منصوبے کی بابت صحیح معلومات ہی کہیں میسر نہ ہوں اور وہ بھی اس پڑھی لکھی مخلوق کو؟! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک اتنے خوبصورت اور بامعنی واقعے کی بابت یہاں صرف ڈھکوسلوں کی گنجائش ہو، کہ جتنے ذہن اتنی

باتیں؟ ! یہاں تو سنجیدہ لوگوں کے دیکھنے اور پڑھنے کیلئے اتنا کچھ ہے اور اس قدر صحیح و مستند کہ دراصل یہ چار دن تو ہیں ہی بنیادی طور پر اس "کام" کیلئے۔ یہ نقشہ اور یہ منصوبہ معلوم ہونا کیوں ضروری ہے، زندگی سے پیار کرنے والی اِس مخلوق کو بتانے کی کیا ضرورت ہے!

وہ خود ہی اِس کے لئے کچھ سوال کھڑے کرتا ہے اور خود ہی اُن کے جواب کہیں اِس انداز میں رکھتا ہے کہ جب یہ اُنہیں پائے تو اِسے یہ اپنی ہی کمائی نظر آئے ..اور اُس کا یہ اسلوب یہاں صرف اِسی مخلوق کے ساتھ ہے جسے یہ عقل کی نعمت دی گئی اور جس کا سب سے پہلا اور سب سے بنیادی استعمال اُس کے بقول اسی مقصد کے حصول پہ ہونا چاہیئے ..

وہ "انسان" کو اس اتنے بڑے جہان کے ایک بہت چھوٹے سے حصے پر اور ایک بہت تھوڑے سے وقت کیلئے لا کر رکھتا ہے۔ جیسے بس وہ اس میں کچھ دیکھنا ہی چاہتا ہو! اور جیسے وہ اِس کو اور اِس کے ذریعے اوروں کو کچھ دکھانا ہی چاہتا ہو! بلکہ جو آنکھیں کھولنے میں دیر کر دے وہ جہالتیں اٹھائے یہاں سے رخصت ہو! پس ہم دیکھتے ہیں کچھ دیر بعد یہاں کا ہر انسان چپ چاپ یہاں سے غائب ہو جاتا ہے۔اس چھوٹی سی جگہ پر بھی اِسے 'رہنے' نہیں دیا جاتا!

"اشرف المخلوقات" کو یہاں کچھ ایسی عاجزی درپیش ہے کہ اس بظاہر لامتناہی کائنات میں دو گز زمیں بھی کہیں رہ پڑنے کیلئے، خواہ وہ کیسی بھی شرطوں پر ہو، میسر نہیں۔ آخر یہ اتنا بڑا سنسار کہ جس میں سیارے اور کہکشائیں سائیں سائیں کرتی ہیں، ہے کس لیئے! ؟ادھر اِس کے چاؤ اور اِس کی خواہشیں دیکھو تو گویا یہ پوری کائنات اِن کے پورا ہو جانے کیلئے کم ہے! ان آرزوؤں کے پورا ہونے کی کوئی جگہ ہی نہیں تو اس نے "عقل" اور "جذبے" اور "احساس" اور "چاہت" سے بھری اس مخلوق کے اندر یہ ڈھیر ساری پیدا ہی کیوں کر ڈالیں؟ کم از کم بھی وہ انکے پایا جانے کیلئے کوئی اور محل پیدا کرتا کہ 'کہیں اور جا بسیں'! ایسا امتحان!! آخر کوئی جواب تو ہو!!!

مجموعی طور پر بھی نوعِ انسانی کا وجود یہاں بہت پرانا نہیں۔

پس یہاں کچھ بڑے بڑے سوال ہیں اور کسی کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں۔ مگر یہ سوال ایسے نہیں کہ ان کو ویسے ہی جانے دیا جائے۔ یہ تو انسان کو روز اندر سے کھاتے ہیں۔ اِس

خردمند مخلوق کو روٹی کپڑا اور مکان کی یہ دوڑ لگوا رکھنے، کہ جس سے کسی وقت یہ اچانک پھسلے اور "قبر" میں جا پڑے، اور اس حسرتوں کے گھر کو اس کیلئے رنگین و آراستہ اور اس قبیح بڑھیا کے تن کو اس کے التفات کیلئے زرق برق پوشاک اوڑھا رکھنے کی سعی شیاطین کے ہاتھوں اس لئے تو ہوتی ہے کہ اس سے بہل کر یہ عقل کا پتلا ان بڑے بڑے سوالوں کے جواب مانگنے سے کہیں رک جائے یا کم از کم بھی ان کیلئے زیادہ سنجیدہ نہ ہو جنکے جواب یقینی بات ہے کہ اِس کے اِس چھوٹے سے جہان سے باہر کہیں ہیں! بلکہ تو یہ اس میں مدہوش ہو کر ملے ہوئے جواب بھول جائے! شیطان کو غرور(۱) اور دنیا کو متاع الغُرور(۲) قرآن میں کہا گیا ہے تو بھلا اس سے برجستہ لفظ ان دونوں کیلئے کہیں مل سکتے ہیں!

ایسے چھوٹے اور ناپائیدار اور ایسے بے بسی کے جہان پر ریجھ جانا اور اسی کو کل متاع جان لینا اور مزے کی زندگی کے تعاقب میں یوں ہمیشہ کیلئے دفن ہو بیٹھنا وہ بھی اتنی ڈھیر ساری عقل رکھتے ہوئے اور قبرستانوں کی آبادی کو مسلسل بڑھتا دیکھتے ہوئے!

یہ واضح ہے کہ ان سوالوں کے جواب یہاں درختوں کی ڈالیوں کے ساتھ ہر جگہ نہیں لٹکا رکھے گئے بلکہ انہیں فطرت کی لطیف تہوں میں چھپا سا دیا گیا اور ان کے پڑھا جانے کیلئے صُحُف اور رُسُل کا ایک نفیس و پائیدار بندوبست کرایا گیا تو یہ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ "انسان" کو غبی جان کر اس سے واضح تر بندوبست یہاں ممکن نہ تھا۔ ایک تو بنانے والے کی مرضی اور دوسرا اس کی حکمت و دانائی، دونوں ہمارے محدود علم اور ہماری جلد باز فرمائشوں کی پابند نہیں۔ پھر تیسرا، انسان کی وہ زبردست اور حیرت انگیز استعداد جس کے باعث کسی وقت اِسے باقاعدہ سجدہ ہوا تھا اور جس کی تحقیر کرانا صرف شیطان کی تسکینِ خواہش ہو سکتی ہے۔

البتہ اس امر سے مفر نہیں کہ وجود کی وہ حکیمانہ "غایت" جان ہی لی جائے اور وجود میں رہنے کی وہ "شرطیں" بھی معلوم کر ہی لی جائیں جو بنانے والے نے آپ اپنی مرضی اور حکمت سے وضع کر رکھی ہیں.. جس سے کہ نہ صرف ہمارا کچھ وقت کیلئے "یہاں" رہنا اس حکمت اور اس منصوبے سے ہم آہنگ ہو کر بامعنی بنے بلکہ "آگے" کی منزلوں کی بابت بھی کچھ جان لینے کا اگر

---

(۱) فریب میں ڈال دینے والا (۲) فریب میں پڑ جانے کا سامان

ایک قابلِ اعتماد ذریعہ میسر ہے تو اس کی بابت ایک " صحیح علم " پا ہی لیا جائے ..

کیا یہ آدم کا بچہ یہاں بیٹھ کر اور دوربین میں آنکھیں دے کر خلاؤں میں دور دور تک نہیں جھانکتا!؟ حالانکہ خلاؤں میں اس کا پڑا کیا ہے؟! محض ایک تجسس؟ پر یہ تجسس تب کہاں چلا جاتا ہے جب انبیا اسے خدا تک لے کر جاتے ہیں اور آخرت کے وہ افق دکھا کر لاتے ہیں جہاں اس کا وہ "سب کچھ" پڑا ہے جسے یہاں یہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مر گیا ہے مگر اس کو کہیں اس کا نشان تک نہیں ملا؟؟!

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ایک انسان کا جب جنازہ اٹھتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا کیا کچھ اٹھ جاتا ہے!!! "آگے" کی بابت، اور "پیچھے" کی بابت، اور سب سے بڑھ کر "یہاں" کی بابت کیا انبیا سے پڑھے بغیر کچھ چارہ ہے؟!

پس اس امر کیلئے .. انبیا کا اس جہانِ آب و گل اور اس عالمِ رنگ و بو میں استقبال کرنے کیلئے .. اور ان کی وساطت "حقیقت" کے چشمے سے سیراب ہونے کیلئے .. جہاں ہمیں ایک صاف شفاف "فطرت" ودیعت کی گئی اور ایک دوررس "عقلِ سلیم" عطا ہوئی اور بندگی کے جذبے سے آراستہ و پیراستہ ایک "قلب" مہیا کیا گیا وہاں البتہ اس کو امتحان اور جانچ کا ذریعہ بنانے کیلئے "شرورِ النفس" بھی ہمارے اندر فٹ کر دیئے گئے۔ ہمارے درون میں بیک وقت پس وہ آلات بھی نصب ہیں جو عالمِ ملکوتی سے اتصال کریں اور وہ آلات بھی جو شیاطین کی نشریات موصول کریں۔

یہی نہیں بلکہ ان آلات کی اصلاح و نگہداشت اگر روزمرہ بنیاد پر نہ ہو ___ جو کہ "صبر" اور "صلوۃ" ہے اور "ذکر" اور "خشوع" اور "تسبیح وتہلیل" (توحید).. جبکہ اس سے پہلے "عِلم" اور "بصیرت" اور "تواصی بالحق" اور "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور "اولیاء الطاغوت" کے روبرو "جہاد فی سبیل اللہ اور اصلاحِ ارض" کا راستہ اختیار کر لیا گیا ہو ___ غرض "شرورِ النفس" اور "سیئاتِ اعمال" سے، اور ان کی راہ سے شیاطین کی آماجگاہ بن رہنے سے، خدا کی پناہ میں آنے کا نظام یہاں ایک بہت چالو حالت میں نہ رکھا گیا ہو...... تو "نفس" کی سطح پر بھی اور "ماحول" کی سطح پر بھی یہ آلاتی نظام اس قدر درہم برہم ہو سکتا ہے کہ ہدایت اور ضلالت سب کچھ اس میں خلط ہو

جائے اور تب اس کارگہِ زرخیز کے اندر سے مختلف اندرونی و بیرونی عوامل کے زیرِ اثر قسما قسم ملغوبے برآمد اور بھانت بھانت کے پروگرام نشر ہوں؛ کبھی عقائد کے نام پر، کبھی مذاہب کے نام پر، کبھی تہذیب کے نام پر، کبھی رسم ورواج اور کبھی نظریات کے نام پر، کبھی نظام اور دستور اور قانون کے نام پر .. کبھی خدا کے نام پر تو کبھی انسان کے نام پر، کبھی سماج تو کبھی جنتا، کبھی باپ دادا و قبیلہ برادری تو کبھی قوم ملک اور سلطنت، کبھی ترقی وخوشحالی تو کبھی علم وفن اور حُسن ومحبّت، کبھی عقل اور فکر تو کبھی ذوق اور معرفت .. جبکہ وہ سب حسرت (۱) اور جہنم کا سامان ہوتا ہے اور ایک بے حد وقتی زینت و آرائش اور دل کے خوش رکھنے کی ایک صورت، ذہین لوگوں کیلئے کوئی تو کم ذہینوں کیلئے کوئی اور۔

"مطلق حقیقت" دنیا میں صرف انبیا پر اتری ہے (۱)، اور یہی آزمائشگہِ زمیں پر اِس کو

---

(۱) إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ 166) وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ 167) (البقرة)

"ذرا تصور کرو جب یہاں کے پیشوا بیزاریاں کریں گے ان سے جو اِن کی "اتباع" کا یہاں دامن تھام کر رکھتے تھے، اور جب یہ سب سہارے ان کا ساتھ چھوڑ جائیں گے تب وہ جو یہاں پیچھے لگ کر رہے تھے کہیں گے اے کاش کہیں ہمیں موقعہ ہوتا تو ہم بھی آج ان سے یوں بیزار ہو کر دکھاتے جیسے یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر چکے۔ اسی طرح تو اللہ ان کو ان کے اعمال اور کارنامے حسرتیں بنا کر دکھائے گا، اور آگ سے کبھی ان کی جان چھوٹنے والی ہی نہیں"

(۲) عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا 26) إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا 27)) لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا 2) (سورۃ الجن)

"غیب کا پتہ پاس رکھنے والا وہ ہے۔ پس کسی کو وہ اپنے اُس غیب پر مطلع نہیں کرتا، سوائے یہ کہ وہ کوئی رسول ہی ہو جسے خود اُسی نے برگزیدہ ٹھہرالیا ہو، تب وہ (اُس وحی کے تحفظ کیلئے) اُس کے آگے اور پیچھے پہرے لگوا دیتا ہے۔ تا کہ وہ یہ یقینی بنا دے کہ وہ (رسل) اپنے رب کے سب پیغام (انسانوں کو) پہنچا چکے، جبکہ وہ خود جو کچھ ان کے درپیش ہے اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایک ایک چیز کا گن گن کر حساب رکھے ہوئے ہے"

اتارتے اور تہذیب کی پرورش کی مہم پر روانہ کرتے ہوئے "انسان" سے اُس کا وعدہ ہوا تھا(۱)۔ خالص ہدایت کا یہ سرا ہاتھ سے چھوٹ جائے تو ہر بظاہر اچھی راہ سے آپ بے حد برے انجام کو پہنچ سکتے ہیں۔شیاطین کو یہ جانچنے میں بہت وقت نہیں لگتا کہ کون شخص بدنصیبی کی کونسی پگڈنڈی پر زیادہ سے زیادہ تیز اور مستعدی سے چل سکتا ہے......اور پگڈنڈیوں کی ان کے پاس کیا کمی! اور بدنصیبی کیلئے وہ پیدا کئے گئے ہیں! ادھر اُس عدل کے مالک جبارُ السماوات کا کہنا ہے کہ پے در پے رسول بھیج کر اور باقاعدہ شرائع نازل کرکے اُس نے انسانوں کے سارے عذر ہی ختم کردیئے ہیں(۲) اور یہ کہ جہنم کو لازماً اب وہ بھر کر رہے گا(۳)۔رہ گیا 'کیوں' تو جس میں ہمت ہو

---

(۱) ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى 122) قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى 123) وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى 124) قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا 125) قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى 126) (سورہ طہ)

"پھر اُس کے رب نے اُس کو برگزیدہ کیا ۔تب اُس کی توبہ قبول فرمائی ۔اور اس کو راہ دکھائی ۔ کہا :تم دونوں اب یہاں سے (زمین پر) اتر جاؤ ۔تم (انسان اور شیطان) سب ایک دوسرے کے دشمن ٹھہرے ۔پس ضرور بضرور میرے پاس سے تمہارے یہاں جو ہدایت پہنچے گی تب جو بھی میری (بھیجی ہوئی) ہدایت کی "اتباع" کرے تو نہ تو وہ کبھی راہ بھٹکے اور نہ وہ بدبخت ٹھہرے ۔اور جس نے میرے (ارسال کردہ) پیغام نصیحت سے منہ موڑا تو اس کا نصیب درماندگی کی ایک زندگانی اور روزِ قیامت ہم اُس کا حشر کریں تو اندھا اٹھا کر ۔وہ کہے :پروردگارا !تو نے مجھے اندھا کرکے کیوں اٹھایا، میں تو آنکھوں والا ہوا کرتا تھا؟ !اور وہ کہے :ایسے ہی تو، میرے آیات ونشانات تیرے پاس پہنچے تھے، تو تو نے ان کو بھلا ہی تو دیا تھا ۔ایسے ہی، آج تجھ کو بھی بھلا ہی تو دیا جائے گا"

(۲) رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا (النساء :165)" رسول ہی رسول بشارتیں دیتے ہوئے اور انذار یں کرتے ہوئے تا کہ نہ رہ جائے لوگوں کیلئے اللہ کے اوپر کوئی حجت رسولوں کے آرہنے کے بعد ۔اور اللہ تو ہے ہی طاقت والا اور حکمت والا"

(۳) وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ 118) إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ 119) (سورہ ہود)" اور اگر تیرا رب چاہتا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

وہ جا کر اس سے پوچھ لے کہ کیوں؟!

******

پس یہاں پار لگنے کیلئے ___ خدا کی مدد و توفیق کے بعد ___ دو باتیں آدمی کا اصل سہارا ہیں: ''فطرت کی سلامتی'' اور ''خدائی تنزیل'' کی ''خالص حالت میں'' اور ''صحیح فہم و تطبیق کے ساتھ'' دستیابی۔

ان دونوں کا تحفظ البتہ جس چیز میں مضمر ہے وہ ہے ''نفس'' اور ''ماحول'' کے اندر ''اہواء'' اور ''ظنون'' کے لشکروں کے خلاف انسان کا مسلسل اور ہر سطح پر رو بہ جہاد رہنا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جسم کے اندر خون کے مرض شکن جسیمے کوئی لمحہ بھر توقف کئے بغیر، مسلسل، برسرِ عمل رہتے ہیں اور کبھی اس 'انتظار' میں نہیں رہتے کہ مرض پہلے بڑھے اور نمایاں ہو جانے کی سطح کو پہنچے تو پھر یہ اپنا 'عمل' شروع کریں! مرض پایا جائے یا نہ، اور مرض تو کب نہیں پایا جاتا، پس یوں کہیئے مرض دور دور تک کہیں نظر آئے یا نہ، ان کو اس کے خلاف مسلسل حرکت میں رہنا ہوتا ہے۔ جتنا کوئی جسم آپ کو صحت منداور مرض سے دور نظر آئے اتنا ہی اس کے یہ مرض شکن جسیمے درحقیقت مستعد اور صحیح کام کر رہے ہوں گے۔ پس دینِ انبیا پر پایا جانے والا کوئی شخص اپنی اس ایمانی کیفیت میں جو خدا کے ہاں قبول ہوتی ہے ___ نہ کہ دینداری کا وہ عام رائج تصور جسے دنیا معتبر جانتی ہے ___ ایمان کی اس حقیقی عکاسی میں جتنا زیادہ کوئی آپ کو صحت منداور قابلِ رشک نظر آئے اس کا راز اسی قدر اُس کا ''نفس'' اور ''ماحول'' کی دنیا میں باطل کے خلاف برسرِ جنگ ہونا ہوگا۔ ''باطل'' دراصل ''مرض'' ہی کا نام ہے جو انسانی ''نفس'' اور انسانی ''معاشرے'' کو اپنی انتہائی صورت میں ''ہلاک'' کر ڈالتا ہے، اور اپنی ایک آخری انتہائی حالت میں یہاں نوعِ انسانی کا وجود ہی ختم کرا دے گا[1]۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

= تو سب انسانوں کو ایک ہی امت بنا دیتا ۔جبکہ یہ اختلاف کرتے رہیں گے _ سوائے جن پہ تیرا رب اپنی رحمت کردے _ اور اِسی لئے اس نے اُنہیں پیدا کیا ۔اور پوری ہوئی بات تیرے رب کی کہ ضرور بھروں گا میں جہنم کو ایسے سب کے سب جِنوں اور انسانوں سے"

(۱) ا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلَى شِرَارِ الْخَلْقِ "قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین لوگوں پر "(صحیح مسلم 3550: كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين)

یہ بات نہ ہوتو آپ ابو الحنفاء ابراہیم علیہ السلام کو قریب قریب اپنے اختتامِ حیات پر گڑگڑا کر خدا سے یہ "دعا" کرتا دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں: وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ[1] یعنی "مجھے بچائیو اور میری اولاد کو بھی کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں" .. "بتوں کو پوجنے لگیں"!!! ابراہیم علیہ السلام؟!! ابو الانبیاء، قدوۃ الحنفاء، رئیس الموحدین؟!! ساری زندگی توحید پر ہی تو گزری! ڈھیر ساری ہجرتیں اسی راہ میں تو ہوئیں! کلہاڑے ان بتوں پر ہی تو برسائے! پکار اسی توحید کی تو لگائی! مگر اس میں حیرانی کی کیا بات؟! یہ، جیسا ہم نے کہا، وہی "مزاحمت" ہے جو دراصل "صحت مندی" کی علامت ہے نہ کہ محض "بیماروں" کی ضرورت!!!

پس "حنیفیت" دینداری کی ایک خاص موحدانہ کیفیت کا نام ہے جو خدا کا نام یہاں ایک خاص سلیقے سے لیتے ہیں اور رشکِ خلائق ٹھہرتے ہیں۔ ان کا خدا کو "سجدہ" کرنا، ان کا خدا کی "تسبیح" کرنا، ان کا خدا کو اپنا "معبود" کہنا، "دعا" کیلئے ان کا خدا کے آگے "ہاتھ اٹھانا"، خدا کی "تعظیم"، خدا کی "کبریائی"، خدا کی "شریعت پہ چلنا"، خدا کی "حدوں کو پہنچانا"، خدا کو پسند آنے والا "کردار" اور "اخلاق" اپنانا، "مواساتِ یتیم"، "اطعامِ مسکین"، "خدمتِ خلق"، "اصلاحِ معاشرہ .." ان کی ہر چیز میں خدا آشنائی کا ایک خاص رنگ اور خدا آگاہی کا ایک خاص اعتماد جھلکتا ہے اور ان کے "عمل" کے اندر ایک خاص "جان" ہوتی ہے"۔ "اکثریت" میں تو کم ہی یہ کبھی ہوئے ہیں، اور جب ایسا ہو تو دھرتی دہلتی ہے، "اقلیت" میں بھی ہوں تو پتہ چلتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دنیا ان کا ایک "وزن" محسوس نہ کرے۔

پس "حنیفیت" ہر اندازِ دینداری سے ایک مختلف انداز ہے[2]۔ اس کے سوا جو

---

(۱) سورۃ ابراہیم آیت 35

(۲) إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ (مسند احمد:21260، حدیث حسن کے درجے کو پہنچتی ہے، دیکھیے: السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی رقم الحدیث:2924) ترجمہ: "میں یہودی (اندازِ) دینداری کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور نہ نصرانی (اندازِ) دینداری کے ساتھ، بلکہ میں تو بھیجا گیا ہوں حنیفیتِ سمحہ کے ساتھ"

انداز ہائے دینداری ہیں یا تو وہ ابتداءً "ظنون اور اہواء" ہیں، یعنی خدا کے نام پر اور خدا کی بابت اور خدا کی منشا و مقصود کے تعین کے معاملہ میں نری من گھڑت باتیں اور جاہلانہ خواہشیں جو کہ ہر شرک کی تہہ میں پڑی ہوتی ہیں .. یا پھر خدا کی اتاری ہوئی "حقیقت" کے اندر "ظنون اور اہواء کی آلائش" جو کہ خدا کے دین کے اندر انسانی تحریف ہو جانا ہے، خواہ وہ لفظی ہو اور خواہ معنوی۔ دینداری کی یہ دونوں صورتیں دراصل خدا پر جھوٹ باندھنا ہے، جس سے بڑھ کر دنیا کے اندر ظلم اور اندھیرا کر دینے کا کوئی تصور ہی نہیں[(۱)] .. یعنی ایک تو انسان کا اندھیرا اور پھر خدا کے نام پر۔

عالمِ اسلام کے اندر بھی وہ سب رجحانات جن کا منبع و مصدر، کسی بھی صورت میں، یہ جاہلیت اور یہ شرک ہو اپنے درجے کے مطابق اسی دشمنی اور مخاصمت کی بنیاد پہ لئے جاتا ہیں اور اس امت کے مصلحین و مجددین، لے کر احمد بن حنبل سے آج تک، اس کو ___ ایک خاص منہج اور طریقِ کار پہ کاربند رہتے ہوئے، جسے کہ اصولِ اہلسنت کہتے ہیں ___ اسی انداز میں لیتے رہے اور اس پر اسی انداز میں تیشے برساتے رہے۔

******

باطل اور جاہلیت کا اصل "خلاصہ"، اور انسانی نفس اور معاشرے میں اترنے کیلئے شیاطینِ جن انس کا حقیقی "مدخل" اگر یہی ہے جو اوپر بیان ہوا، اور جو کہ یا خدا کی بابت ابتداءً "ظنون اور اہوا" ہیں اور یا پھر خدا کی بابت "درست" تصور کے اندر "ظنون اور اہواء کی آلائش"......تو پھر جاہلیت کی اِس ہر دو صورت کے خلاف برسرِ جہاد ہونا دینِ انبیاء کا وہ مقدمہ ہے جو کہ "نفی" سے عبارت ہے اور جو کہ کلمۂ توحید کے "شطرِ اول" یعنی "لا الہ" کے تحت مندرج ہوتا ہے۔ کلمۂ توحید کے شطرِ ثانی تک جانے کیلئے "یہاں" سے "باقاعدہ" گزر کر جانا اِس منہج کا ایک اہم شعار ہے۔ خدا کی طرف آنے کا ایک خالص، زوردار اور جاندار دھارا "نفس" کی سطح پر بھی اور

---

(۱) وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (الانعام:21)
"اور اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ گھڑے یا خدا کی آئی ہوئی نشانیوں (آیتوں) کو جھٹلائے؟ بات یہ ہے کہ ایسے ظالم تو کبھی فلاح نہیں پا سکتے"

"معاشرے" کی سطح پر بھی دراصل یہیں سے تشکیل پا جاتا ہے ..

بنا بریں، "خدا" کے نام پر "غلط بات نہ کرنا" اور ایسا کر لینے کو وجود کا سب سے بڑا اور سب سے گھناؤنا اور سب سے تباہ کن "جرم" جاننا ہی اسلام کا وہ اصل جوہر ہے جو یہ دیگر ادیان کی نسبت رکھتا ہے۔

پس ذرا ان لوگوں کی سعی ملاحظہ ہو جو "بے دینی" اور "دینداری" کے مابین اس کشمکش میں "اسلام" اور ادیانِ دیگر کو ایک مورچے میں کھڑا کر دینا چاہتے ہیں (۱) محض اس وجہ سے کہ "سب" خدا کا نام لیتے ہیں!

خدا نے تو اپنی وحی اتارتے وقت ان فضاؤں اور خلاؤں تک میں پہرے بٹھا دیئے کہ اُس کے نام پر کوئی جھوٹ شیاطین کی جانب سے اس میں خلط نہ ہو جائے، کیونکہ سب سے بڑا ظلم ہے ہی خدا اور دین کے نام پر وہ بات کرنا جو کہ خدا نے نہیں کہی، اور کیونکہ خدا کے نام پر کسی اور کی بات کا

---

(۱) ہمیں ادراک ہے کہ "تقاربِ ادیان" کی بعض کوششیں یہاں اور وہاں کے بعض طبقوں کی جانب سے اس وقت عالمی امن کی ایک ممکنہ صورت پیدا کرنے اور دنیا میں پائی جانے والی حالیہ کشیدگی کو کم یا ختم کرنے کے دواعی کے تحت بھی ہو رہی ہیں، نہ کہ مذہبی طور پر دنیا کو ایک یا قریب کر دینے کیلئے۔ یہ مقصد بھی ہو تو "تقاربِ ادیان" اس کے حصول کی ایک مبغوض صورت ہے گو یہ مقصد فی نفسہ برا نہیں۔ عالمی امن کی سلامتی اور اقوام کے مابین انسانی بنیادوں پر ایک ہم آہنگی لے کر آنا اور اس زمین کو افراد اور اقوام کے رہنے کے قابل جگہ بنانا اور یہاں ایک ایسا جہان تعمیر کرنا جہاں علم اور حکمت کا ایک صحت مند اور آزادانہ تبادلہ ہو اور ہر ایک کو اپنی رائے رکھنے کا حق ہو، اور جس کا سب سے بڑھ کر فائدہ ہمیں ہی ہے، یقیناً اسلام کے اجتماعی مطالب میں سے ایک بڑا مطلب ہے اور بلاشبہہ اسلام کی اس جہت کو ہمارے بعض تنگ نظر انتہا پسند دینی رجحانات کی جانب سے نظر انداز کر دیا جانے کے باعث یہاں ایک خلطِ مبحث پیدا ہوا بھی ہے۔ ہمارا یہاں عقیدہ کی ایک "باطل دشمن" جہت کو نمایاں کرنے کا مقصد بھی ہرگز "عقیدہ" اور "تلوار" کو اُس معنی میں خلط کر دینا نہیں جس معنی میں یہاں اور وہاں کے انتہا پسندوں کی جانب سے اس کے خلط کر دیا جانے کے باعث ہی، دوسری جانب، کچھ انصاف پسند مگر عقیدہ سے جاہل یا متجاہل ذہنوں کو اس "تقاربِ ادیان" کے اندر دنیا کے امن پا جانے کی تلاش اور امید اور ضرورت ہوئی۔

مطلب ہوگا خدا کے نام پر کسی اور کی اطاعت و بندگی ہونے لگنا یعنی خدا کے سوا کسی اور کا خدا ہو رہنا۔
مگر "تقاربِ ادیان" کے یہ داعی یہاں اِس "فرق" ہی کو اور اسلام کے اس اصل جوہر ہی کو نگاہوں کے سامنے ملیا میٹ کر دینا چاہتے ہیں۔ یعنی پہلے اسلام کو اس کے اس اصیل ترین "امتیاز" سے ہی محروم کر دیا جائے کہ جس کے باعث، اور پہلی شرائع کے اپنی اصل حالت میں دستیاب نہ رہنے کے سبب، دراصل اس کا نزول ہوا تھا۔ یا کم از کم بھی اس کے اس "امتیاز" کو پسِ منظر میں جانے دیا جائے۔ پھر یہ کارنامہ کر کے، اسلام کو 'ادیان' جیسا ایک دین ہونے کی بدصورتی کا تمغہ پہنا کر، سمجھا جائے کہ یہ ہوئی اسلام کی عصری خدمت!

پھر، ایک بڑی خلقت نے ادیان کو ان کا "اندھیرا" دیکھ کر ہی تو چھوڑا ہے، کہ ان کو اس میں فطرت کی وہ روشنی نظر نہیں آئی جو "خدا" کے نام پر پائی جانی چاہیئے! آخر چرچ سے دنیا کیوں بھاگی؟ ہندومت، بدھ مت، پارسیت سب کے "آثارِ قدیمہ" بن رہنے کے دن آیا ہی تو چاہتے ہیں اور پیاس کی ماری ایک دنیا اپنی یہی "پیاس" بجھانے کیلئے آج "اسلام" کی طرف بھاگی آرہی ہے تو وہ "اسلام" کی اِسی اصیل خاصیت کے باعث اور ادیان سے یکسر ایک مختلف "دین" ہونے کے باعث اور "اسلام" کے اسی امتیاز کی کشش میں ہی! کیا اسلام کے یہ محسن ذرا دیر اسلام کو اس کے اپنے حال پہ چھوڑ سکتے ہیں!؟

******

البتہ "باطل" اور "شرک" یہاں "دینداری" کے رنگ میں بھی پایا جا سکتا ہے اور "غیر دینی" اسلوب میں بھی۔ نام سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ "ظنون" اور "اہواء"، جو کہ "جاہلیت" اور "عبادتِ طاغوت" کا لبِّ لباب ہے، اِس رنگ میں پائے جائیں یا اُس رنگ میں، زمین پر "حق" کی اتباع سے کوئی مفر نہیں۔ وجود کا مقصد بروئے کار لانے کی، اور دنیوی و اخروی ہلاکت کی آخری صورت میں جا پڑنے سے تحفظ کی، اول و آخر بس یہ ایک ہی صورت ہے یعنی "نفس" اور "ماحول" کے اندر صرف اس "حق" کا احقاق اور قیام جو انبیا کے قلوب پر اترتا ہے اور جس کے سوا کسی چیز کا انسانوں پر ماننا اور اس کے آگے انسانی نفوس اور انسانی بستیوں کا نسل در نسل

سرِ تسلیم خم کرتے چلے جانا نہ صرف درست نہیں بلکہ یہ انسان کی تحقیر ہے اور خدا کے حق کی توہین۔

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى 23) أَمْ لِلْإِنْسَانِ مَا تَمَنَّى 24) فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَى 25)

– النجم

یہ نہیں پیچھے چلتے مگر نرے ظن کے اور اہوائے انفس کے، جبکہ ان کے پاس خاص ان کے پروردگار کی جانب سے راہنمائی آ چکی۔ کیا یہ انسان، جو یہ کہہ دے سو اِس کا ہوا؟ ! پس اللہ ہی کا ہے اگلا جہان اور اللہ ہی کا ہے یہ جہان!

******

"شرک" کا ہمارے اس دور میں ایک نیا روپ اختیار کر لینا اور دنیا کے ایک بڑے حصے سے شرک کے کچھ پرانے "مظاہر" کا ایک بڑی سطح پر روپوش ہو جانا بھی یہاں "تحقیقِ توحید" کی راہ کا ایک بڑا معضلہ بن گیا ..

یہاں سے بھی ہمارے بہت سے لوگ گمراہی کا شکار ہوئے۔ آج کا یہ "بے دینی" کے پردے میں چھپا ہوا شرک ان کو "شرک" نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ فسق نما کوئی چیز نظر آئی! جبکہ قریب قریب آج کی اِس پوری جدید دنیا کی صورت گری اسی نئے شرک کے نقشے پر ہوئی ہے ..

آج کے اس انسان کو، پرانے دور کے انسان کے برعکس، خدا کے نام پر جھوٹ گھڑنے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ پرانے دور کا انسان خدا کا اتنا پاس ضرور کرتا تھا کہ سچ یا جھوٹ جو کرے اُس کے نام پہ کرے اور معاشروں کو جیسے چلائے اس کا یا اس کے نام نہاد اختیار بخشید گان کا نام لے کر چلائے۔ اتنی جرات اُس میں ابھی بہر حال نہ ہوئی تھی کہ خدا کو سائڈ پہ کر دے اور اس کا "نام" لیا جانے کے واقعہ کو عبادت خانوں میں قید کر کے آئے بلکہ "معاشروں" کی ڈگر کو خدا اور مذہب کے دائرۂ اختیار میں آنے کا جہالت کے نام سے ذکر کرے۔ پس یہ "خدا" کو ایک اختیار سے باقاعدہ فارغ کر چکا ہے۔ خدا کو، اس باب میں، اس کے نزدیک کسی خاطر میں لایا ہی نہ جانا چاہیئے۔ معاذ اللہ۔ اُس کے نام سے جھوٹ نہ سچ، کسی بات کی ضرورت ہی نہیں! "خدا" کو اب جس جگہ سے بے دخل کیا گیا، معاذ اللہ، وہ جگہ انسان نے خود لی۔ پس یہ، بغیر کسی لاگ لپیٹ، خدا سے آزاد ہونے اور انسان اور مادہ کے آپ خدا ہونے کا دور ہے۔ یہ شرک کی بدترین اور جرات مندترین صورت ہے۔ اس بڑی سطح پر یہ انسانی دنیا کے اندر ایسا پہلا اور انوکھا واقعہ ہے۔ اور چونکہ

ایسا ہے، اور چونکہ وہ "پرانے زمانے کا شرک" آج کی ان جدید سوسائٹیوں کے معاشرتی عمل کے اندر ڈھونڈنے بھی نکلو تو کہیں نہ ملے، لہذا ہمارے وہ داعیانِ عقیدہ جو شرک کی ایک خاص صورت ہی سے مانوس تھے نہ کہ شرک کے اُس اصل جوہر سے جو ہزار صورت میں پایا جا سکتا ہے، انہیں بہت کم یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ اس کا "شرک" کے نام پر رد تک کر پائیں!

پتھر اور لکڑی کے "بت" ان کو یہاں کہیں نظر نہیں آئے تو بہت سے موحدین کے ہاتھوں میں اس کیلئے "تیشے" بھی دکھائی نہ دیئے! بلکہ ان کے ہاں یہ مسئلہ سرے سے "عقیدہ" کے احاطے میں ہی نہ پایا گیا! بہت سے تو اس کو مسئلہ ہی ماننے پر تیار نہیں اور نہ مسائل کی کسی فہرست پہ آنے دینے پر آمادہ!

توحید تو انسان کا، اطاعت و بندگی کی ہر ہر صورت، الہِ حق کی جانب متوجہ رہنا ہے۔ "الہِ حق" کو اِس کی جبینِ نیاز کے آگے سے ہٹا دیا جانے کی البتہ پھر جو بھی صورت ہو، "اُس" کی جگہ "پُر" کرنے کی ہر صورت "شرک" ہوگی **فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ** (الــــروم 30:) *"پس تم دینِ حق کیلئے اپنا چہرہ ٹھیک ٹھیک سونپ دو۔ اس فطرتِ خداوندی کی اقامت میں جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کر رکھا ہے۔ اللہ کی تخلیق (فطرت) میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ ہے سیدھا ٹھیٹ دین لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں"*

******

انسانی زمین پہ اترتے رہنے کیلئے پس شیاطین کو یہ دو ہی اڈے حاصل ہیں اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں یہ دونوں ہر وقت قرآنی "رجوم"[1] کی زد میں رہتے ہیں۔ ایک "اہواء" جو کہ "فطرت" کو کثیف اور بالآخر مسخ کر جاتی ہیں اور اس میں حقیقت کو، چاہے وہ لا کر اس کے سامنے ہی دھر دی جائے، "دیکھنے" کی صلاحیت نہیں رہنے دیتیں، بلکہ بسا اوقات تو "فطرت" کا یہ "مسخ" ہو جانے کے باعث اِسے پھر کچھ سے کچھ نظر آتا ہے جو کہ بدبختی اور گم گشتگی کی ایک آشوب ناک صورت ہے۔ دوسرا "ظنون" جو کہ انسان کیلئے اُس "مطلق حقیقت" کا متبادل بنا دیئے

(۱) یعنی پتھراؤ اور بمباری

جاتے ہیں جس کا اہلِ زمین کو ابلاغ کرانے کیلئے آسمانوں کا مالک اور روشنی کا خالق صرف اور صرف انبیا کے قلوب کا انتخاب کرتا ہے، جبکہ یہ "ظنون" بھی بالآخر انسان کی "فطرت" کو ہی اور اس کے ان قدرتی قویٰ کو ہی جو کہ خدا کو پوجنے اور خدا کے ساتھ معاملہ کرنے کیلئے انسان کو حاصل ہیں، خاک آلود کرتے ہیں۔

"ظنون" اور "اہوا"، جو کہ "عبادتِ طاغوت" کی اساس ہیں، چنانچہ قدیم ہوں یا جدید، مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، پڑھے لکھوں کے ہاں پائے جائیں یا ان پڑھوں کے ہاں، نری ہلاکت ہیں۔ "حق" کی اتباع سے کوئی چیز کفایت نہیں کرتی۔ اِس معاملے کو اتنا ہی دوٹوک ہو کر "انسان" پر واضح کیا جانا ہے۔

پس انسان کا وہ اصل جوہر جسے دیکھا اور دکھایا جانے کیلئے جہانِ نا پیدا کنار کے اس نہایت چھوٹے اور نا قابلِ ذکر گوشے میں اِس کو چند سانسوں کی مقدار "وقت" دیا جاتا ہے، پر اِس کا درست اور دانشمندانہ استعمال کر کے خاک سے بنی یہ مخلوق "الملأ الاعلیٰ" میں اپنا ذکر کرواتی اور عرش پر پسندیدگی سے دیکھی جاتی (۱) ہے اور پھر اُس بہشت کی جو آسمانوں کے حساب سے عرض رکھتی (۲)

---

(۱) أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِی وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِی فَإِنْ ذَكَرَنِی فِی نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِی نَفْسِی وَإِنْ ذَكَرَنِی فِی مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِی مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ (متفق علیه، صحیح بخاری 6856: کتاب التوحید باب قول الله تعالی ویحذرکم الله نفسه، صحیح مسلم 4851: کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار باب فضل الذکر والدعاء والتقرب إلی الله تعالی *"میں اپنے بندے کے گمان پہ جو وہ میری بابت رکھے پورا اترنے والا ہوں، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب بھی وہ مجھے یاد کرے۔ پس اگر وہ اپنے جی میں میرا ذکر کرے تو میں اپنے جی میں اس کا ذکر کروں۔ اور اگر وہ برسرِ محفل میرا تذکرہ کرے تو میں اس سے کہیں بڑھ کر برگزیدہ محفل میں اُس کا تذکرہ کروں"*

(۲) سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (الحدید:21) *" مسابقت کرو ایک مغفرت کی جانب جو تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اور ایک بہشت کی جانب جس کا عرض ویسا ہے جیسا آسمانوں اور زمین کا عرض، جو کہ آراستہ کی گئی ان نفوس کیلئے جو ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور اُس کے رسولوں کے ساتھ۔ یہ ہے خدا کا کسی کو بخشنے کا پیمانہ۔ (اور یہ) وہ جس کو دینے پہ آئے دے۔ اور اللہ تو ہے ہی بڑے پیمانوں سے بخشنے والا"*

ہے، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اور مستقل ملکیتی بنیادوں پر وارث ٹھہرتی ہے(۱) .. انسان کے اس اعلیٰ ترین جوہر کا تحفظ ہونے کی پس یہی ایک صورت ہے کہ انسانی نفوس اور انسانی معاشرے "ظنون و اوہام" اور "اہواء و رجحانات" کی آماجگاہ بننے سے بچائے جائیں اور انہیں اس "حق" اور اس "روشنی" کا ہی خوگر رکھا جائے جو زمین کیلئے آسمان سے اترتی ہے۔ اس "تحفظ" کا طریقہ وادب البتہ وہی ہے جو ہم ابراہیمؑ اور محمدؐ سے سیکھتے ہیں اور جسے ہم "حنیفیت" کے نام سے جانتے ہیں اور جو کہ باطل اور شرک کے خلاف خاص خاص موقعہ پر اور گاہے گاہے ہی اور ضرورت آپڑنے پر ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت سرگرم رہنے کی ایک خاص حالت اور کیفیت سے عبارت ہے، یہاں تک کہ یہ آدمی کی پہنچان بن رہے اور آدمی کی شخصیت اور دعوت کے حوالے سے خاص طور پر ذکر ہونے والی ایک بات:

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ

"ہم بری و بیزار ہوئے تم سے اور ان سب ہستیوں سے جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر معبود ٹھہراتے ہو۔ ہمارا کفر ہوا تمہارے ساتھ، اور کھلی عداوت اور بغض ہے ہمارے اور تمہارے مابین اب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہاں تک کہ تم ایک اللہ وحدہ لاشریک پر ہی ایمان نہ لے آؤ"

(الممتحنة: ٤)

زندگی تو وہی زندگی ہے مگر اس کا لطف سب سے زیادہ ایک صحت مند ترین شخص ہی لے سکتا ہے۔ جبکہ صحت مندی کا اصل راز، جیسا کہ ہم نے کہا، "آثارِ مرض" کے خلاف جسم کا ایک زوردار ترین اور ہمہ وقت سرگرمی رکھنا ہے۔ "غذا" کا درجہ اس کے بہت بعد آتا ہے، بلکہ غذا کا لطف ہی اس ''صحت'' کا مرہونِ منت ہے۔ بعینہ اسی طرح .. ایمان، عبادت اور بندگی، جو کہ "زندگی" ہی کا دوسرا نام ہے، کا سب سے زیادہ لطف وہی شخص لے سکتا ہے جس کی باطل سے براءت اور عداوت اور مزاحمت سب سے زیادہ جاندار ہو۔ "خدا سے تعلق" کی ایک خاص جاندار کیفیت بھی، جو کہ "تعبیرِ دین" کے تحت بجا طور پر ذکر ہونی چاہیئے، اور جو کہ محض خدا کی

---

(۱) أُولَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ 10) الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ 11) المومنون
"یہ ہیں وارث بن رہنے والے، جو کہ وارث بنیں گے فردوس کے ہمیشگی پاکر رہنے والے اس کے اندر"

بابت میٹھی میٹھی باتیں کر لینا نہیں، دراصل ایسے ہی باطل بیزار دل کے اندر جنم پاتی ہے اور ابراہیمؑ نے خدا سے جس "قلبِ سلیم" کا سوال کیا اس کی تفسیر[١] بھی دراصل یہی بنتی ہے۔

پس دراصل یہ "مزاحمت" اور یہ "کشمکش" جو باطل اور عبادتِ طاغوت کے خلاف کی جاتا ہے انسان کے اپنے تحفظ اور بقا کا سوال ہے۔ یہ اس کی "صحت" کی جانچ اور پہچان ہے۔ یہ اس کی "زندگی" کا بنیادی ترین ایک مطلب ہے، بطورِ فرد بھی اور بطورِ نوع بھی۔ یہ اس کے "وجود" کا مسئلہ ہے، خواہ یہ وجود دنیا ہو یا آخرت۔

پس انسان کی یہ فطرت ہی، جو کہ اس کا سب سے بڑا قدرتی اثاثہ ہے اور اس کا اصیل ترین جوہر، اپنی صحت وسلامتی کیلئے اور شیاطین کے ہاتھوں یرغمال ہونے سے بچ رہنے کیلئے، جس چیز کی ضرورت مند ہے وہ ہے اِس کا اپنے خالق کی جانب ہی ایک درست ترین اسلوب میں متوجہ رہنا، جو کہ "توحیدِ عبادت"[٢] ہے، اور صحف ورسل کی ہی اتالیقی اختیار کر رکھنا، جو کہ "اِتّباع"[٣] ہے۔

پس نجات ہے تو یہ "توحید" اور یہ "اتباع"۔ اب اگر دو جہاں کی سرخروئی کا بس یہی ایک عنوان ہے.. عالمِ وجود میں انسان کے پریشان ہونے کی اس سے بڑی کوئی بات اگر کبھی پائی ہی نہیں گئی .. تب تو اِس "توحید" اور اِس "اتباع" میں اس کا لہجہ جتنا ٹھیٹ اور گہرا ہو .. اور "بندگیِ

---

(١) وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ 87) يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ 88) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ 89) (سورۃ الشعراء)

" اور خدایا ! مجھے رسوائی سے بچائیو جس دن خلقت جی اٹھائی جائے گی۔ جس دن دولت کام آئے گی اور نہ آل اولاد۔ سوائے اُس کے جو اللہ کے ہاں قلبِ سلیم ہمراہ لایا"

اس آیت میں "قلبِ سلیم " کی تفسیر میں طبری یہ اقوال لاتے ہیں: ١۔ قتادہ سے" : شرک سے سلامت دل" ٢ ۔ابنِ زید سے : ۔شرک سے سلامت دل، رہے گناہ تو ان سے کوئی نہیں بچ پاتا " ٣۔ ضحاک سے : ۔قلبِ سلیم یعنی خالص قلب "(دیکھیئے تفسیر طبری بہ ذیل مذکورہ آیت) جبکہ ابنِ کثیر یہ اقوال لاتے ہیں: ١۔ مجاہد اور حسن (بصری) سے" : یعنی شرک سے سلامت دل"، ٢۔ ابوعثمان نیسا پوری سے" : یعنی وہ دل جو بدعت سے پاک صاف ہو اور سنت پہ استقرار رکھتا ہو "(دیکھیئے تفسیر ابنِ کثیر بہ ذیل آیتِ مذکورہ)

(٢) کلمہءشہادت کا شطرِ اول (٣) کلمہءشہادت کا شطرِ ثانی

طاغوت" کے خلاف، جوکہ "توحید" کی ضد ہے، اور "ابتداع" و "غی" کے خلاف، جوکہ "اتباع" کی ضد ہے، اِس کی مزاحمت جتنی شدید ہو اتنی ہی کم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ موحدین، جوکہ اس کرۂ ارض پر پائی جانے والی وہ واحد صنف ہے جو "خدا" کا درست پتہ رکھتی ہے، "توحید" اور "اتباع" کے اِن تذکروں میں اور "عبادتِ طاغوت" اور "غی وضلال" سے اِس اظہارِ عداوت میں وہ لذت واطمینان اور وہ نا قابلِ بیان لطف پاتے ہیں کہ کوئی شخص جو وہ نہیں جانتا جو یہ جانتے ہیں اِنہیں نرا مفتون (۱) سمجھے۔ بلکہ دونوں ہی ایک دوسرے کو کسی اور دنیا کا سمجھیں تو کیا تعجب! اتنی بڑی بات کو "جاننا" اور "نہ جاننا" برابر تو نہیں ہوسکتا!

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ (الزمر:۹)

" کہو: کیا وہ جو جانتے ہیں اور اور وہ جو نہیں جانتے برابر ہو جائیں؟ ! یہ تو صرف ہوشمند ہیں جو بات پاتے ہیں"!!!

انسان کی یہ "استعداد" جو ایک خاص انداز اور سلیقے سے اپنے "خالق" ہی کی جانب "متوجہ" اور سب "غیر" ہستوں سے "بیزار" ہو جانے کیلئے اس کے اندر رکھی گئی ہے .. اُس "خاص انداز اور سلیقے" سے جس کو ابھی ہم "توحید" اور "اتباع" کہہ آئے ہیں" .. "نفس" کی سطح پر بھی اور "معاشرے" کی سطح پر بھی ..

انسان کی اِس استعداد اور اس جوہر پر ظاہر ہے خدا کے سوا کسی کا حق نہیں۔ اِس سے

---

(۱) ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ 1) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ 2) وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ 3)) وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ 4) فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ 5) بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ 6) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ 7) فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ 8) وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ 9) (سورۃ القلم)" نون . قسم ہے قلم کی اور اس کی جو وہ سطور میں رقم کرتے ہیں . نہیں ہے تو اپنے رب کی نعمت کے باعث دیوانہ . اور بے شک تیرے لئے ایک اجرِ بے حساب و بے انتہا ہے . اور بے شک تو ایک بڑے عظیم اخلاق پہ ہے . پس دیکھ لے گا تو بھی اور دیکھ لیں گے یہ بھی، کہ کون ہے تم میں سے مفتون . بے شک تیرا رب ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی ہدایت یافتہ کو جانتا ہے . پس ہرگز نہ بات مان جھٹلانے والوں کی . یہ تو چاہتے ہیں کچھ تو ڈھیل کر پھر یہ ڈھیل پیدا کریں"

لطیف اور حسین چیز کبھی نہیں بنی۔ یہ دراصل اُس نے بنائی ہی خاص اپنے لئے ہے۔ کوئی اور اِسے اپنے زیرِ استعمال لائے تو وہ اُسے اپنا شریک اور اپنا ہمسر اور "طاغوت" جانتا ہے۔ اِس کا ولی، یعنی اِس پر حق رکھنے والا، خدا ہے اور کسی کو اِس میں اُس کے ساتھ شریک ہونے کا حق نہیں. چنانچہ ہم دیکھتے ہیں قرآنی استعمال میں "خدا کے ماسوا اولیاء" (ولی کی جمع) کہیں "عبادت" کے پہلو سے مذکور ہوئے اور کہیں "اتباع" کے پہلو سے۔

پہلے استعمال کی صرف ایک مثال:

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ 2) أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ 3) – الزمر

ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے پس تم بندگی کرو اللہ ہی کی، دین (بندگی) کو سارا کا سارا اسی کیلئے خاص اور خالص کر رکھتے ہوئے. خبردار! دین (بندگی) خالص اللہ کا حق ہے. رہے وہ لوگ جنہوں نے اور "صاحبانِ حق" پکڑ رکھے ہیں کہ ہم تو ان کو پوجتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں یقیناً یہ لوگ جس اختلاف پر ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ خود کرے گا. اللہ اس کو ہرگز ہدایت نہیں دیا کرتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہی ہوگیا ہو

دوسرے استعمال کی ایک مثال:

كِتَابٌ أُنزِلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُن فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ 2) اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ 3) – الأعراف

ایک کتاب جو تم پر نازل کی گئی، پس ہرگز کوئی تنگی نہ ہو اس سے تمہارے سینے میں، کہ ڈراؤ تم اس کے ذریعے سے اور ایمان لانے والوں کو یاددہانی ہو. (انسانو!) پیچھے چلو اس کے جو تمہاری جانب نازل کیا گیا اور نہ پیچھے چلو اُس ایک کے سوا کسی "صاحبانِ حق" کے۔ کم ہی تم نصیحت مانتے ہو"

انسان کے اس جوہر کو، جس پر صرف خدا کا حق ہے، کوئی اور اٹھا لے جائے اور خدا کے سوا اپنی طرف پھیر لے، اس سے بڑی اور اس سے گھناؤنی واردات قابلِ تصور نہیں۔ حدیث میں

واقعتاً اس کیلئے "ڈکیتی"، "لوٹ لے جانے" اور "یرغمال کر لے جانے" کے مترادف لفظ استعمال ہوا ہے:

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي خُطْبَتِهِ أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هَذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمْ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا (۱)

بروایت عیاض بن حمار المجاشعیؓ، رسول اللہ ﷺ نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: خبردار رہو! میرے رب نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہیں وہ کچھ سکھاؤں جس سے تم لاعلم رہے ہو، جو کہ آج اِس روز میرے رب نے مجھے سکھایا: بے شک ہر وہ مال جو میں نے کسی بندے کو بخش رکھا ہے حلال ہی ہے۔ اور بے شک میں نے اپنے بندوں کو، سب کے سب کو، حنفاء (خدائے واحد کی بندگی وفرماں برداری، کہ جس میں دیگر ہر رواج اور نظام سے قطعی رخ پھیر رکھا جائے، کی قابلیت کے ساتھ) پیدا کیا، اور بے شک پھر شیاطین ان پہ آئے اور ان کو ان کے اس (صحیح) طرزِ بندگی سے ڈکیتی کر کے لے گئے اور لگے ان پر حرام کرنے جو میں نے ان پر حلال کر رکھا تھا اور ان کو اکسانے اس بات پر کہ وہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک کریں جس کی کہ میں نے کبھی کوئی دلیل اور حجت ہی نہیں اتاری

پس یہ صرف "حنفاء" ہیں جو ملتِ شرک سے اپنی بیزاری وعداوت اور بندگیِ طاغوت کے خلاف اپنے جہاد اور اسکے مدِ مقابل ہر دم چوکنا اور مسلسل ہتھیار اٹھا رہنے کے باعث خدا کے فضل سے یہاں محفوظ رہتے ہیں ..

یہ صرف "حنفاء" ہیں کہ جو زمین پر شیاطین کی ان وارداتوں کو، جن میں دنیا روز لُٹتی ہے کیا "قدیم" انسان اور کیا "جدید" سوسائٹی اور تہی دست و درماندہ ہو کر یہاں سے " گھر" کوٹتی

(۱) ایک طویل حدیث کا ابتدائی حصہ (صحیح مسلم 5109: کتاب الجنہ وصفہ نعیمھا واھلھا، باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا اھل الجنہ واھل النار)

ہے، اپنے اوپر کامیاب نہیں ہو جانے دیتے اور یوں زمین پر سلامتی کی امید اور بقائے انسان کی ضمانت بنے رہتے ہیں .. اور جو اپنے اُس جوہر کو جو خدا کی جانب التفات کیلئے "انسان" کو عطا ہوتا ہے اپنی سب سے قیمتی متاع جانتے ہیں اور اس کو عین اس کے محل پر ہی، اور ایک خاص سنت سلیقے سے، نچھاور کرکے آتے ہیں اور جو کہ ایسا محل ہے کہ جس قدر نچھاور کرو اسی قدر "اور" ملتا ہے اور زیادہ سے زیادہ خالص ہو کر۔ پس "موحدین" یہاں اس جہان میں بھی خدا کے فضل کی جس بارش میں نہاتے ہیں وہ پوری ایک جنت ہے جہاں ان کو روز ایک ''رزق'' ملتا ہے اور اگلا جہان تو کہ جہاں "باقیاتِ صالحات" دراصل کام آئیں گی ہے ہی، پورا کا پورا، انکا..

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا (76) – مریم

"اور وہ جو "ہدایت" کا سراپا لیتے ہیں اللہ پھر انہیں "ہدایت" میں ہی اور بڑھاتا ہے۔ اور بقا پا جانے والی نیکیاں ہی ایک خاص عوض پانے اور واپس مل رہنے میں بہتر ہیں "

فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى (130) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى (131) وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى (132) – طه

پس صابر رہو ان لوگوں کی کہی ہوئی باتوں پر اور "تسبیح" کیئے جاؤ "حمد" کے ساتھ اپنے رب کی، ہر طلوعِ آفتاب سے پہلے اور ہر غروبِ آفتاب سے پیشتر، اور رات کے پہروں میں بھی اُس کی "تسبیح" ہی کرو اور دن کے اطراف میں بھی۔ تاکہ تم راضی ہو جاؤ۔ اور نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا اس آرائشِ زندگانیِ دنیا کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف لوگوں کو کچھ وقت موج کیلئے دے رکھی ہے کہ ہم انہیں یہاں آزمائش سے گزاریں۔ البتہ وہ "رزق" ہی جو تجھے تیرے رب کی جانب سے ملتا ہے کہیں اعلیٰ ہے اور پائندہ تر۔ اور ضرور تلقین کرتے رہو اپنے اہل کو صلوۃ (بروقت) کی اور خود بھی پابند رہو اس پر۔ ہم تم سے رزق کے طلبگار نہیں۔ رزق تو تمہیں ہم ہی دیتے ہیں۔ اور انجام آخر "تقوی" ہی کے ہاتھ رہنے والا ہے"

****

یہاں عیاض المجاشعیؓ کی حدیث پر، جو کہ ابھی اوپر ذکر ہوئی، اور جو کہ "حنیفیت " کی ایک اہم جہت بیان کرتی ہے، ہم ذرا دیر رکنا چاہیں گے..

كُلُّ مَالٍ نَحلْتُهُ عَبْدًا حَلالٌ "بے شک ہر وہ مال جو میں نے کسی بندے کو بخش رکھا ہے حلال ہی ہے"۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ تحلیل (یعنی کسی چیز کا حلال ٹھہرنا) دراصل "شرعی " تحلیل ہے نہ کہ سماجی یا رواجی یا قانونی ..

پس آج کے یہ خدا آزاد معاشرے جو کہ اشیا کو روا رکھتے ہیں مگر "شرعی تحلیل " کے باب سے نہیں یعنی اس بنیاد پر نہیں کہ یہ " خدا کا مال " ہے اور " خدا کا حلال کردہ" بلکہ یہ "شرعی تحلیل "ان کے ہاں سرے سے کوئی سوال ہی نہیں، اور اشیا ان کے ہاں اپنے روا ہونے کی صفت اس بات سے پاتی ہی نہیں کہ "یہ خدا کے ہاں قابلِ اعتراض نہیں"، بلکہ اشیا اپنے روا ہونے کی یہ صفت ان کے ہاں کسی اور بات سے پاتی ہیں خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ حنیفیت یعنی دینِ حق اور دینِ فطرت اور دینِ انبیا سے بھٹکے ہوئے ہونے میں یہ اتنے ہی گمراہ ہیں جتنے کہ وہ جو اشیا کے حرام یا روا ہونے کو سیدھا سیدھا "غیر " ہستیوں سے لیتے تھے اور جن کی جانب حدیث میں اس کے مابعد الفاظ کے اندر اشارہ ہے۔ شیاطین اُن کے "اولیاء " تھے اور شیاطین اِن کے "اولیاء" ہیں۔ **إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لا يُؤْمِنُونَ** *"بے شک ہم نے شیاطین کو ایمان نہ رکھنے والوں کے "اولیاء" بنا دیا ہے"*

اس کے بعد آیئے اس حدیث میں مشارالیہ " تحریم اور تحلیل " کی جانب ..

صحیح مسلم کی شرح میں اس حدیث کے تحت امام نوویؒ کہتے ہیں:

''یہ اشارہ ہے اُس تحریم کی طرف جو وہ اپنے اوپر ٹھہرا لیتے تھے بسلسلہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامیہ''(۱) (جاہلیت میں مویشیوں کے حرام

---

(۱) دیکھیئے شرح مسلم (از امام نوویؒ) بہ ذیل مذکورہ بالا حدیث

ٹھہرائے جانے کی مختلف صورتیں جن کا سورہ المائدہ 103: میں ذکر ہے)

مگر اتنا ہی نہیں کہ وہ بتوں کی ہیبت و تعظیم میں ___ بحیرہ و سائبہ و وصیلہ و حامیہ کی صورت ___ کچھ چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیتے تھے"۔ تحلیل "اور" تحریم " کا دائرہ یقیناً اس سے کچھ زیادہ وسیع ہے اور "شرک " سے براہِ راست منسلک..

چنانچہ، دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں وہ لوگ مردار جانور کو "حلال" ٹھہراتے تھے، جو کہ "حنفاء" کے نزدیک حرام رہا ہے، اور اس (مردار کے حلال ہونے) پر جو طرح طرح کی دلیلیں دیتے تھے اس پر ان کی جانب سے 'بتوں' وغیرہ کا کوئی حوالہ دینا کہیں مذکور نہیں۔ جو بھی دلیلیں تھیں وہ "عقلی" تھیں یا پھر "سماجی" مثلاً یہ کہ آخر اس میں حرج کیا ہے!؟ (وہی ہمارے روشن خیالوں کی دلیل!) اور یہ کہ 'جس کو خدا مار دے وہ حرام[1] اور جس کو تم خود مار لو وہ حلال'! اور وہ ایسی ہی شیاطین کی پڑھائی ہوئی پٹیاں پڑھ کر اہلِ ایمان سے جدال کرتے تھے[2] اس پر اللہ تعالی نے آیت اتاری:

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ

"نہ کھاؤ اس سے جس پر نہ لیا گیا نام خدا کا اور یہ ہے یقیناً ایک فسق۔ اور شیاطین وحی کرتے ہیں اپنے چیلوں کو کہ بحث کریں یہ تم سے۔ اور اگر تم نے ان کی بات تسلیم کر لی تو یقیناً تم مشرک ہو"

---

(۱) 'ڈاکٹری تحقیقات' ابھی ان پر منکشف نہ ہوئی ہوں گی، ورنہ حفظانِ صحت کے وہ بھی کچھ ایسے منکر نہ تھے! یہ ایک اصولی مسئلہ تھا۔ دوسری طرف اہلِ ایمان بھی محض کسی 'طبی' بنیادوں پر اتنا سارا گوشت 'ضائع' کر دینے پر مصر نہ ہو رہے تھے! روا و ناروا اور دستور و نادستور کے پیمانے کون صادر کرے، خدا یا مخلوق؟ اصل سوال اور اصل نزاع یہ تھا۔

(۲) دیکھیے تفسیر ابن کثیر بہ حوالہ عکرمہ عن ابنِ عباس، مفسر سدی، مجاہد، ضحاک و دیگر علمائے سلف، بہ ذیل سورہ الانعام آیت 121

آیت کے آخری حصہ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ میں چونکہ "شرکِ اطاعت" کا ذکر ہے یعنی کسی کو تحلیل اور تحریم یعنی "روا "و"ناروا " ٹھہرانے کا حق ہونے کو شرک مانا جانا، لہذا اس پر امام ابنِ کثیر اس آیت کا رشتہ سورہ التوبہ کی آیت ۳۱ سے جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ یعنی جب تم اللہ کے امر اور اس کی شرع سے عدولی کر کے کسی اور کے قول وقرار کی طرف چلے گئے تو تم نے اُس پر اُس کے غیر کو مقدم رکھا اور یہی شرک ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرما رکھا ہے :(اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لا إِلَهَ إِلا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ "انہوں نے پکڑ لیا اپنے احبار اور اپنے رہبان کو خدا کو چھوڑ کر اپنے رب اور مسیحؑ بن مریم کو بھی، جبکہ نہ حکم دیا گیا تھا اِن کو مگر اس کا کہ یہ عبادت کریں بس الہِ واحد کی۔ کوئی ہے ہی تو نہیں عبادت کے لائق مگر وہ۔ پاک ومنزہ ہے وہ اس سے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔" (التوبہ :31) جبکہ ترمذی نے اس آیت کی تفسیر میں عدی بن حاتمؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ ان (احبار و رہبان) کی عبادت تو نہ کرتے تھے! تب آپؐ نے فرمایا: ہاں تو انہوں نے ان کے لئے ناروا کو روا اور روا کو ناروا کیا، اور اس میں انہوں نے ان کی "اتباع" کی، تو یہ ہوا ان کا ان کی عبادت کرنا"[1]

(۱) دیکھیے تفسیر ابنِ کثیر بہ ذیل الانعام 121

ابنِ کثیر کی اس عبارت کے بعد، ایک عبارت (سورہ الانعام کی اسی آیت: 121) کی بابت سید قطب کی بھی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے:

"وہ لوگ جو بت کو پوجنے والے پر تو "شرک" کا حکم لگا دیا کرتے ہیں مگر طاغوت کی حاکمیت تسلیم کر لینے والے پر "شرک" کا حکم کبھی نہیں لگاتے، "یہ" حکم لگاتے ہوئے جو گناہگار ہو جانے سے ڈرا کرتے ہیں پر "وہ" حکم لگاتے ہوئے گناہگار ہو جانے سے جنہیں کبھی خوف لاحق نہیں ہوا .. حق یہ ہے یہ لوگ "قرآن" نہیں پڑھتے۔ نہ ہی یہ لوگ اِس "دین" کی حقیقت سے آگاہ ہیں۔ ان کو چاہیئے یہ "قرآن" پڑھیں ویسے جیسے اللہ نے اس کو نازل کیا۔ ان کو چاہیئے یہ اللہ کے اس کلام کو ذرا غور کر کے پڑھیں: وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ "اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو پھر یقیناً تم مشرک ہو" (۱)

****

(۱) فی ظلال القرآن جلد 3: صفحہ 154

(۲) مذکورہ بالا مضمون بمع کچھ ترمیم واضافہ الگ سے بطور کتابچہ بھی دستیاب ہے، جس کا مقصد دعوتی فائدے کیلئے اس مضمون کی تقسیم عام کو آسان بنانا ہے۔

فصل سوم

رواداری کی حدود

"دعوت "اصل میں تو تاثرات کی جنگ ہے..

رواداری کا سوال بھی اسی وجہ سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ جاہلیت معاشرے میں پہلے زندگی کا ایک دھارا بناتی ہے، جوکہ طرح طرح کے ظلم سے پُر ہوتا ہے۔ خواہ اسے باپ دادا کا راستہ کہا جائے یا جاہلی ماحول اور گردوپیش کا اپنا ہی تقاضا، یا جاہلی ابلاغ اور تعلیم کا اثر، یا انسانی اھواء وخواہشات و خرافات یا لوگوں کی عقول اور اموال اور صلاحیتوں کا استحصال۔ جاہلیت پہلے زندگی کا یہ دھارا بناتی ہے۔ پھر اس دھارے کے ساتھ جتنے لوگ رضا کارانہ طور پر ___ اور دراصل ایک باقاعدہ سماجی اور ابلاغی دباؤ کے تحت ___ چلنا چاہیں ان کو ساتھ چلاتی ہے۔ البتہ جو نہ چلنا چاہیں ان سے رواداری کا تقاضا کرتی ہے!

سماج کا اثر بے انتہا زورآور ہوتا ہے۔ ایک غیر معمولی عزیمت اور قوت ارادی کے بغیر، جوکہ توحید ہی کی دین ہوسکتی ہے، اور ایک غایت درجے کی دانشمندی اختیار کئے بنا، جوکہ سنت ومنہجِ سلف میں بصیرت پا کر مل سکتی ہے، اس کی مزاحمت ناممکن رہتی ہے۔ تاثرات پہاڑ سے بھاری ہوتے ہیں۔ اچھے اچھے لوگ بسا اوقات اس پہاڑ سے ٹکرانے کے خلاف شرعی دلائل پیش کرتے دیکھے گئے ہیں! اس پہاڑ کو ہلانا جن کی نگاہ میں ناممکن ہوتا ہے ان کیلئے خود تھوڑا سا ہل جانا اور اس پہاڑ سے ذرا کترا کر گزرنا مسئلے کا آسان اور طبعی حل ہوتا ہے۔ جاہلیت جس رواداری کی متقاضی ہوتی ہے اس سے مراد دراصل یہی ہوتی ہے کہ آدمی یہاں اپنے کام سے کام رکھے!

جاہلی دھارے کے ساتھ چلنے سے انکار کرنا ایک دشوار کام ہے اور ابتدا میں تو ایک خاص نظریاتی پختگی کو پہنچے ہوئے لوگ ہی یہ جرات کر سکتے ہیں۔ چنانچہ رواداری ایک طرح کا خراج ہے۔ ہر جاہلی معاشرہ اسی ٹیکس پر چلتا ہے۔ یہ خراج معاشرے کے ایک عام فرد پر جاہلیت اپنا کم از کم حق جانتی

ہے۔اس حق کو وہ ہر ایک سے زبردستی بھی لیتی ہے اور گو یہ محض ایک منہ ملاحظہ ہے مگر ایک فرد کیلئے اس سے جان چھڑانا جان جوکھوں کا کام بن جاتا ہے۔

دوسری طرف اللہ کا حق ہے۔ پیدا کرنے والے کا تقاضا ہے۔تخلیق کا مقصد ہے۔نجات کا سوال ہے۔وجود کی غایت ہے۔اطاعت،عبادت، پرستش،تعظیم،تقدیس، کبریائی، بندگی، ڈر،خوف، محبت،عقیدت، گرویدگی صرف اس ذات کی جو واقعتاً اور درحقیقت اِس پر حق رکھتی اور جس نے محمدﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ؐ کے راستے کو ہدایت اور راستی کی سند دی اور جس کا کم از کم حق یہ ہے کہ اس سے متعارض اور متصادم راستوں کو نہ صرف غلط مانا جائے بلکہ برملا طور پر باطل کہا جائے۔

حق اور باطل کے درمیان رواداری اسی وجہ سے باعثِ نزاع بن جاتی ہے۔ جاہلیت کے ہاں غلط اور صحیح کی اپنی تقسیم ہے اور اسلام کے ہاں اپنی۔دونوں میں صاف تعارض ہے۔جو ایک کے ہاں صحیح ہے وہ دوسرے کے ہاں غلط ہے۔ان دونوں کے 'صحیح' اور 'غلط' میں بعض جگہوں پر اگر اشتراک پایا جاتا ہے تو بہت ہی اہم اور بنیادی مسائل میں صاف تعارض ہے۔ایک سے رواداری دوسرے سے انحراف ہے۔اب یہاں رواداری کا لفظ بے معنی اور غیر متعلق irrelevent ہو جاتا ہے۔یہاں تو سوال یہ ہوگا کہ رواداری کس سے ہو اور انحراف کس سے؟ دونوں کے ساتھ سازگاری ممکن نہیں۔جاہلیت کے اپنے تقاضے ہیں جو اسلام سے متعارض ہیں۔دوسری جانب اسلام کے اپنے تقاضے ہیں جو جاہلیت سے صاف متصادم ہیں۔دونوں کا یہ تعارض اس قدر واضح اور اس قدر جذری اور بنیادی ہے کہ ایک کا رہنا دوسرے کا جانا ہے۔ایک کو اپنی اصل حالت پہ چھوڑ دینا دوسرے میں جذری ترمیم کر دینا ہے اور اس کو اس کی اصل حالت پر رہنے نہ دینا۔دو متعارض عقیدوں کی جنگ ہو تو آپ دونوں کے حق میں فیصلہ کر ہی نہیں سکتے۔ بیک وقت دونوں سے نباہ ممکن نہیں۔ایک کو اصل مان کر دوسرے میں ہر وہ ترمیم کر دینا پڑے گی جو اس ایک کا تقاضا ہو۔

دو "باطل" نظریات میں بھی اگر تصادم ہو تو رواداری کا سوال عموماً اس طرف سے اٹھتا ہے جو لوگوں کی اکثریت پر غالب اور متسلط ہو۔ کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کی ضرورت اس نظریے کو زیادہ ہونی چاہیے جو اکثریت کی حمایت نہیں رکھتا۔مگر واقعہ یہی ہے کہ رواداری کی صدا عموماً اسی طرف سے بلند کی جاتی ہے جو حالتِ موجودہ status quo کو باقی اور بحال رکھنے پر مصر ہو۔ چنانچہ اس صدا

پر لبیک کہنے کا آپ سے آپ مطلب یہ ہوگا کہ اسی نظریے کی سیادت پر راضی برضا رہا جائے جو پہلے سے قائم ہے۔

البتہ حالتِ موجودہ status quo کے داعی طبقے جس رواداری کے متقاضی ہوتے ہیں وہ ایک خاص قسم کی یکطرفہ رواداری ہوتی ہے۔ اس سے مراد ہوتی ہے حصہ بقدر جثہ یعنی جتنا کوئی طبقہ معاشرہ میں زیادہ بڑا یا زیادہ بااثر ہے اتنا ہی اس کو غلط کہنے سے احتیاط برتی جائے اور جتنا کوئی طبقہ چھوٹا یا بے اثر ہے اتنا ہی اس کو معاشرتی رجحانات کے ساتھ راوداری اپنانے کی تاکید کی جائے!

دو متعارض نظریات "باطل" بھی ہوں تو ان میں یہ کھینچا تانی ناگزیر ہوتی ہے۔ ورنہ حالتِ موجودہ برقرار رہتی ہے۔ پھر جب معاملہ "حق" اور "باطل" کا ہو اور جبکہ "جاہلیت" معاشرتی رجحانات پہ حاوی ہو وہاں حق کی جانب سے حالتِ موجودہ کے ساتھ نظریاتی رواداری اپنا رکھنے کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ جس باطل کی سیادت معاشرے میں قائم ہے اسی کی سیادت باقی رہے۔

رہا یہ کہ کچھ تبدیل کیا جائے تو اس کیلئے یہ تکلیف بہرحال کرنا پڑے گی کہ ہزاروں لاکھوں لوگ جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اسے غلط کہنے کی انہونی حرکت کر ڈالی جائے اور اس کے بدلے میں ہر طرف سے عتاب مول لیا جائے۔ انسانی جذبات کا احترام بے حد ضروری ہے مگر حق کی حرمت اس سے بڑی ہے۔ "حق" کی اتباع، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، "انسان" کی اصیل ترین خاصیت ہے۔

پس نظریات اور عقائد کی جنگ میں ایک کی بقا دوسرے کی زندگی کی قیمت پر ہوتی ہے۔ اس میں حرج کی کوئی بات ہے اور نہ یہ رواداری کے خلاف ہے۔ ایک نظریہ رہے گا تو اس سے متصادم دوسرا نظریہ آپ سے آپ نہیں رہے گا۔ رواداری کے منافی کوئی بات ہے تو وہ یہ کہ لوگوں کو بندوق کی نوک پر کلمہ پڑھوایا جائے اور باطل سے برگشتہ کرنے کیلئے لوگوں کے ساتھ زبردستی کی جائے۔ رہا یہ کہ ایک باطل نظریے یا ایک جاہلی طرز زندگی کو ذہنوں کی دنیا میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور اسلام سے متصادم امور کو، خاص طور پر ایک مسلم معاشرے سے، ختم کرنے پر آمادۂ عمل ہوا جائے تو یہ رواداری کے ہرگز منافی نہیں۔ کم از کم رواداری کے اسلامی تصور کے منافی نہیں۔

نظریات میں تصادم جب ایک واقعہ ہے تو پھر کسی ایک ذہن میں یا کسی ایک معاشرے کے اندر ایک نظریے کا پنپنا دوسرے کے ختم یا مسخ ہونے کی قیمت پر ہوگا۔ جاہلی نظریات وعقائد اور جاہلی طرز

زندگی کے ساتھ اگر آپ یہ مہربانی کرنا چاہیں گے کہ انہیں اپنے حال پر رہنے دیا جائے تو وہ اسلام کے مسخ ہونے کی قیمت پر ہوگا اور اگر اسلام کو اس کی اصل حقیقت کے ساتھ لے کر چلنا چاہیں گے تو وہ جاہلیت کے مسخ اور قطع و برید ہونے کی قیمت پر ہوگا۔ آپ کو کوئی ایک قیمت دینا ہوگی۔ آپ کے پاس کوئی چناؤ ہے تو صرف یہ کہ آپ کونسی قیمت دینا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس چناؤ کے بہت سے راستے نہیں۔ ایک سے مہربانی خود بخود دوسرے سے زیادتی ہوگی۔ آپ کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ مہربانی کس کے ساتھ ہو اور زیادتی کس کے ساتھ۔ خیر اور شر، حق اور باطل، توحید اور شرک دونوں میں خدا نے آپ ہی کچھ ایسا تعارض رکھ دیا ہے کہ اس کا ازالہ کر دینا آپ کے بس کی بات نہیں۔ دونوں کے ساتھ مہربان ہونا آپ کیلئے ممکن نہیں۔ دونوں کو رہنے دینا رواداری ہے اور نہ انصاف۔

ہاں اشخاص اور نظریات میں فرق ضروری ہے ..

باطل یا شر کی راہ پر کوئی شخص ہے تو اس شخص کے ساتھ اچھائی کرنے میں کوئی برائی نہیں۔ مگر خود اس باطل اور شر پر ہی آپ مہربان ہوں اور اس کو ہی زندہ رہنے کا حق دیں، اس کی کوئی بھی تک نہیں۔ باطل کے ساتھ نیکی خود بخود حق کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ خدا ترسی اور رحم دلی اور رواداری انسانوں کے ساتھ ہے خواہ وہ کتنے ہی غلط راستے پر کیوں نہ ہوں نہ کہ نظریات اور عقائد کے ساتھ!

عقائد، نظریات، افکار، تہذیبیں، ثقافتیں اور طرز ہائے حیات اگر باطل ہیں تو ان کی موت ہو جانا عین حق اور انصاف کا تقاضا ہے۔ خدا چاہتا تو خود ان کی موت کروا دیتا بلکہ پیدا ہی نہ کرتا اور یا پھر فرشتوں سے ان کی موت کرواتا مگر اس نے ہی زمین پر اپنے بندوں کی آزمائش کیلئے ان کو پیدا کیا اور اس نے ہی اپنے بندوں کو یہ مشن دیا کہ وہ باطل کے خاتمہ اور حق کے قیام کیلئے سرگرم عمل ہوں۔ شرک کو مسترد کر دیں اور توحید کی راہ اختیار کریں۔

وَنَبۡلُوكُم بِالشَّرِّ وَالۡخَيۡرِ فِتۡنَةً وَإِلَيۡنَا تُرۡجَعُونَ (الانبیاء: ۳۵)	اور ہم تم کو خیر اور شر کی ابتلا سے آزماتے ہیں۔ آخر لوٹنا تم کو ہماری ہی طرف ہے۔

کتابوں کا نزول اور نبیوں کی بعثت اسی لئے ہے کہ وہ شر اور باطل جو خدا نے اپنی مرضی سے اور اپنی کسی حکمت کے پیش نظر پیدا کیا ہے .. خدا کی وحی اور اس کی شریعت کی مدد سے اور شریعت و وحی کی اتباع کی راہ سے اس شر اور باطل کو ختم کیا جائے اور اس کی جگہ _ ذہنوں اور دلوں کی دُنیا میں

اور معاشرے کی سرِ زمین پر حق کا احقاق کیا جائے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ (الانبیاء:۱۸)

مگر ہم تو باطل پر حق کی ضرب لگاتے ہیں جو اس کا سر توڑ دیتی ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے (البتہ) تم جو وصف بتاتے ہو وہ تمہارے لئے باعث بربادی ہے

نیکی، احسان، نرمی اور لطف انسانوں کے ساتھ کرنے کا حکم ہے (وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ..) خواہ وہ انسان باطل پر کیوں نہ ہوں مگر خود یہ باطل کسی نرمی، کسی نیکی، کسی لطف اور کسی رُو رعایت کا مستحق نہیں ہوتا۔ چنانچہ رواداری کا محل انسان ہیں بے شک وہ کسی بھی دین پر ہوں البتہ باطل کے ساتھ رواداری حق کا استحصال ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ باطل کے ساتھ نیکی کا ارادہ جب آپ کے دل میں پرورش پاتا ہے تو حق کے ساتھ اس سے پہلے آپ زیادتی کر چکے ہوتے ہیں۔

غلط کو غلط کہنا اور باطل کو باطل جاننے پر مصر رہنا عقل کا تقاضا ہے اور ہمارے دین کا حکم۔ باطل کو باطل جاننا ایمان کا کمترین درجہ ہے۔

وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (۱)

یہ نہیں تو رائی برابر ایمان نہیں رہتا۔

******

نظریات، عقائد، طرز ہائے معاشرت حق ہوں یا باطل فضا میں نہیں پائے جاتے۔ نہ ہی فضا میں پائے جا سکتے ہیں۔ ان کو انسانی ذہنوں اور انسانی معاشروں میں ہی رہنا ہوتا ہے۔ یہاں سے اس معاملے کی سنگینی اور حساسیت کا آغاز ہوتا ہے۔ ایک نظریے کو ہٹا کر دوسرے نظریے کو بسانے کا واقعہ انسانی شعور کے اندر ہی رونما ہونا ہوتا ہے۔ ایک عقیدے کی موت اور اس کی جگہ دوسرے عقیدے کا احیاء انسانی قلب وذہن اور انسانی معاشرے کے اندر ہی رُو پزیر ہوتا ہے۔ حق اور باطل کا یہ معرکہ بلاشبہ افکار ونظریات اور عقائد ورجحانات ہی کے مابین ہونا ہوتا ہے مگر میدان جنگ بہرحال انسانی ذہن وشعور اور انسانی معاشرہ ہی بنتا ہے۔ جنگ کے اثرات ظاہر ہے ماحول اور گردوپیش پر پڑ کر رہتے ہیں۔ میدان

---

(۱) صحیح مسلم: 71 کتاب الایمان باب بیان کون النهی عن المنكر من الإيمان وأن الإيمان يزيد

جنگ کا کچھ نہ کچھ نقصان بہرحال ہوتا ہے۔ یہ ایک آزمائش ہے۔ خدا کی طرف سے ہے۔ اور ناگزیر ہے۔ خدا نے یہ دُنیا پیدا ہی کچھ اس طرح کی ہے۔ یہاں یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ جنگ کی اس سرزمین کا نقصان اور اس میں توڑ پھوڑ کم سے کم ہو۔ انسانی جذبات کا مجروح ہونا کم سے کم ہو۔ انسانی قلب وشعور میں باطل کو مغلوب اور حق کو غالب کرنے کا عمل کم سے کم نقصان اٹھا کر اور زیادہ سے زیادہ خوش اسلوبی سے اور باحسن انداز انجام پائے۔ البتہ کسی تکلیف کے ڈر سے علاج ترک بہرحال نہ کیا جائے۔ حکمت در اصل اسی صلاحیت کو پانے کا نام ہے۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (125) – النحل

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ بے شک تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے کون اُس کے راستے سے بھٹکتا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کون ہدایت یافتہ ہیں۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (33)) وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (34)) وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ (35)
– حم السجدة

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔ اور اے نبی، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (108) – الأنعام

اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ہم نے تو اس طرح ہر گروہ کیلئے اس کے عمل کو خوش نما بنا دیا ہے۔

باطل کے خاتمہ کے اس مشن میں انسان کو بچانے کی ازحد کوشش کرنا ہمیں ہمارے اپنے ہی دین کا سبق ہے۔ آپ اس کو رواداری کہیں یا کچھ اور، مگر ہمیں اس کی بھرپور ہدایت ہوئی ہے۔ انسان کو.. یعنی انسان کے جذبات واحساسات کو، انسان کی عزت وآبرو، نام ونسب، سماجی مرتبہ، جان ومال، رشتے اور کنبے، قوم اور قبیلے، ملک اور معاشرے ہر چیز کو بھرپور تحفظ دیا جاتا ہے۔ یوں دعوت اس بات کی کوشش ہے کہ انسان کو کم از کم گزند پہنچے مگر باطل کو کوئی ترس کھائے بغیر ختم کیا جائے۔

توحید کو انسانی شعور میں گہرا اتارنے اور انسانی معاشروں میں ایک زندہ حقیقت کا روپ دینے کے اس عمل میں انسان کو ہر پہلو سے تحفظ دینا اسلامی دعوت کا ایک واضح ترین مسلّمہ ہے۔ یہ محض کوئی سیاسی منشور نہیں بلکہ یہ اس عمل کا خود اپنا ہی تقاضا ہے۔ انسان کے ساتھ یہ برتاؤ خود اس عمل کے بھی شایان شان ہے۔ خود اس عمل کا پنپنا اور اس کا ثمر آور ہونا انسان کی عزت نفس اور انسانی رشتوں اور سماجی بندھنوں کے تحفظ میں مضمر ہے۔ یہ عقیدہ انسان کو تکریم اور خوش بختی اور روح کا چین دینے آیا ہے نہ کہ بدبختی سے دوچار کرنے:

طه 1) مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى 2) إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَى 3) – طه

طہ۔ ہم نے یہ قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو ایک یاد دہانی ہے ہر اس شخص کیلئے جو خشیت اختیار کر لے

أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ 2) وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ 3) – هود

یہ کہ نہ کرو عبادت مگر ایک اللہ کی ۔ بے شک میں ہوں تمہارے لئے اس کی جانب سے ڈرانے والا اور خوشخبریاں دینے والا۔ "اور یہ کہ تم اپنے رب سے مغفرت مانگو اور اس کی جانب پلٹ آؤ تو وہ تم کو وقت مقرر تک خوب سامان زیست دے گا اور ہر صاحب فضل کو فضل بہم پہنچائے گا

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ 21) – الرعد

یہ وہ (لوگ) ہیں جو ان سب رشتوں کو پختہ کرتے ہیں جنہیں جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اپنے پروردگار کا خوف رکھتے ہیں اور حساب کی سختی کا اندیشہ رکھتے ہیں۔

****

یہ ہیں رواداری کی حدود جو ہماری نظر سے کسی وقت اوجھل نہیں ہونی چاہئیں۔ توحید کی جنگ شرک کے ساتھ ہونا .. حق اور باطل کے مابین یہ تنازعہ خدا کا حکم ہے۔ خدا کے اس حکم کو ٹال دینا کسی کا اختیار نہیں۔ اس جنگ کو موقوف کر دینا رواداری نہیں۔ وہ چاہتا تو شرک اور باطل وجود میں ہی نہ آتے اور ہم اس لڑائی سے بچ کر بڑے ہی آرام سے صرف نماز روزہ یا ذکر اذکار یا اسلامی تحقیقات وغیرہ ایسے امور تک محدود رہتے مگر اس نے ہی یہاں اس شر اور باطل کو پیدا کیا اور اس نے ہی پھر اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعے اپنے بندوں کو اس کے خاتمے کا مشن دیا۔ اب اس کی بندگی ہونے کیلئے _ حتی کہ نماز روزہ اور ذکر واذکار وغیرہ کے معتبر ہونے کیلئے _ شرک سے مخاصمت اور باطل سے عداوت ایک بنیادی شرط ہے اور یہ شرط خود اسی کی طرف سے عائد کردی گئی ہے۔

یہاں سے اب اس معاملے کی ایک اور جہت سامنے آتی ہے۔ اس معرکۂ خیر وشر میں انسان بھی اس لحاظ سے متعلق ہو جاتے ہیں کہ انہی کے ذہنوں کی زمین میں اور انہی کے معاشروں کے اندر یہ جنگ لڑی جاتی ہے۔ باطل کو ختم کرنا، پر انسان کو بچالینا، از روئے دین فرض ہے الا یہ کہ کوئی انسان از خود اپنے وجود کو باطل کے وجود سے آخری حد تک منتھی کرلے اور خدا کی مخلوق اور خدا کی بندگی کے مابین آڑے آنے میں آخری حد تک جانے پر مصر ہو۔ تب ضرور اسے اگر کوئی ٹھیس پہنچے تو آپ خدا کے ہاں عذر رکھتے ہیں خصوصاً جبکہ بچاؤ کی ہر تدبیر کی جا چکی ہو۔

یہ بہرحال واضح ہونا چاہیے کہ حق اور باطل کا یہ تصادم دراصل انسان کو تکریم دینے کیلئے ہے نہ کہ انسان کو خراب کرنے کیلئے۔ انسان پر حق بھی زبردستی مسلط نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس میں نہ حق کی تکریم ہے اور نہ انسان کی۔ پوری سمجھ بوجھ اور آزادانہ مرضی سے حق کو قبول کیا جانا حق کے بھی شایان شان ہے اور بنی نوع انسان کے بھی۔ یہ تکریم انسان کو خدا کی جانب سے عطا ہوئی ہے جو کہ اس کا امتحان بھی ہے اور اس کا اعزاز بھی۔

دعوتِ حق کی یہ خوبی اور یہ خاصیت اور یہ اعزاز خود ہی اس بات کیلئے کافی ہے کہ اس محنت کے حجم اور نوعیت کا اندازہ کر لیا جائے جو اس راستے میں کرائی جانا ہے۔ لوگوں کو کوئی بات دل سے منوانا ایک کٹھن کام ہے گو اس میں اصل عنصر اس حق کی خود اپنی ہی صداقت اور دوسری جانب انسان کے اپنے ہی

اندر قبولِ حق کی ایک فطری صلاحیت ہے مگر ان دونوں کو برآمد کرنا اور پھر انکا ایک دوسرے سے اتصال کروانا اور انکے مابین جاہلیت کے پیدا کردہ فاصلے دور کروانا داعیان حق ہی کا کام ہے اور اس مقصد کو بروئے کار لانے کیلئے تمام تر ذرائع اختیار کرنا اور اس مشن کی تکمیل کیلئے اپنے دور کے شایان شان وسائل اپنانا ان کا ایک اہم ترین فرض۔

****

اسلام اور دعوت توحید کے حوالے سے رواداری کا پھر ایک اور پہلو بھی واضح ہو جانا چاہیے۔اس کا تعلق آخری رسالت کے موضوع سے ہے ..

اسلام ایک ایسی حقیقت کا نام ہے جو خدا کے ہاں سے نازل ہوئی ہے۔پس یہ ایک متعین حقیقت ہے۔اس میں ردوبدل کر دینے کا کوئی بھی شخص مجاز نہیں۔پہلی رسالتیں جب اپنی اصل حالت میں دستیاب نہ رہیں تب یہ آخری رسالت بھیجی گئی تا کہ لوگ پورے یقین اور وثوق سے عین وہ بات جان سکیں جو خدا کے ہاں سے ان کے لئے نازل ہوئی اور جس پر ایمان لانا اور عمل پیرا ہونا ان سے از روئے شریعت مطلوب ہے۔اسلامی عقیدہ اور اسلامی تصور حیات کی یہ ایک اہم ترین خصوصیت ہے کہ اس میں خدا کی وحی انسانی اھواء وخواہشات کے ساتھ خلط ہونے کے ہر شائبے سے پاک ہے۔اس دین کی یہ خاصیت کہ یہ ہر ملاوٹ اور ہر قسم کی کمی بیشی سے پاک ہےاس کے آخری رسالت ہونے کی ایک زبردست دلیل ہے۔اس کی یہ خاصیت خدا کی طرف سے ہے مگر اس کے تحفظ کا ذریعہ ہر دور کے موحد حاملین حق ہی بنے ہیں۔چنانچہ اسلام کو ہر دور کی انسانی اھواء وخواہشات سے پاک اور خالص رکھنا عین وہ کام ہے جو اس آخری رسالت کے واقعتاً شایان شان ہونا چاہیے۔دنیا کا کوئی بہترین گروہ ہوسکتا ہے تو وہی لوگ جو اپنے دور میں خالص اسلام کا تحفظ کرنے کو کھڑے ہوں اور جو اپنے زمانے میں سوچ اور عمل کے ہر اس فیشن کی راہ روکنے کو آگے بڑھیں جو کہ اسلام نہیں مگر اسلام کی سند پانا چاہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: علمائے اہلسنت ابدال ہیں۔یعنی اس وقت انبیاء کا بدل ہیں۔ رسولوں کے قائم مقام ہیں اور آسمانی ہدایت کے امین [1]۔ انبیاء کی وراثت سب سے بڑا اعزاز ہے

---

(۱) دیکھیے فتاویٰ امام ابن تیمیہ: جلد ۱ صفحہ ۳۴۶ فصل فی اعتدال أهل السنة فی الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر، ایضا جلد ۱ صفحہ ۳۱۰ فصل قول ابن الجوزی فی الرد علي الحنابلة (الوصية الكبرىٰ)

جو کہ اس امت کے اہل حق کو حاصل ہے۔

ہر دور میں انسانی اھواء وخواہشات کو یہ تقاضا ہوتا رہا ہے کہ وہ چیزیں اور باتیں جو اسلام نہیں ان کو اسلام کی سند دلائی جائے اور کچھ ایسی باتیں جو اسلام ہیں ان کو اسلام کے حوالے سے بیان نہ کیا جائے۔اس بات کو لوگ زمانے کے ساتھ چلنے کا عنوان دیتے ہیں اور ایسا نہ کرنے کو جمود اور قدامت پسندی اور تحجر اور نہ جانے کیا کیا۔گویا اسلام کو زمانے کے ساتھ چلنا ہے نہ کہ زمانے کو اسلام کے ساتھ ! اسلام اگر کہیں انکے کہنے پر زمانے کے ساتھ چلنے لگتا تو اسلام اس قدر زمانے دیکھ آیا ہے اور اس قدر زمانے اس پر ابھی اور آنے ہیں کہ یہ کچھ سے کچھ ہو جاتا مگر اسلام آج بھی وہ ٹھوس حقیقت ہے کہ جو آج سے چودہ صدیاں پیشتر تھی اور قیامت تک اس کو ویسا ہی رہنا ہے!

یہ ہرگز کوئی آسان بات نہیں۔اسلام کو اس کے اصل پر باقی رکھنے پر ہر دور کے اہل حق کی بے انتہا محنت ہوئی ہے اور زمانے سے ان کو اس پر بہت کچھ سننا اور سہنا پڑا ہے۔

اسلام خدا کی شریعت ہے اور خدا کا تقاضا۔خدا اپنے بندوں سے کیا تقاضا کرے، یہ فیصلہ اسے کرنا ہے۔ ہر دور کے انسانوں کو اس کے تقاضوں پر پورا اترنا ہے اور اس کو کسی کے تقاضوں پر پورا اترنے کی کوئی ضرورت درپیش نہیں۔قوت اور اختیار اس کے ہاتھ میں ہے۔جنت اور جہنم اس کے پاس ہے۔مطلق علم وہ رکھتا ہے اور حق اور عدل اس کی صفت:

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُم بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَن ذِكْرِهِم مُّعْرِضُونَ 71) – المؤمنون	اور حق اگر کہیں ان کی خواہشات کے پیچھے چلتا تو زمین اور آسمان اور ان کی ساری آبادی کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔مگر ہم تو ان کے پاس ان کا پیغام لائے ہیں سو وہ اپنے اس پیغام ہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں

کوئی اس اسلام کو، جیسا کہ یہ ہے اور جیسا کہ یہ اللہ کے ہاں سے نازل ہوا ہے، قبول نہیں کرنا چاہتا تو دُنیا کی زندگی اس کو اس کی پوری آزادی ہے۔اس کا فیصلہ قیامت کے روز خدا کو کرنا ہے ہمیں نہیں۔اس تک خدا کا یہ تقاضا بلا کم وکاست پہنچا دینا البتہ ہمارا کام ہے اس سے آگے وہ جانے اور خدا جانے ہمارا کام اس پر ختم ہو جاتا ہے۔کسی پر زبردستی کرنا اسلام کا حکم نہیں۔رواداری کا یہ مفہوم اسلام میں

بہت واضح ہے۔ اس کو جیسا کہ یہ ہے اور جیسا کہ یہ اللہ کے ہاں سے نازل ہوا ہے، من وعن بیان کرنا اور لوگوں تک پہنچانا اور اس کے بتائے ہوئے غلط کو غلط اور درست کو درست کہنا اور اس کے ٹھہرائے ہوئے حق کو حق اور باطل کو باطل کہنا البتہ بے انتہا ضروری ہے چاہے کسی کو یہ رواداری نظر آئے یا نہ۔

پیچھے ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ _ کوشش کی حد تک _ انسان کو کوئی گزند پہنچائے بغیر باطل کو انسانی ذہنوں اور انسانی معاشروں میں مغلوب کر دینا اور اس کی جگہ حق کا بول بالا کرنا ازروئے اسلام فرض ہے اور اسلام کے تصور رواداری کے خلاف نہیں۔ کیونکہ باطل کا رہنا حق کے نہ رہنے کی قیمت پر ہوگا اور حق پر ایمان لایا جانا باطل کو چھوڑنے اور مسترد کرنے کی شرط پر۔ لہٰذا انسان کو تو حق قبول کرنے یا نہ کرنے کی پوری آزادی دی جانا ہے مگر باطل کیلئے _ بطور نظریہ اور بطور تصور حیات اور بطور تہذیب اور بطور طرز معاشرت _ زندگی کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ باطل پر رہنے والوں کو غلط اور گمراہ بہر حال مانا جائے گا اور ان کو خدا کے عذاب اور پکڑ سے بھی لازماً ڈرایا جائے گا۔ حق اور باطل دونوں کیلئے ذہنوں اور معاشروں میں رہنے کا حق یکساں طور پر تسلیم کرنا رواداری کی کوئی قسم نہیں اور اگر یہ رواداری کا کوئی تصور ہے تو اسلام کے قطعاً منافی ہے۔

یہ بات تو ہم پیچھے واضح کر آئے ہیں مگر یہاں رواداری کا ایک اور تصور بھی دیکھنے میں آیا ہے اور یہ اس سے بھی عجیب تر ہے جسے ابھی ہم نے اسلام کے تصور رواداری کے منافی قرار دیا ہے ..

آج اسلام سے صرف اتنا ہی تقاضا نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کے غلط کو غلط کہنے میں ذرا نرمی اور رواداری سے کام لے بلکہ اسلام سے یہ بھی تقاضا ہے کہ خود یہ اپنے اندر بھی کچھ ترمیمات کی اجازت دے اور اگر یہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا تو اس کا یہ رویہ رواداری کے خلاف جانا جائے گا!

اسلام سے اب یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کی مجبوریوں کو دیکھ کر، لوگوں کے اھواء وخواہشات و ظنون کے احترام میں اور لوگوں کے انحرافات کیلئے گنجائش پیدا کرتے ہوئے لوگوں کی ہر بات کو خلافِ شریعت قرار نہ دینے لگ جایا کرے! مثلاً بعض لوگ شرک کا کوئی کام کرتے ہیں جس کا اسلام کی رُو سے شرک ہونا چاہے کتنا ہی واضح ہو مگر اب جب لوگوں کی ایک بڑی تعداد _ جو کہ اسلام کی نام لیوا ہے _ کسی وجہ سے یہ کام کرنے ہی لگ گئی ہے اور بڑی دیر سے یہ ہوتا آ رہا ہے (امت پر زوال کا عمل

بھی بڑی دیر سے ہی شروع ہوا ہے!) لہٰذا یہ رواداری کے منافی ہے کہ اسے اب اسلام کے حوالے سے شرک اور ہلاکت گردانا جائے! رائے شماری کے اس دور میں اسلام اگر لوگوں کی اتنی بڑی تعداد کے جذبات واحساسات کا خیال نہیں رکھتا اور انکے کسی شرکیہ فعل کو خلافِ اسلام کہنے پر ہی مصر ہے تو یہ رواداری کے خلاف ہے !!!

فلاں کام کرنے سے آدمی کفر کا مرتکب ہوجاتا ہے، فلاں چیز صریحاً حرام ہے، فلاں رویہ فسق اور فجور ہے، فلاں کام بدعت ہے اور دین میں اضافہ، فلاں نظام شرک کا نظام ہے .. ان باتوں کی تبلیغ سے اب چونکہ معاشرے میں بہت سے لوگوں پر صاف زد آتی ہے، لوگوں کے جذبات شدید مجروح ہوسکتے ہیں، لوگوں کے بڑے ان کی نگاہ میں غلط قرار پاتے ہیں، بعض قومی شخصیات کا تاثر خراب ہوسکتا ہے لہٰذا یہ سب کچھ اگر شریعت کے خلاف بھی ہے تو ان کا شرعی حکم بیان کیا جانا اب موقوف ہونا چاہیے۔ بلکہ ان سب چیزوں کا یہ حکم شریعت میں ہونا ہی نہیں چاہیے۔ بلکہ یہ ہے ہی نہیں شریعت سے یہ سب باتیں یونہی منسوب کردی گئی ہیں اور انتہا پسندوں کی کج فہمی ہے۔ اسلام کب یہ کہتا ہے کہ ایک جدی پشتی مسلمان محض غیر اللہ کو سجدہ کر آنے سے یا محض کسی مردے کو حاجت روائی کیلیئے پکار لینے سے مشرک ہوجاتا ہے یا محض غیر اللہ کا قانون چلا لینے سے مسلمان ماں باپ کا ایک فرزند کفر کا مرتکب ہوجایا کرتا ہے یا یہ کہ اسلام میں سود کوئی اتنا ہی حرام ہے اور یہ کہ سود کو قانون کا باقاعدہ جواز دینا خدا کا ہم سر ہونے کے مترادف ہے وغیرہ وغیرہ اسلام کی ایک بے جا اور انتہا پسندانہ اور قدامت پسندانہ تفسیر ہے۔ اس میں اب ترمیم ہونی چاہیے اسلام کی صرف وہی تعبیر معتبر ہوگی جو قومی زندگی کے موافق ہو !!!

کسی بھی عقیدے اور نظریے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے ثبوت یا عدم ثبوت کی بابت اپنے ہی مراجع پر انحصار کرے۔ اس کو آپ صحیح بھی کہہ سکتے ہیں اور غلط بھی۔ اسے جاری کرنے یا ختم کرنے کا مطالبہ آپ کرسکتے ہیں۔ اس کو قبول یا رد کرنے کا آپ کو اختیار ہے۔ اس سے اتفاق اور اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کہ اس کی تفسیر آپ خود کرنے لگیں اور خود اس کے اپنے اصولوں اور اس کے اپنے مراجع its own standard references کو یہ حق نہ دیں کہ وہ اپنی تفسیر آپ کریں، یہ بلاشبہ ایک

انہونا مطالبہ ہے۔

اسلام کیا ہے اور کیا نہیں ہے، یہ طے کرنا اللہ کی کتاب کا حق ہے یا اس کے رسول کی سنت کا۔ آپ اس کو، جیسا کہ وہ ہے، قبول بھی کر سکتے ہیں اور مسترد بھی، کہ ہر دو صورت اس کے نتائج کا سامنا آپ کو خدا کے ہاں جا کر ہی کرنا ہوگا۔ مگر اسلام سے آپ یہ تقاضا نہیں کر سکتے کہ اسلام کیا ہو اور کیا نہ ہو۔

مگر لوگوں کا اسلام سے آج کیا تقاضا ہے؟

ایک بڑی تعداد اسلام کی نام لیوا ہے۔ یہ امت اب اقوام کی صورت میں پائی جانے لگی ہے۔ لوگوں کی اپنی مجبوریاں ہیں۔ قومی تقاضے ایک طرف ہیں۔ بدعات اور خرافات نسل در نسل بہت سے لوگوں کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت کی متعدد شکلیں لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں رواج پا گئی ہیں۔ شرک کا نظام تقریباً ہر ملک میں قائم ہے۔ اس سب کو اسلام کی سند چاہیے! اب اگر ان سب انحرافات کو اسلام کی سند نہیں ملتی .. ان سب انحرافات کو اگر اسلام ہی کے منافی قرار دے دیا جاتا ہے جسے کہ یہ باقاعدہ طور پر اپنا مذہب مانتے ہیں تو اس سے ایک بڑی سماجی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ اسلام جب سب کا مذہب ہے تو پھر سب کیلئے اپنے اپنے عقائد اور نظریات کے ساتھ اس میں برابر کی گنجائش ہونی چاہیے کسی ایک گروہ کی اور وہ بھی ایک قلیل تعداد کی اجارہ داری اس پر آخر کیوں ہو!!! یہاں قومیت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ سیکولرزم پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ ابھی کل کمیونزم اور سوشلزم پر یقین رکھنے والے اتنے لوگ تھے۔ صحابہ کا نام تک احترام سے لینا گناہ سمجھنے والے بھی کچھ نہ کچھ ہیں۔ قبروں کو پوجنے اور مزاروں کا طواف کرنے والے پائے جاتے ہیں۔ جمہوریت کے معتقد یہاں اتنے ہیں۔ بدیشی تہذیب جو کوئی ڈیڑھ صدی سے لا لا کر اپنے یہاں ڈھیر کی جا رہی ہے ایک بڑی تعداد کے ہاں گھر کر چکی ہے۔ یہ سب جب مسلمان ہیں تو ان سب کے طریقوں اور عقیدوں کیلئے اسلام میں گنجائش نکلنی چاہیے۔ ورنہ یہ رواداری کے خلاف ہوگا۔ یوں بھی کسی کو کیا حق کہ کسی کے عمل یا عقیدہ کو اسلام کے منافی قرار دے!!!

یعنی یہ حق اب "کسی" کا ہو گیا ہے کہ وہ ایک چیز کے اسلام کے موافق یا منافی ہونے کا فیصلہ کرے!!! یہی وجہ ہے کہ حکمران، سیاستدان اور سرکاری افسر تک اب اس پر مشق کرتے ہیں اور ہر کوئی

اسلام پر اظہارِ خیال ظاہر کرتا ہے!

رواداری کے اس تصور کی رو سے اب بہت سے پڑھے لکھوں کے ہاں یہ ضروری ہو گیا ہے کہ کوئی آیت یا حدیث کسی چیز کو واضح ترین لفظوں میں شرک اور گمراہی کہے تو بھی معاشرے کے اندر اس کو شرک اور تباہی کا سبب قرار دینے سے گریز ہی کیا جائے۔ حدیث کے ساتھ معاملہ کرنے میں تو خیر لوگ اب اپنے اپنے حسبِ ذوق مسلک رکھنے لگے ہیں البتہ آیت کے بارے میں کچھ نہ کہا جائے گا۔ آیت کے ساتھ بھی رواداری اور اس شرک یا اس انحراف کے ساتھ بھی رواداری جس پر اس آیت کی صاف زد پڑتی ہو! دونوں کی بابت سکوت اختیار کیا جائے! دنیا بھی بچی اور آخرت بھی! اور سب سے زیادہ قابل مذمت وہ شخص ہے جو کسی آیت کے واضح مفہوم پر اصرار کرنے لگے۔ یہ تو بالکل ہی گردن زدنی ہے!

قرآن حق بیان کرنے والی کتاب ہے اور قیامت تک اس کو ویسا ہی رہنا ہے۔ اصول، عقائد، نظریات، افکار، اقدار، طرز ہائے زندگی، اعمال، اخلاق، رویے .. سب پر قرآن کو بات کرنی ہے۔ کیا حق ہے اور کیا باطل، قرآن کو سب بتانا ہے۔ قرآن مسلمانوں کی کوئی قومی کتاب تو ہے نہیں کہ آپ اس میں مسلمانوں کے ہر طبقے اور ہر گروہ کیلئے گنجائش ڈھونڈیں اور ہر ایک کو برحق ہونے کی اس سے سند دلائیں۔ سب کو اس میں برابر حصہ ملے، اس کی گنجائش آپ پارلیمنٹ میں تلاش کیجئے خدا کی کتاب میں نہیں۔ یہ تو ایک آفاقی کتاب ہے۔ ذکر اور نصیحت ہے۔ فرقان ہے۔ حق کو کھول کھول کر بیان کرنے والی دستاویز ہے۔ بہت سی باتوں کو یہ غلط کہے گی اس پر ایمان ہے تو ان کو غلط ہی کہنا پڑے گا خواہ وہ باتیں یا وہ کام مسلمان کریں یا کافر۔ بہت سے عقائد، نظریات، افکار، نظام اور رویے اس کی رو سے مسترد ہوں گے ان کو ہمیں مسترد ہی کرنا پڑے گا خواہ وہ کافروں کے ہاں پائے جاتے ہوں یا مسلمانوں کے۔ بہت سے عقائد، نظریات، افکار، نظام اور رویے اور طرز عمل اس کی رو سے حق قرار پائیں گے ان کو ہمیں حق ہی ماننا پڑے گا خواہ اس کے داعی آٹے میں نمک کے برابر کیوں نہ ہوں۔ بہت سے کام اس کی رو سے فرض ہوں گے اس پر ایمان ہے تو ہمیں وہ بہر حال کرنا ہوں گے یا کم از کم بھی ان کی فرضیت کو تسلیم کرنا پڑے گا خواہ لوگوں کو وہ کتنے ہی ناگوار گزریں۔ بہت سے کاموں سے یہ ہمیں روکے گی ان سے ہمیں رکنا ہی پڑے گا

خواہ پورا جہان وہ کام کرتا ہو۔ زمانے کو دیکھنے کی بجائے ہمیں زمانے کے مالک کی طرف دیکھنا ہوگا اور اس کی کتاب پڑھنا اور اسی کے رسول ﷺ کی بات سننا ہوگی۔

قرآن کا موضوع اقوام ہیں نہ اشخاص۔ جماعتیں ہیں نہ دھڑے۔ نام ہیں نہ لیبل۔ ملک ہیں نہ نسلیں۔ لہٰذا کسی کیلئے اس دین میں گنجائش پانے یا نہ پانے کا سوال ہی بے معنی ہے۔ اس دین سے تو سوال یہ ہونا چاہیے کہ کس عقیدے اور کس طرز عمل کی اس میں گنجائش ہے اور کس کی نہیں۔ پھر جس پر بھی اس کی زد پڑے۔ پھر جو بھی اس کی رُو سے برحق ثابت ہو۔ اصول، نظریات، افکار، اقدار، اخلاق، اعمال، طرز ہائے زندگی و بندگی .. ان میں سے کس کو خدا کے ہاں سے حق ہونے کی سند ملتی ہے اور کس کو نہیں، اس بات کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر چھوڑ دینا ہے اور اس عمل سے جو بھی نتیجہ برآمد ہو اس کو پوری سعادت مندی سے قبول کرنا ہے۔ قرآن کو معاذ اللہ مسلمانوں کی قومی کتاب ہونا ہوتا تو اس میں عقائد و نظریات اور اعمال و اخلاق کی بابت حق و باطل کا بیان ہی کیوں ہوتا؟ جبکہ اس کا کل موضوع ہی یہ ہے۔ اس اسلام کو، جیسا یہ ہے اور جیسا یہ خدا کے ہاں سے نازل ہوا ہے، من وعن اور بلا کم و کاست ماننا اور منوانا .. اس کے ٹھہرائے ہوئے حق کو کسی بھی معاشرتی رجحان کی پرواہ کئے بغیر حق کہنا اور اس کے ٹھہرائے ہوئے باطل کو صاف باطل کہنا ہرگز کسی رواداری کے منافی نہیں۔

غرض رواداری کی اور بھی کئی فرض کر لی گئی صورتیں ناجائز اور قابل مذمت ہیں مگر رواداری کی سب سے بُری اور قابل مذمت صورت وہ ہوگی جو اپنے دور کے تقاضوں کے حسب حال خود "اسلام" ہی میں ترمیم تجویز کر ڈالے اور لوگوں کی کسی بڑی یا چھوٹی تعداد کی فکری یا عقائدی، یا نظریاتی، یا اخلاقی، یا سماجی حالت کو اپنے حال پر رہنے دینے کیلئے اسلام سے تقاضا کرے کہ وہ اپنے اندر کچھ گنجائش پیدا کرے۔ یعنی لوگ نہیں بدلتے تو تھوڑا سا اسلام بدل جائے! یا کم از کم ویسا لگے جسے لوگ سنبھال سکیں! لوگوں سے اسلام کے تقاضوں کے مطابق بدل جانے کا مطالبہ کر دینا تو ایک غیر سماجی رویہ ہوا البتہ اسلام سے اس حد تک بدل جانے کا تقاضا کرنا جس حد تک لوگوں پر اس کا اعتراض ختم ہو جائے اور لوگوں کیلئے اس میں گنجائش نکل آئے عین رواداری ہو! اسلام اور لوگوں کے مابین سازگاری لے آنے کا یہ نسخہ اگر رواداری کہلاتا ہے تو یہ رواداری کی وہ قسم ہوگی جو خدا کے ہاں مبغوض اور مذموم ہے۔ پہلی امتوں کی لٹیا کسی

بات نے ڈبوئی تو وہ عین یہی بات ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ 42) – البقرة

(اے بنی اسرائیل) حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپاؤ۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ 169)) وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ 170)

الأعراف

پھر اگلی نسلوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جو کتاب الٰہی کے وارث ہو کر اسی دنیائے دنا کے فائدے سمیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (خیر ہے) ہمیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہی متاع دنیا پھر سامنے آتی ہے تو پھر لپک کر اسے لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کا عہد نہیں لیا جا چکا ہے کہ اللہ کی طرف بجز حق کے کسی اور بات کی نسبت نہ کریں؟ جبکہ یہ خود پڑھ چکے ہیں جو جو کتاب میں لکھا ہے۔ آخرت والا گھر تو خدا ترس لوگوں کیلئے ہی بہتر ہے۔ کیا تم یہ بات نہیں سمجھتے؟ ہاں جو لوگ کتاب سے چمٹے رہے اور جنھوں نے نماز قائم کئے رکھی، یقیناً ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے

رواداری ہی کا تقاضا ہے کہ اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ اور اپنے تمام تر تقاضوں سمیت لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے پھر لوگ اسے مانیں یا نہ مانیں، ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا جائے۔ رہا یہ کہ اسلام کی رو سے کوئی چیز باطل یا شرک ہے تو لوگوں کے خیال سے اس کو شرک یا باطل نہ کہا جائے .. کوئی چیز نواقضِ اسلام (جن امور سے آدمی اسلام سے خارج ہو جاتا ہے) میں شمار ہوتی ہے مثلاً غیر اللہ کو سجدہ یا غیر اللہ سے دُعا، یا غیر اللہ کے نظام کو قانون کا تقدس دینا وغیرہ، تو اس کو نواقض اسلام کی فہرست سے خارج کر دیا جائے تا کہ لوگ اس بات سے آزردہ نہ ہوں .. کوئی چیز مانند سود و فحاشی و بے حیائی کی ثقافت اگر اسلام میں واضح ترین انداز میں حرام ہے تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو اس میں پڑی دیکھ کر یا اس کا سرکاری سطح پر انتظام ہوتا دیکھ کر اس کو حرام قرار نہ دیا جائے یا چلیں اس کی حرمت کی شدت ہی کچھ کم کر دی جائے.. تو اس کا نام رواداری ہے یا کچھ اور، ہم اس کے مجاز نہیں۔ بلکہ یہ خدا کے حق میں ہمارا ایک بڑا جرم ہوگا، اگر ہم اس کا ارتکاب کرتے ہیں۔ خدا کے دین میں یہ ہماری جانب سے ایک ایسا تجاوز

ہوگا جس پر ہمیں بتادیا گیا ہے کہ ہمیں ایک بڑے عذاب کے دن سے ڈر جانا چاہیے:

وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَـذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاء نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ 15) قُل لَّوْ شَاء اللّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلاَ أَدْرَاكُم بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ 16) فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ 17)...... یونس	جب انہیں ہماری صاف صاف آیتیں سنائی جاتی ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے، کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کچھ اور قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے ان سے کہو: میرا یہ کام نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کرلوں۔ میں تو بس اس وحی کا پابند ہوں جو میری جانب بھیجی جاتی ہے۔ میں تو، اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں، تو مجھے ایک ہولناک دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ کہو: اگر خدا چاہتا تو میں تمہیں یہ قرآن سناتا ہی نہ اور خدا تمہیں اس کی خبر تک نہ کرتا۔ آخر اس سے پہلے میں تمہارے درمیان گزار ہی تو چکا ہوں۔ پھر کیا تم سمجھتے نہیں؟ آخر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا قرار دے۔ یقیناً ایسے مجرموں کی اصلاً فلاح نہ ہوگی

تاآنکہ ہماری بات کو غلط مفہوم نہ پہنایا جائے...... ان دو باتوں میں ہمارے نزدیک فرق ضروری ہے: امت کے اندر اگر کچھ لوگ انحراف کا شکار ہیں تو ان لوگوں کو برداشت کرنا اس اصلاحی عمل کا عین تقاضا ہے جس کی ہم یہاں تجویز دینے جارہے ہیں۔ ناقابل برداشت ہمارے لئے لوگوں کا وجود نہیں جو کسی انحراف پر پائے جائیں گو اپنے ان بھائیوں کو تعلیم دینا اور ان کی اصلاح کرنا امت کے سمجھداروں کی سب سے بڑی ترجیح ہونی چاہیے۔ ناقابل برداشت کوئی چیز ہے تو وہ ہے انحراف بذات خود نہ کہ اس انحراف کا شکار ہونے والے لوگ۔ جس چیز کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں وہ ہے انحراف، ابتداع، شرک، کافرانہ نظاموں اور تہذیبوں کی اتباع اور اُمت میں ان مہلکات و موبقات کی درآمد۔ اس پر خاموش رہنا اگر رواداری ہے اور رواداری کا یہ مذہب اگر اختیار کرلیا جاتا ہے تو اس آخری رسالت کا کیا امتیاز پھر آپ نے باقی رہنے دیا ہے؟

یہ آخری رسالت ہے۔ زمین پر آسمان کی آخری امانت ہے۔ یہ محض ورقوں میں ہی نہیں موحدین کے سینوں میں بھی محفوظ کی گئی ہے۔ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت:

49)[۱] یہ محض کتابوں کے اندر نہیں ذہنوں اور رویوں میں رہنے اور معاشروں میں بسنے کیلئے اتاری گئی ہے۔اس میں ردوبدل نہ اوراق کی دنیا میں روا ہے نہ قلوب کی دنیا میں اور نہ عمل کی دنیا میں۔اس میں اگر کچھ ردوبدل ہوتا ہے تو پھر اہل زمین کے پاس کیا باقی رہ جاتا ہے؟ دُنیا کی بقا کی تب کیا ضمانت رہ جاتی ہے؟اس رسالت اوراس پر قائم رہنے والوں کے بعد کسی چیز کا آنا باقی ہے تو وہ قیامت ہے۔اس بات کی جلدی کرنے کا کیا کوئی بھی دانشمند متحمل ہے!؟؟

****

مداہنت رواداری کی کوئی قسم نہیں......

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (القلم: ۹)

یہ تو چاہتے ہیں کچھ مداہنت تم کرو تو یہ بھی مداہنت کریں۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قوله: ودوالوتدهن فيدهنون يقول :لَو تُرَخِّصُ لهم فيرَخِّصونَ

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا : یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ بھی مداہنت کریں اس سے مراد ہے : تم ان کیلئے معاملہ کچھ ڈھیلا کردو تو پھر یہ بھی تمہارے لئے ڈھیل پیدا کرلیں۔(تفسیر ابن کثیر) [۲]

وقال آخرون :بل معنى ذلك لو ترخص لهم فيرخصون او تلين دينك فيلينون دينهم

کچھ اور مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے : کچھ تم انکے لئے ڈھیل نکالو تو پھر یہ تمہارے لئے ڈھیل پیدا کریں۔یا یہ کہ تم اپنے دین میں کچھ نرمی لے آؤ تو یہ بھی اپنے دین میں کچھ نرمی لے آئیں۔(تفسیر طبری)[۳]

(قال) ابن العربی :ذكر المفسرون فيها نحو عشره اقوال كلها دعاوى على اللغه والمعنى. امثلها قولهم :ودوالو تكذب فيكذبون. ودوالو تكفر فيكفرون

ابن عربی کہتے ہیں : مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں قریب قریب دس اقوال بیان کئے ہیں اوران سب کا سہارا لغت اور معانی پر ہے۔ان میں سب سے بہتر قول ان مفسرین کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد ہے : یہ چاہتے ہیں کہ آپ غلط بیانی سے کام لیں تو پھر یہ بھی غلط بیانی کرنے لگیں۔آپ کفر کی راہ اختیار

---

(۱) (العنکبوت 49 :)" بلکہ یہ تو روشن آیتیں ہیں جو کہ سینوں میں ہیں ان لوگوں کے جن کو علم بخشا گیا"

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر بسلسلہ سورہ القلم آیت ۹ (۳) تفسیر الطبری سورہ القلم آیت ۹

قلت: کلها ان شاء الله صحيحه على مقتضى اللغه والمعنى، فان الادهان: اللين والمصانعه، وقيل: مجامله العدو ممايلته، وقيل: مقاربه فى الكلام والتليين فى القول

کر لیں تو یہ بھی کفر کی راہ اختیار کریں۔ مگر میں (امام قرطبی) کہتا ہوں کہ بہ تقاضائے لغت و معانی یہ سب کے سب اقوال ہی انشاء اللہ صحیح ہیں۔ کیونکہ ادھان (مداہنت) کا مطلب ہے ڈھیل پیدا کر لینا اور سازگاری چاہنا۔ ایک قول کے مطابق اس سے مراد ہے: مخالف کے ساتھ لحاظ ملاحظہ کا رویہ اختیار کرنا اور میلان باہمی چاہنا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد ہے: کلام میں ایک دوسرے سے قربت پیدا کرنا اور بات میں ملائمت لے آنا۔ (تفسیر قرطبی)(۱)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں سورۂ قلم کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مداہنت سے خبردار کیا جاتا ہے اور ممانعت بھی کر دی جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ حق کی دعوت اور شرک و باطل کے خاتمہ کے اس مشن میں لوگوں کو قریب لے آنے کی غرض سے وقتی طور پر بھی مسئلۂ باعث نزاع کو نرم نہ کر دیں اور حق کو حق اور باطل کو باطل کے طور پر منوانے کے معاملے میں کوئی لاگ لپیٹ اور مفاہمت خواہانہ انداز compromising attitude اختیار نہ کریں۔

اندازہ کر لیجئے مداہنت اختیار کرنے سے یہ ممانعت ان لوگوں (صحابہ) کو ہو رہی ہے جو بہر حال انسانوں کو باطل سے برگشتہ کر کے خدا کی راہ پر لے آنے کے مشن پر ہیں اور دُنیا میں جن کا نصب العین جاہلیت کا خاتمہ ہے۔ ان لوگوں کو بھی "مداہنت" کی اجازت نہیں۔ پھر ان حضرات کے بارے میں کیا خیال ہے جو لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑنا چاہتے ہیں اور اس پر اسلام سے "نرمی" اختیار کر لینے کے متقاضی ہیں!

بنا بریں یہ بات کہ دین کے حوالے سے بیان کیا جانے والا فلاں مسئلہ سخت ہے اور اس کو نرم کر دیا جانا چاہیے، اصولاً نہ تو صحیح ہے اور نہ کسی توجہ کی مستحق۔ ہمارے پاس خدا کی طرف سے ہدایت نہ آ چکی ہوتی تو پھر ضرور ہم اپنی اپنی جگہ اندازے لگاتے اور اپنا اپنا اظہار رائے کرتے کہ کونسی بات کتنی سخت ہونی چاہیے اور کونسی بات کتنی نرم۔ ہمارے پاس جو ہدایت آئی ہے وہ اس مسئلہ ہی کا تو حل ہے کہ ہم ایک واضح

---

(۱) تفسیر القرطبی بسلسلہ سورہ القلم: ۹

بنیاد پر ہوں اور اندازوں اور ٹامک ٹوئیوں اور اپنے اپنے ذوق اور مزاج کی بنیاد پر کسی کو صحیح اور کسی کو غلط کہنے کی کوفت سے بچ رہیں۔ ہم وحی کی تلاوت اور احادیث کی روایت کرنے والوں کے سامنے کوئی سوال اٹھنا چاہیے تو وہ صرف یہ کہ کونسی بات دین میں آئی ہے اور کونسی نہیں آئی۔ دین سے جو بات مستند طور پر ثابت ہے بس وہ حق ہے، قطع نظر اس سے کہ کسی کو وہ نرم لگتی ہے یا سخت۔ اور جو بات دین سے ثابت نہیں وہ باطل ہے قطع نظر اس سے کہ وہ سخت ہے یا نرم۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ کوئی بات دین میں آئی ہے یا نہیں نہ کہ یہ دیکھنا کہ دین کی کسی بات سے کونسا طبقہ نالاں ہوسکتا ہے اور کونسا خوش۔

لوگوں کی یا لوگوں کے کسی طبقے کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا رواداری کی کوئی قسم نہیں جبکہ اللہ اور اس کے رسول نے کسی بات کا فیصلہ کر دیا ہو۔ ہاں جس بات میں دین نے اجازت اور اختیار دے دیا ہو اس میں ضرور لوگوں کی پسند اور راحت اور رجحان کا خیال رکھنا چاہیے بلکہ وہاں پر اپنی منوانا اور بس اسی کو دین کہنا "کلیسا کا دین" ہوسکتا ہے۔ حنیفیت سمحہ نہیں۔

إِنِّی لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُودِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلَكِنِّي بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّمْحَةِ [1]	مجھے نہ تو یہود کے انداز دینداری کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور نہ نصرانی مذہبیت کے ساتھ۔ مجھے اس موحدانہ طرز بندگی کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس میں ایک وسعت اور آسائش ہے۔

جہاں دین لوگوں کیلئے گنجائش پیدا کرے اور جہاں شریعت خاموشی اختیار کرے وہاں لوگوں کیلئے بھرپور گنجائش اور آسانی پیدا کرنا اور وہاں انتہاپسندوں کو سختی وشدت اور غلو سے روکنا اور وہاں لوگوں کو مشکل میں پڑنے سے بچانا اسلامی عقیدے اور اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب کی ایک اہم ترین خصوصیت ہے، جیسا کہ پچھلی فصل میں گزرا، بے شک ہمارے وہ حضرات جو "فروع" میں افراط کرتے ہیں اور جو کہ "مسائل" کو "اصولِ دین" اور "اصولِ دین" کو "مسائل" میں بدل کر رکھ دینے کا منہج رکھتے ہیں کتنا ہی ہماری اس بات کو ناپسند کریں۔

****

ابہام سے بچنے کیلئے، اور تا آنکہ ہماری بات کا غلط مطلب نہ لیا جائے، ایک چیز کی وضاحت نہایت اختصار کے ساتھ ہم یہیں کر دینا چاہیں گے۔ اگر چہ اس کا زیادہ مفصل ذکر ہم کسی اور

(۱) حدیث کا حوالہ پچھلی فصل میں گزر چکا۔

مقام پر کریں گے۔

پیچھے ابھی ہم یہ بات کر آئے ہیں کہ لوگوں کے منہ ملاحظے کے خیال سے شرک کو شرک نہ کہنا اور کفر کو کفر کہنے سے اجتناب کرنا اور بدعت کو بدعت اور باطل کو باطل کہنے میں معاشرے سے دبنا اور کسی سماجی اثر کے تحت غلط کو غلط بولنے سے جھجک محسوس کرنا .. رواداری کا باطل اور غیر اسلامی تصور ہے اور اس پر کچھ دلائل بھی ہم وہیں ذکر کر آئے ہیں۔

البتہ ہماری اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ تعلیم اور تنبیہ میں قولِ لین اختیار کرنا ہی غلط ہے اور نہ یہ کہ اس کو بھی ہم رواداری کے اسلامی تصور کے منافی قرار دے رہے ہیں..

ہرگز ضروری نہیں کہ دعوت اور تعلیم میں بات شروع ہی اس سے کی جائے کہ فلاں بات کفر ہے اور فلاں چیز شرک ہے اور فلاں کام کرنے والا سیدھا جہنم میں جائے گا۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے میں صاف گوئی اور وضاحت بیانی سے کام لینے کا یہ نہ مطلب ہے اور نہ تقاضا۔ یہ بات کہنے سے ہمارا ابھی ہرگز یہ مقصد نہیں۔

لوگوں پر دھڑا دھڑ کفر اور شرک کے فتوے لگانا خصوصاً جبکہ وہ کلمہ گو اور اہل قبلہ ہوں بغیر یہ دیکھے کہ ان پر حجت کہاں تک قائم ہو پائی ہے اور کہاں تک نہیں، جس کا کہ فیصلہ کسی متعین شخص کے بارے میں اہل علم ہی کر سکتے ہیں، اور پھر خاص طور پر لوگوں پر حکم لگانے کا کام اہل علم کی بجائے عوام الناس کے ہاتھ میں دے دینا .. غلط ہے اور بلا شبہ باطل ہے۔ بیانِ حق کو واجب کہنے سے ہرگز ہرگز ہماری یہ مراد نہیں۔ دین توحید کی قطعاً یہ درست ترجمانی نہیں خواہ غلو کے راستے پر چلنے والے اس کو واجب کیوں نہ کہتے ہوں۔

اس معاملے میں، بلکہ اصول دین کے ہر معاملے میں، ہم "اصول اہلسنت"[1] کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں اور اصول اہلسنت میں ہمیں کسی پر قیام حجت سے پہلے حکم لگا دینے کی ہرگز کوئی گنجائش

---

(۱) اصول سنت "یا" اصول اہلسنت" کے موضوع پر ملاحظہ فرمائیے اردو میں دستیاب "عقیدہ طحاویہ "از امام ابو جعفر طحاوی حنفی اور اس کی شہرۂ آفاق شرح از امام ابن ابی العز حنفی، علاوہ ازیں مختصر رسالہ "مجمل اصول عقیدہ اھل السنة والجماعة "از شیخ ناصر العقل، علاوہ ازیں ہماری ترجمہ کردہ ایک کتاب "اہلسنت فکر و تحریک "جو کہ بنیادی طور پر امام ابن تیمیہ کے فتاوی پر مبنی ہے۔

نہیں ملتی۔ پھر ایسے لوگوں کو یہ حق دینے کی تو سرے سے کوئی گنجائش ملتی ہی نہیں کہ جو علم دین میں ابھی مبتدی بھی نہ ہوں وہ لوگوں کو مشرک کہنے یا نہ کہنے کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

حتی کہ معاملہ کسی پر شرک یا کفر کا حکم لگانے کا ہی نہیں کسی شخص کو متعین کرکے اس کو گناہگار یا فاسق یا بدعتی یا گمراہ قرار دینے کا بھی یہی معاملہ ہے۔ لازم ہے کہ جس پر حکم لگایا جائے اس پر پہلے حجت قائم ہو چکی ہونی چاہیے اور جو فتوی لگائے، اس کا شمار امت کے معتبر اہل علم میں ہوتا ہو۔

البتہ یہ کہنا کہ فلاں کام شرک ہے، فلاں قول یا فلاں فعل یا فلاں رویہ کفر ہے، فلاں چیز گناہ ہے یا فسق ہے، یا فلاں بات بدعت ہے _ جبکہ اس پر دین سے دلیل ملتی ہو اور اُمت کے معتبر اہل علم سے اس کی تائید ہوتی ہو _ بالکل ایک درست بات ہے بلکہ واجب ہے۔ اس کو پھیلانا، اس کی تعلیم دینا اور حسب استطاعت و بطریقِ احسن اس کو لوگوں تک پہنچانا ہر شخص پر فرض ہے اور جب ایک بات دین کے مصادر سے اور صحابہ و سلف کے فہم کی رو سے ثابت ہو چکی ہے تو پھر اس کا مُبلّغ بن جانا حسب توفیق ہر شخص کا فرض ہے خواہ وہ عالم ہے یا عامی۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کہنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یہی نہیں بلکہ کسی چیز کا شرک اور کفر ہونا یا بدعت یا حرام ہونا جب دین کے مصادر سے ثابت ہو گیا ہو اور اُمت کے معتبر اہل علم سے اس کی تائید ہو گئی ہو تو پھر اس کا صرف پہنچانا ہی ہر شخص پر فرض نہیں ہو جاتا بلکہ لوگوں کو اس سے روکنا، خبردار کرنا، بار بار تنبیہ کرنا، اپنی اس سے ناگواری کا اظہار کرنا بلکہ اگر فائدہ ہوتا ہو تو اس پر خفگی کا برملا اظہار کرنا اور اس پر جہنم کے عذاب اور خدا کی پکڑ سے ڈرانا _ جہاں تک کسی کا دائرۂ اثر ہو اور جہاں تک کسی کا بس چلتا ہو _ ہر شخص پر حق ہے۔ اس میں عالم اور عامی کا کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ عالم کا فرض بڑا ہے اور عامی کا فرض اس کی نسبت چھوٹا۔

ایک عامی کا انفرادی فرض ضرور اپنے دائرۂ اثر تک محدود رہے گا مگر اس کا ایک عمومی فرض یہ بھی رہے گا کہ وہ ایک پوری تن دہی کے ساتھ اپنی آواز مجموعی معنی میں معاشرے کے اندر اس آواز میں شامل کرے جو یہاں شرک اور ابتداع کے خلاف اور حق کے قیام کے لئے اٹھائی جا رہی ہو۔

رہا یہ کہ تعلیم اور دعوت کے اس عمل میں اور لوگوں کو خدا کا حق بتانے میں مناسب ترین اور خوبصورت ترین اور مؤثر ترین انداز اختیار کیا جائے اور بات کو آغاز سے لے کر انجام تک خوشگوار ترین رکھنے کی ازحد کوشش

ہو اور مخاطب کو بات سمجھنے کیلئے پورا وقت دیا جائے اور اس کی اہلیت کو سامنے رکھ کر اس کے ساتھ بات میں مناسب تدریج اختیار کی جائے .. ترغیب اور ترہیب، انداز اور تبشیر کے معاملے میں ہر آدمی کے مناسب حال حکمت عملی اختیار کی جائے .. کب کسی کو دعوت نہ دے سکتا ہو تو آدمی خاموش رہے اور کب کسی کو بات پہنچانا آدمی پر واجب ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ .. تو ان سب موضوعات کا اپنا اپنا مقام ہے اور اجمالاً ان سب رویوں اور صورتوں کی ہی اپنے اپنے موقعہ پر گنجائش ہے اور ضرورت بھی۔ بلکہ دعوت کے احکام، آداب اور شروط جنہیں "فقہِ دعوت" کے ذیل میں اہل علم کے ہاں بیان کیا جاتا ہے ان کا حسب استطاعت علم لینا ہر اس شخص پر لازم ہے جو دعوت اور تعلیم کے اس عمل کا حصہ بننا چاہتا ہو کیونکہ "فقہِ دعوت" سے ناواقف رہ کر عین ممکن ہے آدمی دعوت کے فائدے سے زیادہ دعوت کا نقصان کر رہا ہو باوجود اس کے کہ اپنے تئیں وہ محنت بھی بہت کر رہا ہو۔

اس بات کی بھی پوری گنجائش ہے کہ آدمی جہاں حق بتانے کی استطاعت یا اہلیت نہ رکھتا ہو اور جہاں جس وقت باطل کا بطلان بیان کرنے کی اس کو حالات اجازت نہ دیتے ہوں .. یعنی کسی معاملے میں شریعت کا حکم بتانے سے خاموش رہنا بات کرنے کی نسبت راجح اور مناسب تر ہو وہاں، اور صرف اسی حد تک، سکوت اختیار کر لینا اور دنیاوی معاملات میں وہاں بھی لوگوں سے اچھا برتاؤ رکھنا اس دین کا اپنا ہی تقاضا ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ یہ سب موضوعات ابھی تشنۂ وضاحت ہیں مگر ہم معذرت خواہ ہیں ان پر تفصیل کے ساتھ کسی اور سلسلۂ مضامین میں ہی بات کی جا سکے گی۔

سر دست ہمیں جو کہنا ہے وہ صرف یہ کہ بیانِ حق اور ازالۂ باطل کو جب ہم واجب کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ کام ہر شخص پر ہر جگہ ہر حال میں فرض ہے۔ بلاشبہ بہت سے انسان ایسے ہو سکتے ہیں جن پر کسی خاص حلقے میں ہی دعوت اور تعلیم کا یہ فرض لاگو ہوتا ہو اور اس خاص حلقے کے باہر ان پر دعوت کا خصوصی فرض عائد نہ ہوتا ہو بلکہ لوگوں کے ساتھ عام معمول کی زندگی گزارنا اور معمول کے عام سماجی اور انسانی تعلقات رکھنا ہی وہاں ان سے مطلوب ہو۔ پھر بہت سے مواقع ایسے ہو سکتے ہیں جہاں ایک ایسے انسان کیلئے بھی، جو بیان حق کی ویسے تو استطاعت بھی رکھتا ہو اور اہلیت بھی، سکوت

اختیار کرنا بات کرنے کی نسبت عملاً اولی وارجح ہو اور بات کرنے کیلئے اس کو کسی اور موقعہ کی تلاش کرنی ہو پھر حتی کہ جہاں بات کی جانا اور دعوت دی جانا ضروری ہو وہاں بھی بہترین اور دلنشین سے دلنشین انداز اپنانا، مؤثرترین حکمت عملی اختیار کرنا اور حق کی جس بات کو پہلے کہا جانا ہو اس کو پہلے کہنا اور جسے موخر کہا جانا ہو اس کو موخر رکھنا اور ہر ذہن کے حسب حال بات کرنا.. یہ بھی ہمارے دین کا تقاضا ہے۔

چنانچہ موضوع بحث یہ نہیں کہ ہر آدمی ہر وقت لوگوں سے حق وباطل کے مسئلے پر الجھے۔ یہ نہ ہم نے کہا ہے اور نہ یہ دین کا تقاضا ہے۔ کلام اس بات پر ہے کہ حق اور باطل کا فرق جو کہ خدا نے ٹھہرا دیا ہے اس کو ملیا میٹ کر دینے کی کیونکر کسی کو اجازت ہو۔ توحید اور شرک کے مابین فرق کو حاشیائی کر دینے کی کیونکر کوئی گنجائش ہو۔ رہا یہ کہ دعوت کا فرض کس پر ہے اور کس پر نہیں اور کس وقت ہے اور کس وقت نہیں بالکل ایک الگ بات ہے اور ایک علیحدہ موضوع۔

البتہ یہ کہ حق کو ڈھیل کی جانب مائل کیا جائے، باطل کی کسی بات کے ذرا کم سنگین ہونے کا تاثر دیا جائے .. لوگوں کے عرف واصطلاح کے لحاظ میں دین کی کسی سخت بات کو نرم ہونے کیلئے کہا جائے .. یہ انداز فکر کہ لوگوں کی معاشرتی ضرورت کے تحت شرک کو اب شرک کہا جانا موقوف ہو یا یہ کہ شرک ہوتا ہو تو بھی اس کو اختلافی مسئلہ کے روپ میں لیا جائے نہ کہ ایمان کیلئے خطرہ .. یا یہ تاثر قائم کرنا کہ آج کے اس دور میں ان باتوں کو لے بیٹھنا کہ کس بات سے ایمان چلا جاتا ہے اور کس بات کو (جانتے بوجھتے ہوئے) کر لینے سے آدمی کفر کا مرتکب ہو سکتا ہے، سب پرانی باتیں ہیں آج کے دور میں ان باتوں کی گنجائش کہاں! کوئی شرک کرتا ہے تو اس بات کا کفر اسلام سے کیا تعلق!؟ یا ترک توحید کو کفر قرار دے کر اور اسلام سے انحراف بتا کر کسی طبقے کے جذبات مجروح کرنے کو رواداری کے خلاف جاننا .. تو یہ ضرور وہ جرم ہے جس سے ہر شخص کو خبردار رہنا ہے۔ نہ اس کا حق کسی عالم کو ہے اور نہ عامی کو۔ نہ کسی دانشور کو اور نہ ان پڑھ کو۔ اسلام سے رواداری کا ایسا تقاضا کرنا ظلم کی بدترین صورت ہے۔ اس کو جرم کہہ کر ہم اگر کوئی جسارت کر رہے ہیں تو اس پر اپنے ہر اس معزز قاری سے معذرت خواہ ہیں جس کے ہماری اس بات سے جذبات مجروح ہوئے ہوں۔ یہ حق کا تقاضا نہ ہوتا تو ہرگز ہم یہ بات نہ کہتے۔ حق کی حرمت بہرحال ہر چیز سے بڑی ہے۔ یہ معذرت ہم نے اپنے

لئے چاہی ہے نہ کہ "حق" کیلئے۔

شرک اور توحید کے مسئلے کی اہمیت کم کرنا اور اس کو ثانوی حیثیت دینا ایک ناقابل تصور زیادتی ہے اور اسلام کی حقیقت کے معاشرے میں وجود پانے کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ۔ اس آخری بات کی کچھ وضاحت ہم ذرا آگے چل کر کریں گے۔

****

یہاں ایک چھوٹی سی وضاحت اور بھی۔ ''دعوت'' کو ''سب سے بڑا فرض'' کے طور پر لینے والے احباب خصوصی توجہ فرمائیں......

ہمارے وہ احباب جو ''تعبیر کی غلطی'' کے حوالے سے ''دین'' کی ایک خاص تفسیر کرتے ہیں یعنی ''خدا کے ساتھ ایک قلبی تعلق جوڑنا اور باقی ہر چیز کو اُسی کی نسبت سے لے کر آنا''......جس کے باعث وہ خدا کی بابت خوبصورت پیرائے کہنے اور سوچنے کو ہی انبیاء کے مشن کا نقطۂ اساس باور کراتے ہیں......ہمارے یہ حضرات اسلام کیلئے عمل میں لائے جانے والے موجود الوقت کثیر طریقوں کو رد کرتے ہوئے ''دعوت'' کی فرضیت پر ہی قریب قریب سارا زور دے دیتے ہیں۔ گو ہمارا ان پر اصل ملاحظہ ان کی ''تعبیرِ دین'' پر ہی ہے یوں بھی ''دین'' کی تفسیر میں رہ جانے والا نقص ''دعوت'' کے اندر آپ سے آپ بولے گا، اور اس حوالے سے ہماری اس کتاب کی پہلی فصل دیکھ لی جانا مفید ہوسکتا ہے، پھر بھی دعوت کو سب سے بڑے فریضے کے طور پر پیش کرنے کے حوالے سے ایک غلطیِ مضمون کی وضاحت کردی جانا ضروری معلوم ہوتا ہے:

دعوت یعنی لوگوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا یقیناً اسلام کا ایک بڑا فرض ہے اور دعوت کے فرض کی اہمیت کم کرانا ہرگز ہمارا مقصود نہیں۔ مگر جیسا کہ ہم نے پیچھے کہا بہت سے لوگوں کو بہت سی صورتوں میں یا بہت سے مواقع پر یا بہت سے حالات میں اس فرض سے شرعاً چھوٹ مل سکتی ہے اور اس صورت میں ان پر خدا کی طرف سے کوئی عتاب نہ ہوگا۔

یعنی "دعوت" اپنی تمام تر اہمیت کے باوجود اسلام کا "اصل فرض" نہیں۔

البتہ وہ بات جس سے کسی کو کسی صورت میں کسی موقعہ پر اور کسی قسم کے حالات میں کبھی کوئی

چھوٹ نہیں ملتی وہ ہے ذہن وشعور کی دُنیا میں حق کا احقاق کیا جانا اور باطل کا ابطال۔ وہ ہے عبادتِ غیر اللہ سے بغض اور مخاصمت اور عداوت۔ وہ ہے فکر واحساس کی دنیا میں اللہ کی حدوں کو بدستور ان کی جگہ پر ہی رکھنا۔ شرک کو شرک جاننا اور ہلاکت وتباہی وذلت کا سبب بھی۔ غیر اللہ کی بندگی کو کفر جاننا۔ عبادت اور پرستش پر ایک اللہ وحدہ لاشریک کا حق ماننا اور اس کو اپنے اور دوسروں کے مابین اصل باعثِ نزاع جاننا۔ غیر اللہ کی عبادت اور تعظیم اور پرستش کی سب شکلوں کو صریح باطل اور خدا کے عذاب کا مستوجب جاننا۔ رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کو حق اور اس سے متصادم ہر بات، ہر رسم، ہر عرف، ہر قانون، ہر آئین، ہر ضابطے اور ہر طریقے کو صریح باطل اور اس سے براءت اور عداوت اور مخاصمت کو فرض کے طور پر لینا...... قطع نظر اس سے کہ اس سے عداوت اور مخاصمت کرنے میں کسی فرد یا تحریک کا طریقۂ کار کیا ہوگا۔ مختصر یہ کہ حق کا احقاق ہو اور باطل کا بطلان۔

اس فرض سے کسی کو کسی حالت میں کوئی چھوٹ نہیں۔ یہ فرض دعوت اور تبلیغ سے بھی بڑا ہے اور دین کے ہر اور اجتماعی فرض سے بھی۔ نہ صرف بڑا ہے بلکہ ان سب فرائض پر ترتیب اور اہمیت اور اولویت میں بھی مقدم ہے۔

"دعوت" کا فرض بڑی حد تک استطاعت اور اہلیت سے مشروط ہے اور اس کی بہرحال حدود اور قیود ہیں جن سے باہر ایک آدمی پر دعوت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ "دعوت" زیادہ سے زیادہ ایک فرضِ کفایہ ہے مگر وہ چیز جو ہر شخص پر ہر حال میں فرض ہے اور سوائے ایک مرفوع القلم کے کوئی شخص اس سے مستثنیٰ نہیں وہ یہی ہے کہ غیر اللہ کی بندگی کو باطل کہے۔ اس سے بیر رکھے۔ اس کو جہنم کا مستوجب سمجھے۔ باطل معبودوں کا کفر اور انکار کرے۔ ان کی پرستش اور ان کی خدائی کو حد درجہ مذموم جانے۔ بندگی کرانے کا حق رکھنے میں خدا کو تنہا اور یکتا جانے۔ تعظیم اور کبریائی اور گرویدگی، سجود اور رکوع، خوف اور خشیت، محبت اور انابت، دُعا اور التجاء، اطاعت اور انقیاد .. سب پر ایک اللہ وحدہ لاشریک کا حق جانے اور اس کا یہ حق دینے پر دل وجان سے آمادہ ہو۔

یہ فرض پورے کا پورا مطلوب ہے، اس کے حصے نہیں ہو سکتے۔

رہا یہ کہ آدمی بس یہ تو کرے کہ خدا کا خوف دل میں بٹھائے، بس خدا کی محبت کا دم بھرے،

خدا سے مناجات کرے، خدا کی تعظیم، اطاعت، انقیاد، رکوع، سجود، دُعا اور التجاء سب کچھ ہو _ جس پر کہ کوئی بھی معترض نہیں ہوگا _ تو بلاشبہ یہ اسلام ہے مگر یہ نامکمل اسلام ہے۔ اس پر آپ خود عمل پیرا ہیں اور ساتھ اوروں کو اس کی "دعوت" دینے لگتے ہیں تو بلاشبہ یہ اسلام کی دعوت ہے مگر یہ نامکمل اسلام کی دعوت ہے۔ اسلام کا یہ تصور آپ کو بہت بھلا لگتا ہے اور لوگوں کو بھی اسلام کی یہ دعوت بہت پسند آتی ہے تو یہ آپ کا اور لوگوں کا مسئلہ ہے مگر وہ اسلام جو خدا کے ہاں سے نازل ہوا ہے اس کا ایک بہت اہم حصہ آپ کے اسلام کے اس تصور سے اور اسلام کی اس دعوت سے یقیناً حذف ہو گیا ہے۔

اسلام کی بابت خود اپنا " تصور " درست اور مکمل رکھنا دوسروں کو دعوت' دینے کی نسبت کہیں ضروری ہے۔ دعوت کا مرتبہ بہر حال اس کے بعد آتا ہے۔

تعظیم، اطاعت، انقیاد، رکوع، سجود، دُعا اور التجاء بلاشبہہ خدا کا حق ہے، خدا کے اس حق کا اثبات ضروری ہے اور پھر اس کی جانب دعوت بھی ضروری ہے مگر اس سے پہلے جو بات ضروری ہے وہ یہ کہ تعظیم، اطاعت، انقیاد، رکوع وسجود اور دُعا والتجا پر غیر اللہ کے حق کا انکار کیا جائے اور اگر یہ عمل کہیں غیر اللہ کیلئے ہوتا ہے تو اس کو باطل کہا جائے اور اس سے بیر رکھا جائے۔ نفی پہلے ہے اور اثبات بعد میں۔ **"عبادت" پر "غیر اللہ کے حق کا انکار" پہلے ہے اور "اللہ وحدہ لاشریک کے حق کا اقرار" بعد میں**۔ آپ کیلئے اس کی "دعوت" دینا مشکل ہے نہ دیجئے مگر دین کی یہ "ترتیب بلحاظِ اہمیت و اولویت" مت بدلئے۔ دین کا یہ "تصور" غلط نہ ہونے دیجئے۔ ہر بات کو اس کی جگہ پر رکھیے۔ باطل کا بطلان اور حق کا احقاق، کسی چیز کو حذف نہ کیجئے۔ اس پر آپ لوگوں کے ردعمل کے متحمل نہیں، آپ لوگوں سے اس کو ماننے پر اصرار مت کیجئے۔ مگر خود اسی پر ایمان رکھیے اور اسی پر خدا سے ملنے کی خواہش رکھیے۔ تب زیادہ سے زیادہ آپ کا کوئی قصور ہوگا تو اس کو "دعوت" میں کوتاہی کہا جائے گا۔ یہ اگر جرم بھی ہو تو اتنا بڑا نہیں جتنا کہ دین کے تصور میں تبدیلی لے آنا اور دین کی خود اپنی ہی ترتیب میں تقدیم اور تاخیر کا مرتکب ہونا۔

نفی اور اثبات کی یہ ترتیب خود لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے کلمہ میں واضح کر دی گئی ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اسلام کی جامع ترین تعبیر ہے۔ اسلام کے صرف مثبت پہلو پر ہی بات کر کے اور محض اللہ سے مناجات کا لطف اور سجدہ و رکوع کا حسن بیان کرتے رہ کر رسول اللہ ﷺ بھی معاشرے میں ایک بڑی پذیرائی پا سکتے

تھے اور اپنی ایک بڑی مخالفت کو تھم جانے اور دشمنوں کو پسپا ہو جانے پر مجبور کر سکتے تھے بلکہ اس بات کو یقینی بنا سکتے تھے کہ آپ کی سرے سے کوئی دشمنی نہ ہو، جیسا کہ ہمارے یہ حضرات اپنے دور میں اس نسخہ کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنا لیتے ہیں۔ مگر مسئلہ تو، جیسا کہ ہم نے کہا، تصورِ دین کا ہے اور یہی وہ بات ہے جو ہر دور میں دینِ توحید کیلئے دشمنی کھڑی کر دیا کرتی ہے...... جو چیز ان کے بیان میں آنے سے رہ جاتی ہے وہ یہ کہ اللہ کو کئے جانے والے سجدہ ورکوع کا "حسن" بیان کرنیکا ہی رسول اللہ ﷺ کو حکم نہ تھا، اس سے پہلے غیر اللہ کو کئے جانے والے سجدہ ورکوع کا "قبح" بیان کرنے کا بھی آپ کو حکم تھا۔ یعنی نہ صرف غیر اللہ کو ہونے والے سجدے کا قبح بیان کرنا، بلکہ اللہ کو ہونے والے سجدے سے "پہلے" یہ قبح بیان کرنا۔ یہی وہ بات تھی جس سے وہ بہت سے لوگ جو _ خدا کا ایک مثبت انداز میں حق بیان کیا جانے پر اور سجدہ ورکوع کی دلنشینی بتانے پر اور خدا سے محبت کے خوبصورت پیرائے نشر کئے جانے پر _ ضرور آپ کے قریب آ جاتے، "باطل معبودوں کی مذمت" سن کر آپ سے دور ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں "اللہ کی بندگی کی مٹھاس" لینا اس بات سے مشروط کر دیا گیا تھا کہ لوگ "غیر اللہ کی پوجا و پرستش کا عیب سننے کی کڑواہٹ" برداشت کریں۔ "طاغوتوں" اور "باطل خداؤں" کا "انکار" رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا بنیادی اور لازمی حصہ تھا .. یہ محض کوئی 'شوق' اور 'جذبہ' کا معاملہ نہ تھا، آپ اس کے مامور تھے۔

اسلام کے ان حقائق میں کسی ردوبدل یا تقدیم وتاخیر یا حذف کی اجازت دینا چنانچہ نہ تو "رواداری" ہے نہ "دعوت کی ضرورت" اور نہ لوگوں کیلئے اسلام پر جینا آسان کر دینے کا تقاضا۔ یہ زمانہ فہمی اور روشن خیالی کی بھی کوئی قسم نہیں۔

****

(۱) مذکورہ بالا مضمون بمع کچھ ترمیم واضافہ الگ سے بطور کتابچہ بھی دستیاب ہے۔

فصل چہارم

رواداری وخودداری

معاشرے پر اپنا بہترین تاثر قائم کرنا ''توحید'' کے داعیوں کی ایک بڑی ضرورت ہے..
جاہلیت کے ساتھ اس جنگ میں صرف ایک دبنگ اور دوٹوک رویہ ہی ضروری نہیں بلکہ سمجھدار اور زیرک اور زمانہ فہم ہو کر دکھانا بھی داعیانِ توحید پر لازم ہے۔ باطل کو کوئی چھوٹ دینا جس قدر غلط ہے اتنا ہی غلط یہ ہے کہ اپنی کسی غلطی یا کمزوری کا اس کو فائدہ اٹھانے دیا جائے۔ جاہلیت کے قائم کردہ تاثرات کو بے حقیقت کرنا ایک بڑا چیلنج ہے۔ خودداری موحدین کا ایک بڑا ہتھیار رہا ہے۔

****

اہل توحید مردم بیزار لوگ نہیں انسان دوست ہوتے ہیں۔ لوگوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ہر ایک سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ معاشرے میں مکارم اخلاق کی تکمیل ان کا ایک بڑا ہدف ہوتا ہے۔ اچھا اور معقول نظر آنا اہل توحید کے ہاں بے انتہا مطلوب ہے۔ بلکہ یہ کسی بھی اور انسان سے بڑھ کر ایک موحد کا مطمح نظر ہوتا ہے۔ لوگوں میں قابل قبول ہونا اور دلوں میں پذیرائی پانا ایک موحد کو بھی بھلا لگتا ہے اور لگنا چاہیے کہ یہ ایک نارمل انسان کی نشانی ہے اور موحدین اپنے دور کے بہترین اور متوازن ترین انسان ہوا کرتے ہیں۔ خدا اور بندوں کے حقوق میں توازن رکھنا ایک موحد کو ہی میسر ہے۔

مذہبی تشدد اور زاویہ نشینی ضرور کچھ لوگوں کے حق میں ایک نفسیاتی عارضہ psychological symptom ہوگی مگر توحید پر ابراہیم ع کی طرح چلنے والے اور محمد ﷺ کی طرح اصرار کرنے والے نہ تو تشدد سے کوئی سروکار رکھتے ہیں اور نہ زاویہ نشینی سے کوئی مطلب۔

یہ معاشرے کے عین گھمسان میں رہنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ البتہ یہ فکر اور ثقافت کے معاملے میں بہت خوددار واقع ہوئے ہیں۔ یہ معاشرے سے لینے سے زیادہ معاشرے کو دینے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ معاشرے سے ہی سب کچھ لیں تو پھر وحی کا کیا مصرف رہ جاتا ہے۔ حق کے معاملے میں یہ معاشرے کی طرف نہیں دیکھتے، اس کیلئے ان کی نگاہیں بس آسمان کی طرف ہی اٹھتی ہیں قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ [۱] یہ فرق ان میں اور معاشرے کے عام لوگوں میں ضرور ہے۔ حق کے معاملے میں یہ معاشرے سے یا معاشرے کے کسی طبقے سے نہیں خود حق ہی سے متاثر ہوتے ہیں۔ یوں کہیے اس لحاظ سے یہ کسی اور دُنیا کے لوگ ہوتے ہیں نہ تو مذہبی دینداری اور نہ بے دین دنیا داری ان کو کسی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

عقل وانصاف پسندی اہلِ توحید کا مسلک ہے، کہ اسی کی بدولت یہ خدا تک پہنچتے ہیں۔ خودداری، رحمدلی، نرم خوئی، انسان دوستی اور عزت نفس ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ لوگوں میں معقول نظر آنا ان کو واقعتاً اور بے انتہا عزیز ہوتا ہے مگر ان کا مسئلہ یہ ہے کہ معقولیت کے معیار یہ ماحول سے یا میڈیا سے یا درسی کتابوں سے نہیں لیتے بلکہ اس کیلئے یہ ایک بہترین مصدر تک رسائی رکھتے ہیں۔ معقولیت کا معیار یہ انبیاء ورُسل سے لیتے ہیں کہ وہی ان کی نظر میں یہ حیثیت رکھتے ہیں کہ انسانیت ان سے اپنے لئے عزت وذلت اور کمتری و برتری کے معیار لے۔ پھر لوگوں میں اچھا اور قابل قبول نظر آنے کی اس خواہش کو، اپنی اور بہت سی جائز خواہشات کی طرح، ضرورت پڑنے پر، یہ اپنے معبودِ برحق کی خواہش پر قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ کہ اس کا عوض ان کو اس سے بھی عزیز ہے جو کہ معبود برحق کی خوشی ہے .. اور اُس کی خوشی سے بڑھ کر ان کیلئے دُنیا میں تو کیا آخرت میں کوئی انعام نہیں۔

چنانچہ مسئلہ کسی موقف کی معقولیت کا نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کسی موقف کی معقولیت کا تعین کون کرے، کیا اللہ اور اس کی کتاب اور اس کا رسولؐ یا پھر معاشرہ کے رجحان ساز (مَلأٌ) اور ماحول کے صورت گر؟!

ایک موحد اپنے عقل وشعور کی سب سے بڑھ کر قدر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی عقل اور خرَد

---

(۱) البقرۃ" 144 : ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں "(ترجمہ جوناگڑھی)

انسانوں کی اس محدود تعداد کے ہاں گروی رکھ آنے پر تیار نہیں ہوتا جن کے ہاں سے پورے معاشرے کیلئے رواج اور رجحانات trends صادر ہوتے ہیں۔لوگوں کے ہاں معقولیت کا معیار یہ ہے کہ وہی کریں جو معاشرے کی فکری قیادت ان سے کروانا چاہے اور ویسے ہی سوچیں جیسے سوچنا قوم کی اعلی کلاس elite ان کیلئے مقرر ٹھہرا دے۔ کسی چیز، کسی رویے، کسی عقیدے یا کسی طریقے کے بارے میں جو تاثر قوم کے اعلیٰ طبقوں میں قائم ہو جائے وہی تاثر اس چیز یا اس رویے یا اس عقیدے یا اس طریقے کی بابت حقائق کا درجہ رکھنے لگتا ہے بلکہ مسلمات کا رتبہ پا لیتا ہے۔اس کے نتیجے میں پورے معاشرے کی سوچ اس تھوڑی تعداد کے زیر قبضہ ہو جاتی ہے اور ایک میکانکی انداز میں پوری قوم کے خیالات اور تصورات اسی تھوڑی تعداد کے انداز فکر کا چربہ بن جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ دوسروں کی عقل سے سوچنا اور دوسروں کے انداز فکر سے استدلال کرنا فخر کی بات جانتے ہیں۔نہ صرف یہ بلکہ جو اپنی عقل کسی دوسرے کے پاس یوں گروی نہ رکھے اسے کم عقل اور پسماندہ بھی جانتے ہیں! پھر ایک موحد جب اس صورتحال کو چیلنج کرتا ہے، اقول ما قال الناس کا مسلک چھوڑنے کا مطالبہ کرتا ہے اور معاشرے میں قائم تاثرات ورجحانات کا پردہ ہٹا کر حقائق کو سورج کی روشنی میں دیکھنے اور دکھانے پر اصرار کرتا ہے تو لوگوں کو وہ ایک انہونی مخلوق لگتا ہے!

معاشرے کی اصطلاحات اور نفسیات کے پیچھے ہمیشہ چند ہی لوگ بول رہے ہوتے ہیں اور عام لوگ تو، حتی کہ پڑھے لکھے بھی، محض رٹی رٹائی باتیں دہراتے ہیں۔اس امر کا پردہ محض ایک موحد چاک کرتا ہے۔

مگر اس مسئلے کی سنگینی یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔

کسی قوم میں اشیاء کی بابت جو تاثرات قائم کر دیئے جاتے ہیں اور دین اور دنیا کے امور کو دیکھنے اور جانچنے کیلئے جو زاویہ ہائے نگاہ متعین کر دیے جاتے ہیں ..ان تاثرات اور رجحانات کا ایک زبردست تقدس بھی ساتھ قائم نہ کر دیا جائے تو لوگوں کے دل ودماغ انسانوں کی اس محدود تعداد کے قبضہ میں پوری طرح آ جانے پر آمادہ نہیں ہوتے اور کوئی بھی چھوٹا موٹا دھچکا صورتحال کو بدل سکتا ہے۔سو یہ نہایت ضروری سمجھا جاتا ہے کہ رواج سے بغاوت اور عرف عام سے نکل جانے کا ذہنوں میں ساتھ ہی

ایک ہوا کھڑا کر دیا جائے اور یوں معاشرے کی ڈگر سے ہٹ کر سوچنا خود بخود ایک ناروا اور باغیانہ بلکہ جاہلانہ حرکت باور ہو۔

اب یہ جس کو معاشرہ خودسری کہتا ہے اگر عقل اور خرد پر قائم ہے اور وحی کی اتباع ہے تو وہ خودسری نہیں عین خودداری ہے۔ اگر یہ کوئی بغاوت ہے تو ہرگز بے جا نہیں۔ یہ اگر کچھ پس پردہ ہستیوں کے فکری اور تہذیبی اقتدار سے خروج ہے تو ایک اعلیٰ ہستی کی تعظیمِ بارگاہ بھی ہے۔ یہ انسان کی عظمت ہے، بے شک معاشرہ اسے اس بات پر داد نہ دے اور اگرچہ معاشرہ اسے اس بات پر از کار رفتہ انسان جانے یا اس کے اس رویہ کو اساطیر الاولین سمجھے۔ ایک چیز اگر قوم کے اعلیٰ طبقے میں ستائش نہیں پاتی مگر وہ خدا کے ہاں سے نازل ہوئی ہے اور رسولوں نے اس بات کی تعلیم دے رکھی ہے تو وہ پورے معاشرے سے اور معاشرے کی رجحان ساز قیادت سے برتر اور مقدس ہے۔ اتباع اس کی ہونی چاہیے نہ کہ معاشرے کی یا معاشرے میں مقبول کسی فکری فیشن کی۔

ایک چیز کیلئے معاشرے میں کیا اصطلاح رائج ہے، حق کی کسی بات پر کسی خاص طبقے کے ہاں کیا فقرہ چست کیا جاتا ہے، اسلام میں ثابت شدہ ایک حقیقت کو کسی خاص حلقے میں کس نظر سے دیکھا جاتا ہے، اللہ کے نازل کئے ہوئے کسی حکم یا کسی عقیدے کی بابت ذرائع ابلاغ میں کیا تاثر قائم ہے یا شریعت کی کسی بات کو اپنے یہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ کس طرح لیں گے اور کتنے تعجب سے دیکھیں گے...... ایک مسلمان موحد کے پریشان ہونے کی بات سرے سے ہے نہیں۔ اس کے توجہ کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ کسی معاملے میں خدا نے کیا کہا ہے اور اس کے رسولؐ نے کیا کہا ہے۔ عقل سلیم جب حق کیلئے پیاسی ہو تو اس کی پیاس صرف اللہ اور اس کے رسول کی بات سے بجھتی ہے کہ یہی دانائی کا اصل منبع ہے اور اس سے متصادم ہر بات جہالت۔

****

بعض 'لیبل' یہاں ایسے ہیں جو دین کی ایک حقیقی دعوت پر بڑے آرام سے چسپاں کر دیئے جائیں گے۔ ان کے ملبے تلے سے نکل کر اپنا ایک جداگانہ تعارف کرانا دعوت کیلئے ہرگز آسان کام نہ ہوگا۔ پس یہ ایک دہرا چیلنج ہوگا۔ حق پر ڈٹ کر دکھانا ایک محاذ ہوگا تو لیبلوں کے ملبے تلے آنے سے بچنا ایک دوسرا محاذ۔ 'فرقہ واریت'، 'فتویٰ بازی'، 'مذہبی جنونیت' اور 'شدت پسندی' نہ

صرف جاہلیت کے ہاتھ آئے ہوئے طعنے ہیں جو وہ اپنے مبغوض طبقوں کو بڑے آرام سے دے لیتی ہے بلکہ واقعتاً یہاں کی 'مذہبی' دنیا کی جانب سے اس کے بہت سے مواقع دے لیئے جاتے ہیں۔

******

مذہبی طبقوں نے اپنا نقصان کرنے میں یوں تو خود بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی مگر مذہبی طبقوں کے بارے میں جاہلیت کے پھیلائے ہوئے بعض تاثرات بھی کسی زہر سے کم نہیں۔ بہت سے زہریلے تاثرات ایسے ہیں جو معاشرے کے عام لوگوں خصوصاً پڑھے لکھوں کی نفسیات میں گہرے چلے گئے ہیں اور اب بعض الفاظ اور تعبیرات ان کیلئے کچھ ایسی ڈراؤنی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ وہ دین کے بعض جلی حقائق کو دیکھنے اور پڑھنے تک کے روادار نہ ہوں۔ مختلف عوامل نے ان کی نظر میں یہ بات شدید حد تک معیوب بنا دی ہے۔ دین کے بعض امور بلکہ بعض مسلمات تک کی بابت معاشرے میں اخبارات کے ذریعے، تقریبات کے ذریعے اور تعلیمی نصابوں کے ذریعے اور دھڑا دھڑ بیانات کے ذریعے لوگوں کا کچھ ایسا رجحان بنا دیا جاتا ہے کہ لوگ ایک چیز کو دیکھے اور پڑھے بغیر بس دقیانوسی جانیں۔ اس پر وہ ایک خودکار اور میکانکی ردعمل کیلئے بلکہ عمل سے پہلے ردعمل کیلئے تیار ہوں۔ لوگ اس چیز کو گویا دیکھنے سے پہلے جانتے اور پڑھنے سے پہلے مسترد کر چکے ہوتے ہیں!

بہت سے مذہبی طبقے جاہلیت کی اس چال سے واقف نہیں مگر جاہلیت ان کو اپنے اس ڈھنگ پر لے آنے میں واقعتاً یہ تدبیر چلتی ہے اور عموماً اس میں کامیاب رہتی ہے۔ وہ برائیاں جو مذہبی طبقے میں پائی جاتی ہیں پھر بھی اس طریقے سے ختم نہیں ہوتیں، کہ معاملے کا علاج بہت اوپر اوپر سے کیا گیا ہوتا ہے اور پھر ان برائیوں _ مانند فرقہ واریت، گروہ بندی، تشدد پسندی، مناظرہ بازی، مذہبی جنونیت، تبادلہ فتویٰ جات، مسلکی محاذ آرائی وغیرہ وغیرہ _ کا واقعی علاج کر دینا تو خیر مقصد ہی کس کا ہوتا ہے، نہ یہ ان مذہبی طبقوں کا اصل ہدف اور نہ قوم کی اشرافیہ کی اصل غایت...... کہ اس تفرقہ سے سب کا کام چلتا ہے، ان مذہبی تنازعات سے نہ صرف کچھ مذہبی پیشہ وروں کا مذہبی اور سیاسی فائدہ ہوتا ہے بلکہ اس کی آڑ میں ہماری اشرافیہ (elite) بھی خوب موج کرتی ہے۔ ہماری اشرافیہ کیلئے یہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے مترادف ہے۔ پڑھے لکھوں کے

ہاں یہ مذہبی طبقے آپ سے آپ برے بھی پڑے جو کہ اشرافیہ کا ایک بڑا مقصد ہے۔ اور یہ مذہبی طبقے آپس میں گتھم گتھا بھی رہے اور اشرافیہ کے فکری اور ثقافتی اقتدار کیلئے کوئی بڑا چیلنج بھی نہ بن سکے جو کہ اشرافیہ کا ایک اور بڑا مقصد ہے۔

چنانچہ وہ بُرائیاں جو بعض مذہبی طبقوں میں پائی جاتی ہیں اس پراپیگنڈے سے جو ٹی وی ہمارے لئے کر دیتا ہے اور اس لیپا پوتی سے جو ہماری قومی تقریبات میں بڑے اہتمام سے کی جاتی ہے...... یہ سب بُرائیاں ان مذہبی طبقوں میں پوری طرح پھر بھی باقی رہتی ہیں۔ نہ صرف باقی رہتی ہیں بلکہ یہ اندر ہی اندر اور بھی پلتی ہیں کہ کسی چیز پر مٹی ڈال دینے کا ہمیشہ یہی نتیجہ ہوا کرتا ہے...... مگر بار بار اوپر سے لیپ کرتے رہنے سے جاہلیت کی معاشرے میں البتہ خوب نبھتی ہے۔

جاہلی قیادتیں آج اسی وجہ سے راج کر رہی ہیں کہ معاشرے میں دین کی بڑی حد تک غلط ترجمانی ہو رہی ہے۔ خود مذہبی طبقے اپنے اوپر سے الزامات دھونے کے شدید ضرورت مند کر دیئے گئے ہیں۔ ایک الزام دھونے سے ابھی فارغ نہیں ہوتے کہ دس اور دھر دیئے جاتے ہیں۔ بڑی دیر سے مذہبی طبقوں کو ایک ایسی پوزیشن میں کر دیا گیا ہے کہ وہ ویسا نظر آنے کی، جیسا ان کو معاشرے کے رجحان ساز دیکھنا چاہتے ہیں، پوری کوشش کریں مگر پھر بھی بات بنتی نہ بنے اور اصل اور نقل میں فرق پھر بھی باقی رہے! جس چیز کی ترجمانی آج معاشرے میں ایک بڑی سطح پر ہو رہی ہے وہ دین سے زیادہ 'مذہب' کہلانے کی شاید زیادہ حقدار ہے۔

دین کی معاشرے میں اگر صحیح ترجمانی ہونے لگے اور دین کے حقائق کو، جیسا کہ وہ اللہ کے ہاں سے نازل ہوئے ہیں ایک علمی وموضوعی طریقے objective method سے اور ایک بے لاگ انداز میں لینے اور سمجھنے سمجھانے کا رجحان اپنا لیا جائے، بغیر اس بات کا لحاظ کئے کہ معاشرے میں دین کے کسی مسئلے کی بابت پہلے سے کیا تاثر ہے اور لوگوں میں اس کی بابت کیا رجحان پایا جاتا ہے .. معاشرے کی اپنی اصطلاحات وتاثرات کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے دین کے حقائق کو اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے من وعن لیا جانے لگے اور دین کے حامل لوگ اپنے اندر وہ علمی جرات، تحقیقی دیانت، حوصلہ وصبر، رواداری اور وسعت ظرف پیدا کر لیں کہ وہ دین کے سب بنیادی حقائق کو صرف اور صرف دین کے اصل مصادر سے _ صحابہ وسلف کے انداز میں _ لینے پہ

مصر نظر آئیں ..اور جذبات اور تعصب کو برطرف رکھتے ہوئے محض علم کی بنیاد پر اپنا اور ایک دوسرے کا نکتہ نظر درست کرنے کی ایک آزادانہ اور دوستانہ فضا قائم کرلیں ..اور مخالفت کریں تو صرف اس فریق کی جو دلیل اور حجت کی بجائے محض اپنی یا اپنے 'بڑوں' (۱) کی منوانے پر بضد ہو .. تب ضرور فرقہ واریت کی اس لعنت سے جان چھڑائی جاسکتی ہے۔

فرقہ واریت کا خاتمہ ایک علمی اور اصولی اندازِ فکر اپنانے سے ممکن ہے نہ کہ محض سیاسی بیانات سے اور اختلافات کو 'زیر زمین' لے جانے سے!

اس بے لاگ علمی جرات کو اپنانے پر اگر معاشرے کا ایک معتدبہ طبقہ آجاتا ہے اور یہ طبقہ سب غیر علمی رویوں اور اقول ما قال الناس کے مسلک کو مسترد کر دینے پر پوری طرح ڈٹ جاتا ہے اور لوگوں کو حق کی تعلیم دینے کا بیڑا اٹھا لیتا ہے تو اس معاملہ کا حل نکل آتا ہے جس پر بظاہر سب پریشان ہیں۔تب کچھ طبقے دین کی غلط اور گروہی اور فرقہ وارانہ اور محدود ترجمانی پر بھی بضد رہیں تو کوئی نقصان کی بات نہیں کہ منحرف طبقوں کے وجود سے _ ایک نبوت کے عرصے کو چھوڑ کر _ کبھی کوئی دور بھی خالی نہیں رہا۔

نہ صرف یہ کہ اس علمی انداز کے اپنانے سے اور اس تحقیقی جرات و دیانت، حوصلہ وصبر اور رواداری کا مسلک اختیار کرنے سے اور اس وسعت ظرف اور تبادلہ افکار کی ہمت کے آجانے سے، جو کہ ہم جانتے ہیں دنوں کا کام نہیں اور جس پر کہ بے انتہا محنت ہوگی، بشرطیکہ اس کام کو محنت کرنے والے انتھک لوگ مل جائیں .. غرض ایسا ہو جانے سے نہ صرف اس فرقہ واریت سے جان چھوٹے گی بلکہ اس کے نتیجے میں خالص دین کا راستہ معاشرے میں بھی صاف ہو جائے گا۔ وہ طعنے اور کوسنے جو جاہلیت مذہبی طبقوں کو خراب کرنے کیلئے _ نہ کہ مذہبی طبقوں کی واقعی اصلاح کیلئے _ دیا کرتی ہے آپ اپنی موت مرجائیں گے اور لوگوں کو پورے اعتماد کے ساتھ دینی قیادتوں کی طرف رخ کرنے سے روک دینے کی جاہلیت کے پاس پھر کوئی تدبیر کارگر نہ رہے گی۔ دوسری طرف حق

---

(۱) جہاں تک صحابہ وتابعین واتباعِ تابعین کا تعلق ہے تو وہ پوری امت کے بڑے ہیں اور سب پر ہی انکے فہم اور طریقے کی اتباع لازم ہے۔

کی قوت جب دینی طبقوں کو __ یا ان کے ایک معتد بہ طبقے کو __ متحد کر چکی ہوگی اور خالص اسلام جب ان کی پشت پر ہوگا اور تنازعات کی جڑ جب نیچے سے اکھاڑ پھینکی جا چکی ہوگی اور اسلام کی روشن صورت جب ان کے طرز عمل سے عیاں ہوگی تو جاہلیت کو معاشرے میں ان کے راستے سے ہٹنا پڑے گا۔ اسلام اپنی حقیقت کے ساتھ جب معاشرے میں اتر آئے تو پھر جاہلیت کو اسے راستہ دیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ تب اسلام کے آجانے اور چھا جانے میں سوائے کچھ محنت، کچھ جدوجہد اور جہاد کے، کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (81)وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا (82) – بنی اسرائیل

اور اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ باطل تو مٹنے ہی والا ہے یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں مومنوں کیلئے تو سراسر شفا اور رحمت ہے مگر ظالموں کیلئے خسارے کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کرتا

البتہ دینی طبقوں کو یہ ایک نئی جہت دیے بغیر معاملہ __ جاہلیت کے حق میں __ جوں کا توں باقی رہ سکتا ہے۔ سیاسی اتحاد کا ہو جانا نہ ہونے سے ضرور بہتر ہے مگر یہ مسئلے کا حل نہیں اور اگر وقتی طور پر ہے بھی تو اصل مسئلے کا حل نہیں۔ معاملے کا پائیدار حل یہ ہے __ جس کے نتیجے میں معاشرے کی کایا پلٹ سکتی ہے __ کہ اسلام کے حقائق کو ایک علمی دیانت اور تحقیقی صبر وحوصلہ کے ساتھ اور ائمہ اہلسنت کے منہج کی بنیاد پر لینے اور سمجھنے سمجھانے کا آزادانہ اور دوستانہ ماحول پیدا کیا جائے اور کسی سیاسی رکھ رکھاؤ اور ڈپلومیٹک تکلف کے بغیر حق کو حق اور باطل کو باطل کہنے کا برتہ رکھا جائے۔ دوسرے کی سنیے اور اپنی کھل کر کہیے مگر عقیدہ کے معاملے کو ہرگز حل کئے بغیر مت چھوڑیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ معاشرہ میں رائج فکر کے فیشن اور سوچ کے انداز تو کسی خاطر میں لائے ہی نہیں جانے چاہیں۔

ہمیں معلوم ہے یہ ایک مشکل اور دنوں میں ہو جانے والا کام نہیں، اور کایا پلٹ کا کوئی بھی کام یا نسخہ آسان اور دنوں میں ہو جانے والا نہیں ہوا کرتا، مگر کیا ہم پوری سنجیدگی اور اخلاص سے اور اپنے تمام تر ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک زوردار انداز میں اس کا "آغاز" کر سکتے ہیں؟ آخر کیوں ہم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یہاں کے رجحان سازوں کے ہی اسیر رہیں؟

معاشرہ یا معاشرے کی ضروریات اور مفادات یا معاشرے میں پائے جانے والے رجحانات ہمارے دین کے حقائق کا تعین کیوں کریں؟ اپنے دین کے ساتھ، جو کہ آسمان سے نازل ہونے والی حقیقت ہے اور زمین پر اس کی تشکیل نہیں ہوتی، ہم یہ ظلم کیوں ہونے دیں؟ پھر جبکہ معاملہ یہ ہو، جیسا کہ ہم عرض کر چکے، کہ معاشرہ میں پائے جانے والے رجحانات وتاثرات دراصل انسانوں کی ایک تھوڑی تعداد کے ہاں سے ہی صادر ہوئے ہوتے ہیں اور یہ تھوڑی تعداد وہ ہے جو ہرگز اس قابل نہیں کہ آدمی اس کے تقاضوں کو درخور اعتنا جانے، چاہے اس کی اہواء وخواہشات پوری قوم اور پورے معاشرے کی زبان میں کیوں نہ بول رہی ہوں۔ وہ ہمیں جیسے چلانا چاہیں بس معاشرے کے لاؤڈ اسپیکر میں بول دیا کریں ہم اپنے دین کو ویسی ہی 'زمانے کے مطابق' تعبیر دینے میں مگن اور اپنی سب تحقیقات کا رخ اسی سمت میں کر دینے کو تیار ہو جایا کریں!؟

موحدین کو یہ پہچاننے میں غلطی نہیں کرنی چاہیے کہ فکر وعمل کے فیشن اور رواج معاشرے میں کہاں سے آتے ہیں اور ان کو اہمیت دینا دراصل کس کو اہمیت دینا ہے۔ اس امر کو کسی صورت نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس وقت معاشرتی رجحانات کے پیچھے دراصل کون بول رہا ہے۔ ماحول اور معاشرے کی تاریں کہاں سے ہلائی جاتی ہیں، اس کا پورا ادراک کرنے میں .. اپنے عقیدے اور اپنے موقف پر پوری طرح ڈٹ کر اپنے زمانے کو خود اس کی اپنی زبان کے اندر سمجھانے میں اور اس معاملے پر کبھی کسی کی بات میں نہ آنے میں .. اہل توحید کبھی ہلکے نہ جانے جائیں۔

وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ (۱)

یہ بے یقین لوگ ہرگز تجھے (کسی معاملے میں) ہلکا نہ پائیں۔

****

(۱) الروم 60

فصل پنجم

ترکِ توحید سے بھی اگر اسلام نہیں جاتا!.....

اسلام کے امور بے شمار ہیں۔ اسلام کی ہر بات کے ترک سے ترکِ اسلام لازم نہیں آتا۔ یہ خوارج کا مذہب ہے۔ البتہ کچھ باتیں اسلام میں ضرور ایسی ہیں جنہیں ترک کر دینے سے آدمی کا اسلام ہی چلا جاتا ہے۔ ان میں سرفہرست توحید ہے۔ جو کہ اسلام کا سب سے پہلا فرض بھی ہے اور سب سے بنیادی عقیدہ بھی۔ یوں سمجھئے کہ یہ شجرِ اسلام کا تنا ہے۔ توحید کا ترک بلاشبہ مستوجب کفر ہے۔

مگر جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز یا فلاں بات مستوجبِ کفر ہے تو ایک ضمنی understood شرط خود بخود وہاں مقصود ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آدمی نے اس فعل کا ارتکاب علم رکھتے ہوئے (یعنی اس پر حجت واضح ہو جانے کے بعد) اور جانتے بوجھتے ہوئے کیا ہو، بصورت دیگر اس خاص آدمی کے حق میں یہ حکم خود بخود غیر موثر ہو جائے گا۔ ایک حکمِ عام کسی خاص شخص کے حق میں، اس کے کسی عذر کے باعث، اگر موقوف ہو جاتا ہے __ تا آنکہ اس کے عذر کا ازالہ نہ ہو جائے __ تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ حکمِ عام اب اپنی جگہ پر رہا ہی نہیں۔ وہ حکمِ عام بدستور ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ وہ شخص اس حکم کے منطبق ہونے سے وقتی طور پر مستثنیٰ ہے۔ وقتی طور پر اس لئے کہ عذر زائل کر دیا جانے کے بعد یا تو وہ اس مستوجبِ کفر بات سے تائب ہو جائے گا، جس کی کہ اصل کوشش اور خواہش اور امید ہونی چاہیے، اور ایسی صورت میں وہ ویسے ہی اس حکم کی زد میں نہ آئے گا .. اور یا پھر، اس ازالۂ عذر کے بعد، اہل علم کی جانب سے اس پر کفر کا وہ حکم لاگو کر دیا جائے گا۔

چنانچہ شرط یہ ہے کہ کوئی مستوجبِ کفر کام ایک شخص نے علم رکھتے ہوئے اور جانتے بوجھتے ہوئے اور اختیار رکھتے ہوئے کیا ہو۔ بصورت دیگر اس شخص پر تو وہ حکم نہ لگایا جائے گا البتہ وہ حکم عام، کہ فلاں کام کرنے سے آدمی کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے، شریعت کے ایک اصول کے طور پر اپنی جگہ برقرار

رہے گا اور اس اصول کی باحسن انداز تبلیغ بھی برابر ہوتی رہے گی۔ اس صورت میں ایک اصول کا اپنی جگہ رہنا اور کسی خاص شخص یا اشخاص کا اس حکم کے لاگو ہونے سے بچا رہنا باہم متعارض نہ ہوں گے۔

''اطلاق اور تعیین'' کے مسئلہ کے ذیل میں علمائے عقیدہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کوئی عذر پائے جانے کے باعث نہ تو ایک اصول اور ایک حکمِ عام متروک ٹھہرتا ہے اور نہ کسی خاص شخص کے حق میں اس کا وہ عذر نظر انداز ہوتا ہے۔ اصول معطل نہیں ہوتا کیونکہ لوگوں کو اسی کی تعلیم دی جاتا ہے اور تعلیم اور دعوت کے نتیجے میں لوگوں کو اسی پر لایا جاتا ہے۔ عذر نظر انداز نہیں ہوتا کیونکہ عدل کا تقاضا ہے کہ ایک شخص کو، جب تک کہ اس کا عذر دور نہیں کر دیا جاتا، ایک اصول کے لاگو ہونے سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

چونکہ ہمارے معاشرے میں جہالت عام ہے اور حق کی کسی بات سے لاعلم ہونا یا شرک کے زمرے میں آنے والے بعض مسائل میں کسی شخص کا شبہات اور تاویلات کا شکار ہونا ایک معتبر عذر ہے .. لہذا معاشرے میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو، جب تک کہ ان کی جہالت دور نہیں کر دی جاتی، بلاشبہہ اس عذر کا فائدہ دیا جائے گا۔ البتہ یہ اصول کہ ترکِ توحید اور ارتکابِ شرک سے آدمی مسلمان نہیں رہتا، اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ بلکہ اس بات کی تعلیم ہی کا تقاضا ہے کہ، لوگوں کو فرداً فرداً متعین کر کے ان پر حکم لگائے بغیر، لوگوں کو تعلیم دی جائے اور اس شرعی قاعدہ کا چرچا کیا جائے کہ تارکِ توحید شریعت کی رو سے کفر کا مرتکب ہو جایا کرتا ہے۔

یہ اصول لوگوں کو نہ بتانا بھی زیادتی ہوگی کیونکہ اس کا مطلب ہوگا کہ لوگ اگر اس بات سے لاعلم ہیں تو ہمیشہ کیلئے لاعلم ہی رہیں۔ دوسری طرف لوگوں کی اس لاعلمی کو، جب تک کہ وہ دور نہیں کر دی جاتی، بطور عذر قبول نہ کرنا بھی زیادتی ہوگی۔ چنانچہ نہ تو ایک طرح کی زیادتی روا ہوگی اور نہ دوسری طرح کی۔

لوگوں کو اسلام کی ان سنجیدہ بنیادوں ___ جن میں تارکِ توحید کا حکم بھی آتا ہے ___ کی تعلیم نہ دی جانے کا مطلب ہوگا کہ معاشرہ اسلام کے ٹھیٹ اصولوں پر جہت پا ہی نہ سکے۔ البتہ جہاں تک ان اصولوں کی زد پڑنے کا تعلق ہے تو لوگوں کے عذر دور کئے بغیر فتوے لگا دینا بھی لوگوں کی کوئی خدمت ہے اور نہ معاشرے کی کوئی مدد۔ اصل کام ہے ان اصولوں کی سنجیدہ انداز کی تعلیم۔

رہا یہ کہ لوگوں کو اصولِ توحید کی تعلیم کیسے دی جائے خصوصاً لوگوں کو یہ سمجھانے کیلئے کہ توحید ترک کر لینے سے آدمی کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق ہی باقی نہیں رہتا، کیا مقدمات اختیار کئے جائیں تو اس کیلئے بہترین سے بہترین طریقۂ کار اختیار کیا جانا بلاشبہ فرض ہے۔ ہرگز ضروری نہیں کہ لوگوں کو آپ دین کی پہلی بات ہی یہ بتائیں کہ تارکِ توحید کافر ہے مگر لوگوں کی تعلیم میں اس بات کو ایک اہم حصے کے طور پر بہرحال شامل ہونا چاہیے۔ تعلیم میں کسی ایک شخص یا جماعت کا طریقہ کسی دوسرے سے بہتر ہے تو ضرور اس طریقے سے استفادہ ہونا چاہیے اور اس سلسلے میں تجربات کا تبادلہ ہونا ایک احسن اقدام ہوگا مگر اہم بات یہ ہے کہ اس امر کو دین کی بنیادی تعلیم کا جزو لاینفک ہونا چاہیے تا آنکہ یہ بات مسلم معاشرے میں ایک معروف مسلمہ بن جائے۔ اس کو سن کر ایک مسلم معاشرے کے اندر لوگوں کے کان کھڑے نہیں ہو جانے چاہئیں۔

اس سے قطع نظر کہ اس بات کی تعلیم کا عملاً طریق کار کیا ہو، علمائے عقیدہ کے بیان کردہ اس اصول کا بیان ہونا اور علمی و تحریکی حلقوں میں اس بات کو سمجھا جانا اور تعلیم اور دعوت کے مناہج میں اس کی جھلک لائی جانا اصولاً ضروری ہے۔

علمی اور دعوتی حلقوں میں اس بات کو لائے جانے کی غرض سے ہی ''ایقاظ'' اس قسم کے موضوعات کو گاہے بگاہے اور وقتاً فوقتاً اپنے صفحات میں جگہ دیتا ہے کیونکہ ہمارے خیال میں یہاں کے علمی اور دعوتی حلقوں کی توجہ اصولِ اہلسنت کے ان پہلوؤں کی جانب لائی جانا نہایت ضروری ہے تاکہ دین کا علم لینے اور دین کو معاشرے میں لے کر چلنے والی تحریکیں دین کو اس کی حقیقت کے ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ رہا یہ کہ عقیدہ کے ان اصولوں کو وہ اپنے دعوتی اور تربیتی اور تعلیمی مناہج میں کیسے لے کر آئیں، اس کا انحصار خود ان پر ہے۔ ہم بھی اس میں ان کے شریک تفکیر ہو سکتے ہیں مگر اس سے پہلے اور اس سے اہم تر بات یہ ہے کہ عقیدہ کے ان پہلوؤں کو، جو کہ بڑی حد تک متروک ہیں، ان حلقوں کی نگاہ میں نمایاں بہرحال کر دیا جائے۔ آپ بھی اگر اس بات سے متفق ہوں تو عقیدہ کے ان حقائق کو دین کے اساتذہ اور مربیوں اور داعیوں سے توجہ لے کر دیجئے اور ان موضوعات کو ان کے ہاں زیر بحث لانے میں مددگار ہوئیے .. ایک اصولی معاشرہ کھڑا کر دینے کے لئے یہ امر ناگزیر ہے۔

عقیدہ کے ان پہلوؤں کو جو کہ بنیادی طور پر دین کے مسلمات ہیں فی الوقت عوام الناس کی جانب سے مزاحمت پیش آئے اور انکے ہاں اس پر تعجب ہو تو یہ بہت زیادہ نا قابل توقع نہ ہوگا۔ وہ آج تک جو سنتے آئے ہیں اسی کو اپنانے پر اپنے آپ کو مطمئن پائیں گے۔ البتہ اہل علم اور اصحاب دانش کی ذمہ داری ہم اس سے بڑی سمجھتے ہیں اور ان کی جانب سے کوئی ایسا ردعمل آئے تو وہ افسوسناک ہونا چاہیے۔

البتہ یہ امکان رد بہر حال نہیں کیا جا سکتا کہ بعض علمی اور دعوتی حلقوں میں بھی یہ بات پورے طور پر واضح نہ ہو پائی ہو بلکہ زیر بحث ہی نہ آئی ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ سب خطرات یہاں بھی مول لینا ہوں گے جو ایک بات کو سمجھانے اور اس پر غور و فکر کرانے کیلئے ناگزیر ہوا کرتے ہیں۔ غلط فہمیاں، اندازے، کی توقع رکھنا ہوگی اور سب کچھ ہی سہنا ہوگا۔

بعض پڑھے لکھے حلقوں میں ان موضوعات کے اٹھائے جانے پر اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو جانا کچھ بہت زیادہ باعث تعجب بھی نہ ہونا چاہیے۔ دین کے حوالے سے اچھے اچھے دانشوروں کا تحقیق و مطالعہ بھی عموماً دین کے خاص موضوعات تک محدود ہوتا ہے اور ایک ایسے موضوع کو زیر بحث لانا جو ان کے لئے نسبتاً نیا ہو اور ان کی نظر میں 'فرقہ وارانہ' ہو اور معاشرے کی تعمیر و ترقی سے بظاہر کوئی تعلق نہ رکھتا ہو ابتداء ان کے لئے نا قابل فہم ہو سکتا ہے۔ البتہ "فقہِ توحید" کی یہ اہم ترین حقیقت کہ غیر اللہ کی خدائی اور پرستش کو رد کرنا خدائے واحد کی تعظیم و بندگی کی لازمی اور اساسی شرط ہے اور یہ کہ توحید کے اس مسئلہ سمیت توحید کے کچھ دیگر اہم مسلّمات کو دین کے باقی علم کا دروازہ بنا دینا قرآن سے اور رسول اللہ کی دعوت اور سیرت سے واضح ترین انداز میں ثابت ہے اور یہ کہ اسلامی معاشرے کی تعمیر اور ترقی بھی بوجوہ اسی بات کی تعلیم سے مشروط ہے .. یہ سب حقائق بھی ضرور ان کی توجہ لیں گے اگر اس مسئلہ کے بیان پر کافی وقت اور محنت صرف کر لی جائے اور اس سلسلے میں جس بات سے وہ ڈرتے ہیں، یعنی لوگوں میں بات بے بات فتوی بازی کا رجحان ہو جانا، ان کے اس "اندیشے" کو "اصول اہلسنت" کے بیان سے رفع کر دیا جائے۔

دین میں صرف نرمی ہی نہیں۔ دین میں صرف سختی بھی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے معاشرے

کے سامنے اپنی جو بات رکھی اور اپنے ساتھیوں کو دین کی جو تعلیم دی اس میں آپؐ نے کہاں سختی کی اور کہاں نرمی، ہمارے لئے ایک بہترین اسوہ ہوسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس امت کو ازسرنو وہی موحدانہ تحریکی جہت دی جائے اور امت کے نوجوانوں میں ویسی ہی ایک متوازن سوچ اور کردار پیدا کیا جائے۔ کن معاملوں میں دین شدت کا متقاضی ہے اور کن معاملوں میں نرمی اور آسانی کا، یہ توازن ہمیں شدید طور پر درکار ہے۔ فکر وعمل کے اس متوازن منہج پر ہمیں اہلسنت کے فکری اثاثہ سے استفادہ کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ اصحاب دانش کو اس جانب توجہ بہر حال کرنا ہوگی۔

علمی اور دعوتی حلقوں کے تعاون کے بغیر اُمت میں اس موحدانہ کردار کی تعمیر ایک مشکل کام ہوگا۔ اس کام کو اگر کچھ لوگوں کی مدد حاصل ہوجاتی ہے تو سب سے پہلے ان کو دین کے اس پہلو پر پڑھے لکھے لوگوں کا تعجب کم کرنا ہوگا۔ یہ ایک ضروری مرحلہ ہے جس کو جلد از جلد اور کامیابی کے ساتھ عبور کرنے کی ازحد کوشش ہونی چاہیے۔ البتہ اس مرحلے میں _ جیسا ہم نے کہا _ غلط فہمیاں، اندازے، ردعمل .. سب کچھ کی توقع ہونی چاہیے اور کسی بات کو بھی بڑی بات نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ لوگوں کا تعجب دور ہونے پر خوب خوب محنت کرنا ہوگی۔

ایسے ہی ایک ردعمل کا تذکرہ ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ اس پر گفتگو کے دوران ہمارے اسلوب میں اگر کہیں شدت آگئی ہے تو ایسا محض اس مسئلے کی اہمیت کا تقاضا جان کر کیا گیا ہے۔ خدا جانتا ہے ہم اپنے سب لائقِ تعظیم اساتذہ اور مشائخ کیلئے بے حد محبت اور احترام رکھتے ہیں۔

****

ایقاظ میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا ایک رسالہ کُفْرُ تَارِکِ التَّوْحِيْد اردو اختصار کی صورت میں سلسلہ وار دیا جاتا رہا جس میں کچھ بہت ہی اصولی باتیں کی گئی تھیں جن کی تائید میں فقہائے حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی مستند کتب سے حوالے دیئے گئے تھے تاکہ واضح ہو کہ یہ مسئلہ کسی ایک طبقے کا اختیار کردہ اجتہاد نہیں بلکہ یہ اہلسنت کا "متفق علیہ مسئلہ" رہا ہے۔

اردو میں ہم نے اس کا عنوان ''توحید کا تارک کافر ہے'' دیا تھا جو کہ بڑی حد تک عربی عنوان کا لفظی ترجمہ ہے۔ اس پر ایک دوست کی معرفت ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے ملک کے ایک معروف

دانشور نے، جو کہ اسلامی امور میں ماہر جانے جاتے ہیں اور ہم بھی انکی بہت ہی قدر اور احترام کرتے ہیں، طنز اور تعجب کے اظہار کے طور پر علامتِ استعجاب (!) لگا دی۔ یعنی یہ کہ تارک توحید کو کافر کہنا کس قدر باعث تعجب و حیرت انگیز ہے۔

بہت خوب !

معلوم نہیں علامت تعجب اب دین کے اور کن کن مسلّمات پر لگے گی اور اگر یہ سلسلہ چل نکلے تو کہاں رکے گا۔ بنیادی طور پر یہ اس بات کی ایک بہت بڑی دلیل ہوگی کہ اسلام کے غربت واجنبیت کا شکار ہو جانے کی جو پیشین گوئی احادیث میں ہوئی ہے وہ وقت نہ صرف شاید آ چکا ہے بلکہ وہ اپنی اس نوبت کو پہنچ گیا ہے۔ اسلامی حقائق اوروں کیلئے نہیں خود اہل اسلام کیلئے بلکہ اسلامی علوم کے ماہرین کیلئے اجنبی ہو رہیں گے، اس کا قرون اولی کے اس معاشرے کے اندر جو شرک کو ختم کر کے قائم کیا گیا تھا کبھی کوئی تصور بھی کب کر سکتا تھا۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ کوئی اگر کہے کہ عقیدۂ رسالت کا تارک کافر ہے .. یا یہ کہ ختم نبوت کا تارک کافر ہے، جو کہ یقیناً برحق ہے، تو شاید اس پر کسی کو بہت زیادہ تعجب نہ ہو! ہم نے اپنے کسی مضمون میں یہ عنوان باندھا ہوتا کہ ختم نبوت کا تارک کافر ہے، تو ہمارے یہ دانشور شاید نہ تو اس کو انتہا پسندی شمار کرتے اور نہ اس پر علامت تعجب لگانے کی ضرورت محسوس کرتے۔ یقیناً اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے یہ دانشور رسالت کو توحید سے بڑا عقیدہ سمجھتے ہیں یا رسول اللہ ﷺ کا حق اللہ کے حق سے زیادہ جانتے ہیں۔ بلکہ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ایک بات معاشرے میں ہوتی ہے اور دوسری نہیں ہوتی! مگر ذرا غور فرمایئے ختمِ نبوت کے ترک یا انکار کو کفر مان لینا یہ حضرات انتہا پسندی شمار نہیں کریں گے البتہ توحید کے ترک کو کفر قرار دے دینا یہ انتہا پسندی اور فرقہ واریت پر ہی محمول کریں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے، اس پر شاید وہ کبھی خود بھی غور نہ کر پائے ہوں۔ یقیناً وہ خدا کے حق پر رسول کا حق مقدم نہیں جانتے مگر خدا کا حق جاننے میں یقیناً کہیں کمی رہ گئی ہے۔

خدا کا حق توحید سے بڑھ کر کیا ہوگا؟ بلکہ خدا کا حق توحید کے سوا آخر کیا ہے؟ ایک خدائے برحق کی بندگی۔ پیدا کرنے والے کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ کھلانے والے کو ہی تنہا شکر اور سپاس

کے لائق جاننا۔جس کے ہاتھ میں دنیا جہان کی سب خیر ہے اس کے سوا کسی سے زندگی یا رزق یا اولاد کی خیرات نہ مانگنا اور کسی سے اس بات کیلئے امیدوار نہ ہونا۔عبادت پر سوائے اس مالک الملک ذوالجلال والاکرام کے کسی اور کا حق تسلیم نہ کرنا۔عبداللہ بن عباس کہتے ہیں: قرآن میں جہاں کہیں "اللہ کی عبادت اور پرستش" کا ذکر آیا ہے وہاں مراد ہوتی ہے "صرف اللہ کی عبادت اور پرستش"۔ بس اسی ''صرف'' کا نام توحید ہے۔ ورنہ کافر بھی خدائے برحق کو پوجتے ہیں۔اُس کے نام کی نذر اُس کے نام کی قربانی اور اُس کے نام سے بہت کچھ کرتے ہیں۔ خدا کی عبادت کے وہ بھی قائل ہیں۔ پھر ہم میں اور ان میں آخر فرق کیا ہے؟ وہ بھی خدا کی عبادت کے قائل ہم بھی خدا کی عبادت کے قائل۔فرق بس یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت کے قائل ہیں اور ہم صرف خدا کی عبادت کے قائل ہیں۔اس ''صرف'' کو بیچ سے نکال دیجئے پھر بے شک خدا کی ''بھی'' عبادت کیجئے آپ کی عبادت اور ایک غیر مسلم کی عبادت میں کوئی فرق ہی نہیں۔

اور پھر یہ رسالت جس کے ترک وانکار سے کفر کا لازم آجانا ہمارے ان معتدل اور دانشور طبقوں کیلئے بھی باعث حیرت نہیں .. ذرا سوچیے اس رسالت کا بھی بھلا لب لباب کیا ہے؟ رسالت کا مطلب ہے پیغام بر ہونا، بھلا یہ پیغام کیا ہے؟ اس نبوت اور بعثت کا مقصد آخر کیا ہے؟ پیغام بر ہو اور پیغام کچھ نہ ہو!؟ دنیا میں اتنے رسول آئے تو آخر کیوں؟ اس نبوت اور رسالت کا اس کے سوا کیا کوئی اور مقصد بھی ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے سوا جس جس کی زمین میں بندگی ہوتی ہے اور جس جس کی پوجا پاٹ کی یہاں دکان چمکی ہے اس کا کھلا کھلا انکار کر دیا جائے اور بندگی کو صرف _ اور صرف _ اللہ وحدہ لاشریک کیلئے خاص کر دیا جائے۔ آسمان سے کتابیں نازل ہوتی رہیں تو کیا اس کے سوا ان کتابوں کا کوئی اور مقصد بھی تھا کہ غیر اللہ کی بندگی اور تعظیم و کبریائی کو مٹا کر دنیا میں ایک خدا کی بندگی ہو اور دنیا صرف اسی خدائے بزرگ و برتر کی بندگی کے آداب سیکھے؟ خود شریعت کیا ہے؟ خدائے وحدہ لاشریک کی بندگی کے آداب! کتابیں، رسول، نبی، صحیفے، شریعتیں سب اسی ایک مقصد کیلئے تو آتے رہے۔عمل کی قبولیت اسی توحید کے دم سے تو ہے۔نجات کا امکان اسی توحید کے سر پر تو ہے۔نماز، روزہ، حج، زکات _ سب کچھ _ توحید ہے تو ہے توحید نہیں تو سب اکارت۔

کیا اس میں کوئی شک ہے؟

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ 25) الأنبياء

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ ایک میرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ 88) الأنعام

ان (سب نبیوں) نے اگر شرک کر لیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا غارت ہو جاتا۔

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ 65) بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ 66) وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ 67) الزمر

تمہاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف ہی یہ وحی کی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم خسارے میں رہو گے۔ لہٰذا تم بس اللہ ہی کی بندگی کرو اور شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔ ان لوگوں نے تو اللہ کی قدر ہی نہ کی، جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے (اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

****

کسی چیز کی اہمیت کا تعین ہونا ممکن ہی نہیں جب تک دو باتوں کا جواب نہ دے لیا جائے: اس کے ہونے کا کیا فائدہ ہے اور اس کے نہ ہونے کا کیا نقصان؟

انسان کیلئے پانی کی اہمیت کیا ہے، اس کے جواب میں پانی کے صحت کیلئے فائدے گنوا دیے جانا پانی کی اہمیت کا کل بیان نہ ہوگا۔ یہ بتا دینا بھی ضروری ہوگا، بلکہ فوائد گنوا دینے سے شاید کہیں ضروری ہوگا، کہ پانی کے بغیر انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ موت کا لفظ اچھا نہیں مگر پانی کی اہمیت کا بیان اس کے بغیر ناقص اور نامکمل رہے گا۔ بلکہ پانی کے بارے میں بنیادی ترین بات ہو ہی یہ سکتی ہے کہ اس پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے۔ آپ یہ نہیں بتاتے تو گویا آپ نے انسانی زندگی کیلئے پانی کی اہمیت بتائی ہی نہیں۔

غذا کے انسان کو بہت سے فوائد ہیں مگر سب سے اہم فائدہ یہ ہے کہ انسان مرنے سے بچ

جاتا ہے اور غذا کے باعث زندگی پاتا ہے۔ بعض معاملات کو بہت سادہ اور مختصر کر دیا جانا بے حد ضروری ہو جاتا ہے۔ دین اسلام میں توحید کا بھی کچھ یہی معاملہ ہے۔ انسان کا اسلام اور ایمان باقی رکھنے میں توحید کو عین وہی اہمیت حاصل ہے جو اس کی زندگی کی بقا کیلئے پانی اور غذا کی ہو سکتی ہے۔

یہ کہنا چنانچہ نہ تو کوئی مبالغہ ہے نہ زیادتی اور نہ خدا کی حدوں سے تجاوز کہ توحید چلی جانے سے آدمی کا اسلام چلا جاتا ہے اور کفر کا ارتکاب لازم آ جاتا ہے۔ بلکہ اگر توحید چلی جانے سے اسلام نہیں جاتا تو پھر کوئی چیز دنیا میں ایسی پیدا ہوئی نہیں جس کے چلے جانے سے اسلام چلا جاتا ہو۔ توحید عروۂ وثقیٰ ہے یعنی دنیا و آخرت کا وہ مضبوط ترین سہارا جو نجات کا ضامن ہے۔ اس کو تھام لینے سے انسان کا ایمان بچ جاتا ہے اور جانتے بوجھتے ہوئے آدمی اس کو چھوڑ دے تو ایمان نہیں رہتا۔ ایک مضبوط سہارے کو تھامنے کے آپ جتنے مرضی فوائد گنوا لیں مگر کوئی چیز بھی اس بات کے بتا دینے سے کفایت نہ کرے گی کہ یہ سہارا چھوڑ دینے سے آدمی کی موت ہو جانا یقینی ہے۔ عروۂ وثقیٰ کے مفہوم میں یہ بات خودبخود شامل ہے۔ کسی مضبوط سہارے کی نشاندہی کرتے ہوئے انسان کو خبردار کر دینا کہ اگر یہ چھوٹ گیا تو اس کی جان چلی جانا یقینی ہے، ہرگز رواداری کے خلاف نہیں۔ ایسے بڑے نقصان سے تنبیہ کرتے ہوئے چیخ پڑنا تک معیوب نہیں۔

خوراک اگرچہ انسان کی صحت اور تندرستی کا بھی زبردست راز ہے مگر یہ اس کی بقا کا سبب پہلے ہے۔ گویا یہ بیک وقت دو پہلوؤں سے اہم ہے۔ صحت مندی بھی عین اسی چیز سے حاصل ہو جاتی ہے جس سے کہ زندگی۔ توحید کا بھی یہی معاملہ ہے۔ توحید انسان کو شعور و ادراک دیتی ہے۔ یہ دل کا سکون ہے۔ خوش بختی اور سعادت کا راز ہے۔ فرد اور معاشرہ دونوں کے فلاح پانے کی بنیاد ہے مگر اس سے پہلے جس بات کے بیان ہونے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اس کی بدولت انسان کافر ہونے سے بچ جاتا ہے یعنی انسان کا ایمان معتبر ہوتا ہے اور نجات کی آس لگتی ہے۔ اس کے بغیر ایمان ہے نہ نجات۔

توحید کے تعارف کا یہ لازمی حصہ ہے۔

چنانچہ کسی چیز کی اہمیت معلوم ہونے کی بنیاد ہی یہ ہوگی کہ اس کے وجود کا کیا فائدہ ہے اور اسکے عدم کا کیا نقصان۔ بنیادی طور پر یہ دونوں ہی اس کے فائدے ہیں مگر فائدے کا یہ دوسرا پہلو اہمیت میں پہلے سے بھی بڑھ کر ہے۔ نقصان کا ازالہ فائدہ پانے پر مقدم ہے۔

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ (۱)

اب توحید ہونے کے کیا فائدے ہیں؟

مختصراً یہ کہ بطور فرد دنیا میں یہ آپ کیلئے خوش بختی ہے۔ روح کا اطمینان اور عقل کی راحت ہے۔ شعور اور کردار کی ترقی ہے اور سب سے بڑھ کر خدا کو پانا۔ جبکہ آخرت میں جنت کا ملنا، صالحین کا ساتھ اور خدا کی مجاورت۔

بطور قوم اور بطور اُمت یہ دنیا میں آپ کیلئے **تملکون بها العرب وتدين لكم العجم** ہے اور آخرت میں سب امتوں پر فضیلت و برتری۔

توحید نہ ہو تو اس کا کیا نقصان ہے؟

دنیا میں کفر لازم آتا ہے اور آخرت میں جہنم۔

یہ دوسری بات پہلی بات سے اہم تر ہے۔ یہ بات شدید ہے مگر برحق ہے اور اس کو جان لینا تو بہت ہی ضروری۔ کسی چیز کے عروۃ وثقیٰ (مضبوط ترین سہارا) ہونے ہی کا تقاضا ہے کہ اس کی اہمیت کے یہ دونوں پہلو لوگوں پر واضح ہو جائیں۔ قرآن سے بہتر کوئی کلام نہیں اور قرآن میں ان دونوں پہلوؤں پر حد درجہ زور دیا گیا ہے۔ اس بات کا آخر کوئی تو سبب ہوگا۔

****

توحید ضرور بلندیِ درجات کا سبب بھی ہے۔ توحید سے افضل عمل خدا کی نگاہ میں کوئی نہیں۔ مگر اس افضلیت اور بلندیِ درجات کا تنہا ذکر کر دیا جانا ہی توحید کی تعریف میں کافی نہیں۔ یہ کتنی بھی اچھی تعریف سہی مگر یہ توحید کی ناقص تعریف ہوگی۔ توحید کے بارے میں اس سے زیادہ اہم بات یہ جان لی جانا ہے کہ توحید ایمان کی بنیاد ہے اور انسان کے کافر ہو جانے سے بچاؤ۔ یہ چھوٹ جائے تو مغفرت کا امکان ہمیشہ کیلئے ختم ہو جاتا ہے۔

بلندی درجات کی نوبت کفر سے بچ جانے کے بعد ہی آ سکتی ہے !

(۱) (شرح الکوکب المنیر 3:39) ایک فقہی قاعدہ یعنی: مفاسد کا دفع کیا جانا مصالح کو برلائے جانے سے اولی ہے

إِنَّ اللَّـهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّـهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (116) – النساء	اللہ کے ہاں شرک کی بہر حال بخشش نہیں ہے، اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

****

ترکِ توحید سے کفر کیونکر لازم آتا ہے، اس کی تفصیل تو آپ محمد بن عبدالوہابؒ کے اسی رسالہ میں دیکھیے جو ایقاظ میں اردو اختصار کی صورت ہم سلسلہ وار نشر کرتے رہے ہیں۔ یہاں ہم اس موضوع کے ان پہلوؤں کا ہی زیادہ ذکر کریں گے جو اس پر 'تعجب' کا باعث بنتے ہیں۔

توحید کا ترک کب ہوتا ہے؟ ظاہر ہے جب آدمی شرک کر لے۔ آدمی خدا کے ساتھ شرک کر لے تو اس کے بعد وہ کون سے نبی کا پیروکار رہتا ہے؟ وہ کون سی آسمانی کتاب کا متبع رہ جاتا ہے؟ توحید کا تارک ہو کر بھی آدمی اگر انبیاء کا پیروکار مانا جانا چاہے تو آخر اسلام کا پھر وہ کون سا عقیدہ ہے جس کے ترک سے کفر لازم آجاتا ہے اور جس کے بعد آدمی کو انبیاء کا پیروکار پھر نہیں سمجھا جانا چاہیے؟ ہمارے دانشور شاید اس بات سے انکار نہیں کریں گے کہ تقدیر کے انکار سے کفر لازم آجاتا ہے۔ ذرا غور فرمایئے توحید کا عقیدہ بڑا ہے یا تقدیر کا؟ تقدیر، رسالت، آخرت سب توحید کی فرع ہی تو ہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور ہمارے محترم دانشور کوئی اس دور میں محمد ﷺ کے ساتھ موسیٰؑ یا عیسیٰؑ کی بھی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرے اور صرف محمد ﷺ کی اطاعت پر کاربند نہ ہو! دین میں اس شخص کا کیا حکم ہے؟ اس نے آخر کیا کیا ہے؟ اس شخص نے حقِ اطاعت میں محمد ﷺ کے ساتھ ___ آج نبوت محمد ﷺ کے زمانہ میں ___ پچھلے کسی دور کے سچے رسول کو شریک کیا۔ سبحان اللہ۔ محمد ﷺ کے ساتھ _ آج اس دور میں ___ اس نے خدا کے ایک سچے رسول کو شریک کیا جس کی اطاعت کا حق اللہ نے اب ساقط کر دیا ہے .. ایسا شخص بلاشبہ کافر ہے۔ حضرات کیا پھر یہ تعجب کی بات نہیں کہ حقِ اطاعت میں محمد ﷺ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا ___ اور وہ بھی اللہ کے ایک سچے رسول کو شریک کرنا _ تو کھلا کفر ہو .. مگر حقِ بندگی میں، دُعا و التجا میں، نذر و نیاز میں یا حاکمیت

اور حق قانون سازی میں اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ کچھ مخلوقات کو شریک کر دینا کفر نہ ہوا اور اگر اس بات کو کفر کہ دیں تو آپ انتہا پسند کہلائیں!

توحید کا تارک بھی اگر کافر نہیں تو پھر کیوں نہ کہ دیا جائے کہ اسلام کے کسی بھی عقیدے کا تارک کافر نہیں؟ آخر اسلام کا کون سا عقیدہ ہے جو توحید پر مقدم ہے؟

اللہ نے اگر آج اس دور میں موسیٰؑ وعیسیٰؑ کی اطاعت کا حق ساقط کر دیا ہے تو کیا وہ ہستیاں جن کی دُنیا میں پوجا ہوتی ہے کیا انکی عبادت کا حق اس نے ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ساقط نہیں کر رکھا؟ کونسا جرم بڑا ہے؟ موسیٰؑ وعیسیٰؑ کی محمد ﷺ کے ساتھ اطاعت ہو تو کفر اور خدا کی کچھ مخلوقات کی خدا کے ساتھ عبادت ہو تو کفر نہیں؟ !!

ما لکم کیف تحکمون؟

کیا اعتدال کا دامن تھامنے کا خیال ہمیں اسی وقت آتا ہے جب خدا کی آبرو پر حرف آئے اور خدا کے حق پر ڈاکہ پڑے؟؟؟

اللہ کے ساتھ شریک کرنا خدا کو دشنام دینا ہے۔جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے :

عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَال َقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكَ أَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ إِنِّي لَنْ أُعِيدَهُ كَمَا بَدَأْتُهُ وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ أَنْ يَقُولَ اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا وَأَنَا الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُؤًا أَحَدٌ

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے کہا :اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :ابن آدم نے میری تکذیب کی،اس کو اس بات کا حق نہ تھا۔ابن آدم نے مجھے دشنام دی، اس کو اس بات کا حق نہ تھا، اس کی تکذیب میرے ساتھ یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ پیدا نہ کر پاؤں گا جیسے میں نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔اس کا مجھے دشنام دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے خدا نے بیٹا اختیار کیا حالانکہ میں بے نیاز ہوں جس نے نہ جنا اور نہ جنا گیا اور کوئی بھی میرا ہمسر نہیں۔

خدا کے ساتھ شرک ہونے پر آسمان کانپ اٹھتے ہیں۔زمین دہل جاتی ہے اور پہاڑ لرزتے ہیں کہ زمین پر قادرِ مطلق کے حق میں کسی نادان سے گستاخی ہوئی ہے:

---

(۱) صحیح البخاری 4593 کتاب تفسیر القرآن باب قوله الله الصمد

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا 88) لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا 89) تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا 90) أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا 91) وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا 92) إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا 93) – مریم

یہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے ___ یہ تم نے بڑی ہی جرات کی بات کی ہے۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھل کر گر جائیں، اس بات پر کہ یہ رحمان کی اولاد ثابت کرنے بیٹھے ہیں۔ رحمان کی شان کے لائق نہیں کہ وہ اولاد رکھے۔ زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندہ وغلام کی حیثیت میں ہی پیش ہونے والے ہیں۔

توحید ترک کر دینا عین اس مقصد کو فوت کر کے رکھ دینا ہے جس کی خاطر دنیا میں سب کے سب رسول آئے اور سب کی سب کتب نازل ہوئیں۔ بلکہ توحید کا ترک عین اس مقصد کو فوت کر دینا ہے جس کیلئے خود یہ دنیا وجود میں آئی۔

توحید وہ چیز ہے جس پر حرف آئے تو انسانی تاریخ کا رحمدل ترین انسان جو کہ جہانوں کیلئے بھیجا ہی رحمت بنا کر گیا ہے، غضب ناک ہو جاتا ہے:

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللَّهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُم(۱)

ابو واقد لیثی روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ص جب حنین (کے غزوہ) کیلئے نکلے تو آپ کا گزر بیری کے درخت کے پاس سے ہوا جو کہ مشرکوں کے ہاں ہوا کرتا تھا (اس درخت کا نام ذات انواط رکھا گیا تھا) اور جس پر وہ (تبرکاً) ہتھیار لٹکایا کرتے تھے. تب انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول: ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط ٹھہرا دیں جیسا ذات انواط ان کا ہے تب رسول اللہ ص (غصہ اور تعجب میں) کہنے لگے: سبحان اللہ۔ تم نے وہی بات کہی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہی تھی یعنی (اے موسیٰ) ہمارے لئے بھی ایک ویسا الٰہ ٹھہرا دیں جیسا کہ ان کا الٰہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے دیکھو تم ضرور بضرور اپنے سے پہلوں کے راستوں پر چلنے لگو گے۔

---

(۱) الترمذی 2106:وقال هذا حديث حسن صحيح كتاب الفتن عن رسول الله باب ما جاء لتركبن سنن من كان قبلكم، مسند أحمد 20895:، 20892صححه الألبانی فی تخريج مشكاة المصابيح كتاب الفتن الفصل الأول 3:174

یہاں تک کہ جہاں کسی بات یا کسی لفظ سے ایسا تاثر بھی ملے کہ وہ خدا کی وحدانیت اور کبریائی کے شایانِ شان نہیں وہاں رسول اللہ سخت ترین ردعمل ظاہر کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال :جاء رجل إلى النبي صلى الله عليه وسلم فراجعه في بعض الكلام فقال :ما شاء الله وشئت !فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : أجعلتني مع الله عدلا (وفي لفظ : ندا)؟ !لا بل ما شاء الله وحده [۱]

بروایت عبداللہ بن عباس رض، کہا :ایک آدمی نبی ص کے پاس آیا اور آپ ص سے کسی بات پر مراجعت کی، تب وہ کہنے لگا :جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں !اس پر آپ ص فرمانے لگے :کیا تو نے مجھے اللہ کا ہم پلہ (اور ایک روایت کے الفاظ میں، ہم سر) بنا دیا؟ !ہرگز نہیں. بس اللہ اکیلا جو چاہے

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ :أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ جُهِدَتْ الْأَنْفُسُ وَضَاعَتْ الْعِيَالُ وَنُهِكَتْ الْأَمْوَالُ وَهَلَكَتْ الْأَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللَّهَ لَنَا فَإِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللَّهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللَّهِ عَلَيْكَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْحَكَ أَتَدْرِي مَا تَقُولُ وَسَبَّحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتَّى عُرِفَ ذَلِكَ فِي وُجُوهِ أَصْحَابِهِ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ إِنَّهُ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللَّهِ عَلَى أَحَدٍ مِنْ خَلْقِهِ شَأْنُ اللَّهِ أَعْظَمُ مِنْ ذَلِكَ [۲]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :ایک اعرابی نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور (قحط کی شکایت کرتے ہوئے) کہنے لگا۔ اے اللہ کے رسول جانوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ گھر والے بھوکے ہیں۔ مملوک خراب اور جانور مر رہے ہیں۔ ہمارے لئے بارش طلب کیجئے۔ ہم آپ سے اللہ کی سفارش کرواتے ہیں اور اللہ سے آپ کی سفارش کرواتے ہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ گویا ہوئے : سبحان اللہ! سبحان اللہ!! آپ سبحان اللہ کہتے ہی جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اصحاب کے چہروں کی حالت بھی غیر ہونے لگی۔ تب آپؐ فرمانے لگے : تمہارا بُرا ہو۔ جانتے ہو اللہ کون ذات ہے؟ کسی کی کیا حیثیت کہ اس سے اللہ کی سفارش کروائی جائے، بھلے آدمی اللہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے!!

---

(۱) السلسلۃ الصحیحۃ للألبانی 139: جلد 1: صفحہ 266: ،علاوہ ازآں مسند احمد: 3077

(۲) سنن أبی داود 4101: كتاب السنة باب في الجهمية، البانی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے (دیکھیئے تخریج الالبانی علی مشكاه المصابيح كتاب احوال القيامه وبدء الخلق باب صفه النار (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

توحید خدا کا وہ حق ہے جس کو وہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ یہ حق ادا ہونے سے رہ جائے تو وہ ارحم الراحمین معافی دینے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ کوئی جیتے جی اس گناہ سے تائب نہ ہو سکا ہو اس کیلئے کوئی اور بھی معافی کی درخواست نہیں کرسکتا۔ وہ جو خیر الغافرین ہے وہ اس گناہ پر مغفرت کا امکان ہی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ختم کر دیتا ہے، سوائے یہ کہ موت سے پہلے آدمی اس سے تائب ہو جائے۔ اسکی رحمت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر، جس میں گناہوں کے پہاڑ گم ہو جائیں اور نظر تک نہ آئیں، اس جرم کا ذرہ بھر اٹھانے کا روادار نہیں۔ یہ واقعتاً اسی قدر متنبہ ہو جانے اور متنبہ کر دینے کی بات ہے۔ بلاشبہ یہ اتنا ہی بڑا گناہ ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِثْمًا عَظِيمًا (48 – النساء)

اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جتنے گناہ ہیں وہ جس کیلئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (113 – التوبة)

نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کیلئے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے وہ انکے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

****

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)=

واھلھا جلد 3: صفحہ 244 امام ابن تیمیہ اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں" : کچھ نے ابن اسحاق میں کلام کے باعث اس میں علت پائی، جبکہ یہ اور اس جیسی لفظاً و معنیً اس سے ملتی جلتی احادیث اہلِ علم کے ہاں سلف تا خلف متداول رہی ہیں اور امت کے سلف اور ائمہ اِسے قبول کرنے اور اس کو جہمیہ ایسے مخالفین کے خلاف بطورِ حجت ذکر کرنے کے انداز میں روایت کرتے آئے ہیں ۔یہاں تک کہ امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نے اسے اپنی کتاب التوحید میں روایت کیا جس میں کہ آپ نے مشروط ٹھہرایا ہے کہ سوائے ثقہ راویوں اور متصل الاسناد کے وہ کسی روایت کو بطورِ حجت لے کر نہ آئیں گے ۔(دیکھیئے" :بیان تلبیس الجھمیہ فی تاسیس بدعھم الکلامیہ جلد 1: صفحہ (570)

(۱) مذکورہ بالا مضمون بمع کچھ ترمیمات، علاوہ ازیں محمد بن عبدالوہاب کے محولہ بالا رسالہ کے اقتباسات کے ساتھ الگ سے بطور کتابچہ بھی دستیاب ہے۔

فصل ششم

دعوتِ توحیداورفرقہ واریت!

تاثرات کا مسئلہ ایک نہایت پیچیدہ اور گھمبیر مسئلہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ دعوت کا نفسیات کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔قبل اس کے کہ دعوت کے مخاطبین کو ان کے پیشگی تاثرات سے رہا کروانے کی ضرورت واضح کی جائے خود داعیوں کو اس مسئلے کی جانب متوجہ کرنے پر زور دیا جانا ہمارے خیال میں کہیں ضروری ہے۔

تاثرات ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے حواس خمسہ تک کو متاثر کر دیا کرتی ہے۔تاثرات perceptions کے زیر اثر انسان پر خود اپنے دیکھے یا اپنے چکھے یا اپنے چھوئے پر یقین کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسان کے بہت سے خیالات میں دراصل اس کے تاثرات بول رہے ہوتے ہیں۔حقائق اور شواہد پر تاثرات بھاری پڑتے لوگوں کے ہاں اکثر دیکھے گئے ہیں۔

تاثرات میں ایک بڑا دخل ماحول کو حاصل ہوتا ہے۔انسانی ذہن وشعور کیلئے سب سے بڑی قید اگر کوئی ہے تو وہ ماحول اور حالات کے قائم کردہ اثرات ہیں خصوصاً اگر وہ ایک منظّم جاہلی ماحول ہو۔ بسا اوقات آپ دیکھتے ہیں جتنا کوئی شخص اپنے ماحول سے تعلیم پا کر علم یا آگہی کے کسی میدان میں آگے بڑھتا ہے اتنا ہی وہ ماحول اس کے اندر زیادہ بولنے لگتا ہے تا آنکہ کسی ماحول کی اعلیٰ تعلیم یافتہ کلاس اس ماحول کی ایک قدرتی زبان بن جاتی ہے۔علم کو تاثرات سے آزاد کرانا یقین کیجئے ایک دشوار کام ہے۔طبعی علوم میں یہ بہت آسان ہے مگر عمرانی اور سماجی علوم میں بہت مشکل۔

تاثرات اور رجحانات کی بابت ہم ایک علیحدہ مضمون میں بات کریں گے کہ ان پر اگر توجہ نہ دی جائے تو کیونکر یہ ایک ماحول میں دعوت کے پاؤں کی زنجیر بنتے ہیں۔ یہاں اس فصل میں البتہ ہم ایک مقبول عام تاثر پر بات کریں گے جو کہ دعوتِ رسل کو معاشرے کا موضوع بنا دیا جانے

میں ایک بڑی رکاوٹ کا درجہ رکھتا ہے اور جس کے تشکیل پانے میں حقیقت یہ ہے کہ مخالفوں کا ہی نہیں دوستوں کا بھی حصہ ہے!

آج کی اس جدید دنیا میں .. اکیسویں صدی کے کسی بھی ملک کے اندر اس کی کسی خاص قومی شخصیت یا شخصیات کی کچھ ایسی حرمت قائم کر دی جاتی ہے کہ انسان کو اس کی بابت کوئی غلط بات کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنا پڑے۔قومی زندگی کا یہ ایک باقاعدہ حصہ بلکہ ضرورت ہے۔کوئی شخصیت یا کوئی چیز یا کوئی نعرہ ضرور ایسا ہونا چاہیے کہ اس پر حرف آنا قوم کی اجتماعی زندگی میں ناقابل برداشت ہو۔ یہ بات تہذیب کے منافی نہیں! کچھ باتیں ضرور ایسی ہونی چاہییں جن میں غیر جانبدار یا لاتعلق رہنا قوم کے بس سے باہر ہو جائے۔اس کے بغیر انسان نامکمل ہے۔سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ کونسی چیز ہونی چاہیے جو انسان کو اس پہلو سے مکمل کرے؟

چنانچہ کچھ چیزوں کی حرمت کا بار بار اور بے انتہا تذکرہ ہونا اور ان کی مسلَّمہ حیثیت پہ حرف آنے کو خارج از سوال کر دیا جانا اور کسی غافل کو اس سے خبردار کیا جاتا رہنا کہ کبھی وہ اس کی جرات کر نہ لے، ایک قوم کی زندگی میں بہرحال ضروری ہوتا ہے۔قوم ہونے کیلئے یہ واقعتاً اس کی ضرورت ہے۔ایک قوم کا وجود ہی تب تک مکمل نہیں جب تک کچھ چیزیں اس کو یا اس کے ایک بڑے طبقے کو حرکت میں لے آنے حتی کہ بسا اوقات آپے سے باہر کر دینے والی نہ پائی جانے لگیں۔ کوئی خاص شخصیت یا کوئی خاص چیز ضرور ایک قوم کی زندگی میں اتنی بڑی ہونی چاہیے کہ اس کی بابت کوئی ناروا رویہ قوم کی برداشت سے باہر ہو۔قوم بڑی ہی روادار ہو لے اور کسی غیر کو اس کی تعظیم کے فرض سے چھوٹ دینے پر بھی کبھی تیار ہو جائے _ جو کہ عام طور پر نہیں ہوتا _! تو بھی اس کا برسرعام مظاہرہ بہرحال گوارا نہ کرے۔حرمت کے اس مرتبے پر کوئی مُورت فائز کر دی جائے یا کوئی تُربت یا کچھ فوت شُدگان یا کچھ قومی شعارات...... اصل بات یہ ہے کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ایسی ہونی چاہیے جس کے دم سے اجتماعی زندگی میں کسی قوم کا شیرازہ قائم رہے۔دُنیا میں جب تک قومیں اور معاشرے بستے ہیں اس کی ضرورت کبھی ختم نہ ہوگی۔

اسلامی اجتماعیت کے اندر __ جس کو کہ اسلامی معاشرہ کہا جاتا ہے __ عین یہ حیثیت

اللہ وحدہ لاشریک کو حاصل ہوتی ہے کہ اس کی بابت کوئی ناروا رویہ پوری قوم کی برداشت سے باہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس معاشرے کی بنا ڈالی اس کو سب سے پہلے شرک کے خلاف یک آواز کیا گیا تھا اور خدا کے حق پر بات کرنا اور خدا کے حق کے تحفظ میں مرنے کی خواہش رکھنا قوم کی گھٹی میں ڈال دیا گیا تھا۔ مسلم معاشرے کو سب سے زیادہ چیلنج کرنے والی کوئی بات ہو سکتی تھی تو وہ یہ کہ خدا کی توحید پہ کبھی کوئی حرف آئے یا رسولؐ کی رسالت پر۔ اسلامی معاشرے میں اس پر کوئی خاموش نہ رہ پائے گا اور اس بات کو کوئی برداشت نہ کرے گا۔ خدا کے ساتھ شرک کرنا یا رسول پر ایمان نہ رکھنا اگر کسی کا مذہب ہے تو اسلام کے تصورِ رواداری کی رو سے چونکہ اس کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہے مگر یہ کام وہ مسلم معاشرے میں برسرِ عام اور دندنا کر نہ کرے گا بلکہ اپنے گرجا کے اندر کرے گا .. یہی وہ بات ہے جو بیت المقدس لیتے وقت امیر المومنین عمر بن خطابؓ اور نصارائے شام کے مابین ایک عہد کی صورت میں طے پائی تھی۔

اسلامی عقیدہ وفکر کے بنیادی مسلمات جو کہ مسلم معاشرے کی شیرازہ بندی کی اصل بنیاد ہونے چاہییں .. معاشرے کے اکٹھ کا اصل راز ہونے چاہییں .. معاشرے کی جہت بنے رہنا چاہییں .. قوم کو متحرک کرنے کا اصل باعث ہونا چاہییں .. لوگوں کو ان کا رنگ، نسل، زبان اور ملک بھلا دینے والی قوت ہونا چاہییں .. اور جن کے ماسوا چیزوں، شکلوں اور شخصیتوں کو قوم کی اجتماعیت کے اندر ممکنہ حد تک پس منظر میں لے جایا جانا اور ان کی نسبت نا قابل ذکر بنا کر رکھ دیا جانا چاہیے تاکہ دنیا میں مسلم معاشرہ اپنی اصل صورت اور اپنی اصل قامت کے ساتھ منصۂ شہود پہ آئے اور تاکہ دنیا بھر کے انسان اس کی تعظیم کرنے پر اپنے آپ کو مجبور سا پائیں .. اسلامی فکر وعقیدہ کے یہ بنیادی مسلمات ہی اگر کسی مسلم معاشرے کی قومی زندگی کے اندر اختلافی اور نزاعی بن جائیں یا حاشیائی ہو کر رہ جائیں تو یوں سمجھیے اس کی فکری بنیادیں درہم برہم ہو چکی ہیں اور اس کی اجتماعیت کی وہ ترکیب جس کی بدولت یہ مسلم معاشرہ کہلاتا ہے بدل کر رہ گئی ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلم معاشرے میں فکر وعمل کے انحرافات کا کبھی گزر نہیں ہوتا۔ دنیا کا صحت مند سے صحت مند معاشرہ بھی امراض سے یکسر پاک نہیں ہوتا۔ ایک ترقی یافتہ ترین ملک میں

بھی ہسپتالوں کی ضرورت ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ کسی ملک کے ترقی یافتہ اور صحت مند ہونے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہاں ہسپتالوں اور معالجوں کی کارکردگی بہت اعلیٰ درجے کی ہو۔ جہاں معاشرے ہیں وہاں امراض ضرور ہوں گے مگر ایک مستعد معاشرہ امراض کے علاج میں بہت ہی سبک ثابت ہوتا ہے۔ وہ مرض جو دوسری جگہوں پر ہرگز کسی توجہ کے لائق نہیں جانے جاتے ایک فرض شناس معاشرے میں ان کو بھی خطرناک جانا جاتا ہے۔ بلکہ علاج کی اصل خوبی تو یہ ہے کہ ممکنہ حد تک مرض کا پیشگی سدباب کیا جائے۔

اسلامی معاشرے میں فکری اور سماجی انحرافات کے ساتھ دراصل یہی معاملہ کیا جاتا ہے۔ معاشروں پر انحرافات کا حملہ ہونے سے کبھی نہیں رکتا۔ مگر دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ علاج کا انتظام کس پائے کا ہے، صحت مند افراد کی نشو ونما کا کیا بندوبست ہے اور قوم کے علماء اور دانشور اس فرض میں کیونکر پورا اترتے ہیں۔ اصولاً تو ان کوتاہی کے اسباب سے قوم کو پیشگی متنبہ کرنا چاہیے تا کہ ان کے پائے جانے کی نوبت ہی سرے سے نہ آئے اور اگر آئے تو کم سے کم آئے۔ کسی قوم کی علمی اور تہذیبی قیادت کی استعداد جانچنے کی اصل کسوٹی گو یہی ہے مگر تباہی کے اسباب اگر سر چڑھ کر قوم میں بول رہے ہوں تو پھر تو یہ دیکھنا کہیں ضروری ہوتا ہے کہ قوم کے دانشور وقت کے انحرافات کے ساتھ کیونکر آہنی ہاتھ برتتے ہیں۔

کیا آپ یقین کریں گے کہ کسی قوم کے دانشور اس کے اندر پائے جانے والے انحرافات کو ختم کرنے کی بجائے ان پر ترس کھانے کا مسلک اپنانا ضری سمجھتے ہوں اور ان انحرافات کی بیخ کنی کی دعوت کو رواداری کے خلاف جانتے ہوں؟ !!

سورہ نور (آیت ۵۵) میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے جہاں یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں تمکین عطا کرے گا اور ان کو سکھ اور چین کی زندگی نصیب کرے گا "لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا " وہاں ساتھ اپنی یہ شرط بھی بتا دی کہ ایسا ہونے کیلئے یہ مسلم معاشرے تنہا اسی کی بندگی کریں گے اور اس کے ساتھ کوئی ذرہ بھر شرک نہ کریں گے "يَعْبُدُونَنِي لَا

یُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا " یہ دراصل مسلم معاشرے کی اس بنیاد کا ذکر ہے جس پر حرف آنا مسلم معاشرے کو کبھی گوارا نہیں کرنا۔شرک پر مسلم معاشرہ کسی بھی صورت میں چپ نہیں رہے گا۔ یہ کسی بھی قومی شخصیت یا قومی ترجیح پر حرف آنے سے بڑا مسئلہ ہے۔کسی اور چیز پر خاموش رہا جا سکتا ہے مگر اس پر نہیں۔ یہ چیز .. توحید کی اس حرمت کا قائم رہنا مسلم معاشروں کیلئے اس بات کی ضمانت ہوگی کہ یہ زمین میں تمکین پائیں۔ اپنی کر کے کھا سکیں۔ ان کی بگڑی بن جایا کرے اور یہ سُکھ اور چین سے دن گزاریں۔سُکھ چین جس سے بڑی قوموں کی زندگی میں کوئی نعمت نہیں!

پس جو چیز مسلم ترقی بلکہ مسلم وجود کا اصل راز تھا، ہونا تو چاہیے تھا کہ اس بات کی صبح شام آوازیں پڑتیں اور ہر وقت اور قوم کے ہر طبقے کو اس کی تاکید ہوتی .. کجا یہ کہ نہ صرف اس کی تاکید اور یاد دہانی سے اپنے پڑھے لکھے ناک بھوں چڑھائیں اور ایسا کرنے کو اپنے مرتبے سے فروتر جانیں بلکہ اسے ایک اختلافی مسئلہ جانیں اور اس کے ترک پر غافل لوگوں کو یا حتی کہ معاندین کو تباہی سے خبردار کرنا رواداری کے خلاف سمجھیں !

دعوتِ توحید کا فرقہ واریت کے ساتھ گڈمڈ ہو جانا اس قوم کے حق میں ایک بڑا سانحہ ہے یہاں ہم اس کے اسباب پر کچھ غور کرنا چاہیں گے۔تاہم یہاں ہم اس کے تاریخی پس منظر میں نہ جائیں گے بلکہ کچھ فکری اور گروہی الجھنوں کا ہی جائزہ لیں گے۔

****

ہمارے دانشوروں اور ہمارے معتدل طبقوں کو ترکِ توحید کو کفر اور ہلاکت کہا جانے پر تعجب کیوں ہونے لگتا ہے؟ دین کے مسلمات سے انحراف کا سدباب کیا جانا ان کو رواداری کے منافی کیوں نظر آتا ہے؟

شاید اس کی وجہ ہمارے ان قابل احترام حضرات کا وہ ردِعمل ہے جو گروہی طرزعمل اور فرقہ وارانہ رجحانات کے خلاف ان کے ہاں ایک قدرتی سے انداز میں وجود پا گیا ہے۔گروہی طرز عمل اور فرقہ وارانہ رجحانات واقعتاً بُرے ہیں۔ہم خود مانتے ہیں۔ ہمارے پڑھے لکھے اصحاب اور دانشور حضرات اسے بُرا نہ سمجھیں ہم تب بھی اسے بُرا سمجھیں گے۔ان جدید تعلیم یافتہ حضرات کی تو

چلیں پھر اٹھان ایک خاص انداز سے ہوئی ہے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے بعض مذہبی طبقے فرقہ واریت کو بُرا کہنے میں ہمارے اس جدید طبقے کی ہاں میں ہاں ملانا کیوں ضروری جانتے ہیں۔ ہر دور کا کوئی فیشن ہوتا ہے جس کی نقل کر لینا جدید بن جانے کا سستا اور آسان طریقہ ہے۔ فرقہ وارانہ رجحانات کو بُرا کہنا وقت کا کچھ ایسا ہی تقاضا ہے! کاش کہ فرقہ واریت کا بُرا ہونا ہمارے ان مذہبی طبقوں کو قرآن پڑھنے سے معلوم ہوتا جو کہ وہ ہمیشہ ہی پڑھتے ہیں مگر اکثر کو اس کے بُرا ہونے کا علم اخبارات پڑھنے سے ہوا!! فرقہ واریت کے خلاف ان بعض مذہبی طبقوں کا ذہن سیاست میں آنے کے بعد بنا!! بلکہ ان میں سے کئی ایک کیلئے فرقہ وارایت کے خلاف باتیں کرنا تا حال ایک سیاسی عمل ہے ..

البتہ ہم فرقہ واریت کو برا کہتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ پسماندگی کا الزام سننے سے ہمیں کوئی خوف لاحق ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرقہ واریت ہمارے دین کی رو سے واقعتاً بری ہے اور یہ _ شرک کے بعد _ اسلام میں سب سے بڑا جرم ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (31) مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (32) - الروم

اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکرے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے۔

یہ بھی درست ہے کہ توحید کے مسئلے کو فرقہ وارانہ بنا دینے کی امت میں واقعی بہت سی دانستہ یا نادانستہ کوششیں ہوئی ہیں۔ توحید پر فرقہ واریت کا لیبل لگ جانے میں ہمارے ان نادان طبقوں کا واقعی بڑا کردار رہا ہے جو لوگوں کو مشرک کہنے کے معاملہ میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ توحید کے مسئلے کو معاشرے کے عام لوگوں کی نظر میں اختلافی بنا دینے میں ان انتہا پسند موحد طبقوں کا واقعی بڑا دخل ہے جو خود توحید کو پوری طرح سمجھتے ہیں اور نہ شرک کی حقیقت کو .. اور جو لوگوں پر موقعہ بے موقعہ اور سبب بے سبب فتوے لگاتے ہیں اور جو اپنی ساری لاعلمی اور پسماندگی کو توحید کے کھاتے میں ڈال آتے ہیں۔ واقعتاً ہمارے ان بعض طبقوں نے توحید کو فرقہ وارانہ مسئلہ بنا دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

ہمارے وہ طبقے جو عام فقہی اختلافات کو بھی اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا چڑھا دیتے ہیں جتنا کہ معاشرے میں توحید کا حق ہے ..یوں یہ حضرات عام فقہی مسائل اور توحید میں کوئی فرق اور امتیاز کئے بغیر دین کے اصول اور فروع پر یکساں شدت سے مناظرہ کرتے ہیں بلکہ فروع پر ہی مناظرہ کرتے ہیں ..(۱)

پھر ہمارے وہ مذہبی طبقے جو عقیدہ کے ان مسائل کو بھی بسا اوقات شرک کہہ دیتے ہیں جو کہ دراصل شرک نہیں بنتے..

پھر یہ ہر اس شخص کو بھی مشرک کہہ دیتے ہیں جو اِن کی نظر میں موحد نہیں یا جو کسی ایسے فرقے سے تعلق رکھتا ہے جو اِن کا فرقہ نہیں!

جو ہر اس آدمی کو مشرک کہہ دینے پر تیار ہو جاتے ہیں جس کے عقیدے اور عمل کی حقیقت سے یہ ابھی واقف تک نہیں ہوتے اور جسے مشرک کہہ دینے کی ان کے ہاں اتنی وجہ بھی بہت کافی ہے کہ وہ ایک ایسے ماں باپ کے گھر پیدا ہوا ہے جو کسی خاص مسجد میں نماز پڑھتے رہے ہیں یا جو ان کے خیال میں کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتے ہیں!

حتی کہ موحد ہونے کیلئے بھی ان کے ہاں یہ بات کافی ہے کہ کوئی شخص یا حتی کہ اس کے بڑے ان کی اپنی مسجد یا اپنے فرقہ سے تعلق رکھتے رہے ہوں ..

ضرور ان چیزوں نے ہمارے دانشوروں کو متنفر کیا ہوگا جس کا نتیجہ، ہم سمجھتے ہیں، یہ ہوا ہے کہ توحید ایسا مسئلہ بھی فرقہ وارانہ بن گیا اور اس وجہ سے وقت کے اور اہم مسائل کی بہ نسبت توحید کا مسئلہ ان کے ہاں پس منظر میں چلا گیا (اگرچہ اس کے اور اسباب بھی ہیں مگر وہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں) نہ صرف یہ ہوا ہے بلکہ اس بات کا امکان بھی بڑی حد تک ختم ہو گیا ہے کہ توحید کو اپنے پڑھے لکھے حلقوں میں ایک اہم مسئلے کے طور پر منوایا اور تسلیم کروایا جائے اور وقت کے مسائل

---

(۱) بلکہ بسا اوقات تو ہمارے کچھ حضرات ان فرقوں کے معروف مناظِروں سے جو روحوں سے فیض اور فوت شدہ اولیاء سے فریاد رسی کرانے کے داعی مانے جاتے ہیں، رفع الیدین اور آمین بالجہر ایسے "مسائل" پر مناظَرے کرتے رہے ہیں!!

میں اس مسئلے کو سرفہرست لایا جائے۔ ہمارے کچھ پسماندہ طبقوں کی ان حرکات کے سبب بالفعل صورتحال کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ ردِ شرک کے عنوان سے اب بہت سوں کو فرقہ واریت کی بو آنے لگی ہے۔توحید کی دعوت کا نادانستہ طور پر استحصال ہوا ہے اور اس موضوع پر وہ لوگ بڑی حد تک قابض مان لئے گئے ہیں جو کسی پر فتوی لگانے کے معاملے میں اہلسنت کے منہج سے واقف تک نہیں۔ (۱)

(اہلسنت کے اس منہج کا کچھ ذکر ہم آگے چل کر کریں گے)

اپنے جدید پڑھے لکھے اور دانشور طبقے کا یہ عذر ہم تسلیم کریں گے۔توحید پر بات کرنے سے اب ان کو واقعتاً شک پڑ سکتی ہے کہ فرقہ واریت پھیل جائے گی۔تارکِ توحید کا دین میں حکم واضح کرنے سے واقعتاً ان کو خدشہ لاحق ہوسکتا ہے کہ لوگوں پر اب دھڑا دھڑ فتوے لگیں گے۔شرک کی سنگینی بیان کرنے پر ان کو گروہی طرز عمل کا گمان گزر سکتا ہے .. کہ معاشرے میں بڑی حد تک ہو جو یہی رہا ہے۔

یہ سب درست ہے مگر جو چیز درست نہیں وہ یہ کہ ہمارے پڑھے لکھے اور دانشور طبقے بھی، اپنے کسی موقف کے اپنانے میں، کسی ردعمل کا شکار ہوں اور دین کے ان اہم مسائل کو ایک علمی اور اصولی انداز میں لینے سے محض اپنے کسی تاثر کی بنا پر رکے رہیں۔اُن اَن پڑھوں اور اِن پڑھے

---

(۱) توحید کی یہ غلط اور غلو پر مبنی ترجمانی کرنے والے لوگ موحدین کے طبقے میں بہرحال اقلیت رہے ہیں۔موحدین کی اکثریت ان انحرافات سے بچی رہی ہے البتہ اس موحد اکثریت کی کچھ اپنی کمزوریاں ضرور رہی ہیں جن کے باعث یہ انتہا پسندانہ رجحانات بھی اسی کے کھاتے میں پڑ جاتے رہے بلکہ دعوت توحید کا چہرہ بھی خراب کر جاتے رہے۔ ہماری یہ مذمت بھی جو آپ اوپر دیکھ رہے ہیں دراصل ان رجحانات پر ہے جو توحید کے داعی طبقوں میں خوامخواہ در آنے اور ان کے تشخص کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش میں رہے۔ رہا یہ توحید کا داعی طبقہ تو معاذ اللہ کہ ہم اس کا یوں ذکر کریں۔ ہم اس کی بعض کمیوں کمزوریوں کا ذکر کریں گے بھی تو اس کی یوں مذمت نہ کریں گے جیسی کہ ان منحرف رجحانات کی جو اس موحد طبقہ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ طبقہ ہماری نگاہ میں بے حد قابل ستائش ہے اور اس کا وجود ہماری نگاہ میں بسا غنیمت۔ کہ اسی کے دم سے برصغیر میں توحید کی صدا بلند ہوتی رہی۔اس کی تاثیر کو معاشرے میں مزید بہتر کرنے کیلئے ہم کچھ باتیں گو اس کی توجہ کیلئے بھی ذکر کریں گے مگر یہ طے ہے کہ ہمارے لئے سب سے لائق تعظیم طبقہ برصغیر کے مسلمانوں میں اگر کوئی ہے تو وہ یہی ہے۔

لکھوں میں کوئی فرق بھی تو ہونا چاہیے! وہ پسماندہ طبقے جو ایک غیر علمی طرز عمل اپناتے ہوئے آپ کو اس قدر غلط لگتے ہیں کیا ان کے خلاف آپ کا ردعمل اس قدر شدید ہو جانا چاہیے کہ اس موضوع پر خود آپ کا طریق عمل بھی اتنا ہی غیر علمی اور غیر حقیقی ہو!!؟ کیا آپ کے اس طرز عمل کا کسی اور جانب سے، بلکہ اسی پسماندہ فریق کی جانب سے، کوئی ردعمل نہ ہونا چاہیے!؟ یہ سب پڑھے لکھے اور ان پڑھ مل کر دین کی اساسیات کو آخر لے جا کہاں رہے ہیں؟؟؟

معاشرے میں جو شرک پھیلا ہے اس کے آڑے آنے میں کسی کے طرز عمل سے اگر آپ کو اختلاف ہے تو خود آپ اس شرک کے آڑے آنے میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟ ایک برائی کو مٹانے کا کسی دوسرے کا طریقہ غلط ہے تو آپ نے اس کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟؟

شرک کے خلاف آواز بلند کرنے کا کوئی ایک اسلوب غلط ہے تو آپ اس کو نہ اپنایئے مگر کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ شرک کے خلاف آواز اٹھانا اور شرک کو ایمان کے منافی قرار دینا ہی غلط ہے؟ آپ کو محض اسلوب سے اختلاف ہے تو اس میں حرج کی کیا بات ہے۔ شرک کو معاشرے سے ختم کرنے کیلئے آپ اپنا اسلوب بھی تو پھر متعارف کرایئے۔ تارک توحید کا جو حکم دوسرے بیان کرتے ہیں وہ اگر غلط ہے تو آپ خود بھی تو واضح فرمایئے کہ تارک توحید کا اللہ کے دین میں کیا حکم ہے؟

جس غیر علمی انداز اور جس ردعمل پر مبنی طرز استدلال سے ہمارے دانشوروں کو پوری قوم کو متنبہ کرنا چاہیے تھا وہ خود اسی انداز اور اسی طرز استدلال کا شکار ہوں، پھر معاملہ درست کیونکر ہو؟

یہ مان لینے میں واقعی کیا حرج ہے کہ معاشرے میں بڑی حد تک توحید کی صحیح ترجمانی نہیں ہو رہی۔ لوگ ان مسائل کو بھی شرک اور توحید کا مسئلہ بنا دیتے ہیں جو کہ اس خانے میں دراصل فٹ نہیں ہوتے اور عقیدہ کے ان بہت سے مسائل کو _ جو معاشرے کو تباہی کے دہانے کی طرف لئے جا رہے ہیں _ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عقیدہ کے ان بہت سے مسائل کو شرک اور توحید کی ذیل میں درج کرنا ان کو محض اس وجہ سے اوپرا لگتا ہے کہ پہلوں نے ان کو عقیدہ کی کتابوں میں درج نہیں کیا! یہ الگ بات کہ پہلوں کو جس معاشرہ میں رہنا پڑا وہ اللہ اور اس کے رسول کے دین پر قائم تھا۔

ہمارے یہ دیندار اصحاب جدید طرز ہائے معاشرت کو بھی اسی اپنائیت کی نظر سے دیکھنا چاہتے ہیں جس نظر سے پہلے ائمہ وفقہاء اپنے دور کے اسلام پر قائم معاشرے کو دیکھتے رہے تھے! یہ آج کے حکمران نظاموں کو عین اسی نظر سے دیکھنے پر مصر ہیں جس نظر سے پہلوں نے اپنے دور کے نظام ہائے حکومت کو دیکھا تھا جبکہ اسلام محلات میں نہ سہی "معاشرے" میں قائم تھا! حاکمیت کا مسئلہ، تہذیب اور ثقافت کا مسئلہ، سماجی علوم کا مسئلہ ہمارے ہاں کے بہت سے موحدین کو کبھی توحید کا مسئلہ نظر نہیں آیا! نور بشر اور حاضر ناظر کے سوا ان کو توحید کا وجود کہیں کسی مسئلے میں نظر آتا ہی نہیں۔ جدید معاشروں کی بنیاد جس شرک پر کھڑی کی گئی ہے اس کو عقیدہ کا مسئلہ بنانے کی طرف شاید ان کا کبھی خیال بھی نہ جا سکا ہو۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ نماز میں ہاتھ سینے کے اوپر یا نیچے باندھنے کا تعلق تو شرک وتوحید سے کسی نہ کسی طرح جوڑ لیتے ہیں البتہ جدید طرز معاشرت کے پیچھے جو شرک بول رہا ہے اس کو مسائل عقیدہ کے احاطہ میں داخلہ کی اجازت دینے کو بھی شاید تیار نہیں۔

مگر یہ صرف کسی ایک طبقے کا تو قصور نہیں۔ اس میں تو سب شریک ہیں۔ شرک کے جدید پہلوؤں کو معاشرے کے سامنے لانا اور اس پر لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرانا اپنی جگہ فرض ہے تو بھی شرک کے پرانے اور روایتی مسائل جو بہر حال معاشرے کے ایک طبقے میں پائے جاتے ہیں نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ شرک کے ان جدید پہلوؤں سے بھی لوگوں کو خبردار کرنیکا کام کون کرتا ہے، کیا ہمارے دانشور یہ کام کرتے ہیں؟ شرک کے پرانے مسائل _ غلط ترجمانی کے ساتھ ہی سہی _ ذکر تو ہوتے ہیں۔ شرک کے جدید مسائل کا تو ذکر ہی کون کرتا ہے؟ کون ہے جو آج حاکمیت کے معاملہ میں، تہذیب اور معاشرت کے معاملہ میں، سماجی علوم کے مسئلہ میں اور جدید افکار کے معاملہ میں _ انبیاء کے طریقے اور انداز میں _ لوگوں کو شرک سے خبردار کرتا ہو؟ لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈراتا ہو؟ شرک کے ساتھ نظریاتی طور پر مسلسل ایک حالت جنگ میں ہو اور طاغوتوں کے بالمقابل انبیا کی وراثت کا حق ادا کرتا ہو؟

شرک تو شرک ہے۔ نیا ہو یا پرانا، سب جہنم کا سامان ہے۔ یہ دہکتی آگ ہے۔ بربادی اور تباہی ہے۔ پھر اس پر چیخ چیخ کر اپنوں اور پرایوں کو خبردار کرتے ہوئے ہم کیوں نظر نہیں آ رہے؟

کیوں یہ ہمارا موضوع تک نہیں؟ دنیا جہنم کا سامان بن رہی ہو اور ہم بڑے آرام سے اسلامی علوم وفنون اور تحقیقات ومطالعہ میں مگن ہوں!؟

فرقہ واریت سے کیا ایسا پرہیز کہ اللہ کے ساتھ شرک ہو رہا ہو اور ہم کبھی ایک دن بھی اس پر غضب ناک نہ ہوئے ہوں!!! گروہ بندی سے ایسا خوف کہ کبھی ایک بار بھی اپنے دور میں اور اپنے معاشرے میں اللہ کے ساتھ ہونے والے اس شرک پر ہمارے چہرے کا رنگ نہ بدلا ہو۔ کسی کو اس پر جہنم کے عذاب سے ڈرانے کی ہمیں کبھی ایک بار بھی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔ انبیا جس مسئلے پر پوری دنیا کی دشمنی مول لے آتے رہے ہوں اس پر ہم کسی ایک شخص کو ناراض کر لینے کے کبھی روادار نہ ہوئے ہوں! لوگ کیا کہیں گے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص آج اس دور میں شرک ایسے قدیم مسئلے پر جذباتی ہو رہا ہے؟ آدمی بات کرے تو کسی جدید مسئلے پر! ملک کو درپیش مسائل پر! آدمی قوم کیلئے پریشان ہو تو ملکی بجٹ پر! بیرونی قرضوں کے نقصانات پر! حکومت کو یا عوام کو آدمی خبردار کرے تو قوم کے 'حقیقی مسائل' سے! شرک کے نقصانات علمی مذاکروں اور سماجی مباحثوں کا موضوع بھلا کیسے بن سکتے ہیں! دین پر کام ہو تو کسی نایاب مخطوطے پر یا کسی ضخیم کتاب پر جو کسی لائبریری میں پڑی اچھی بھی لگے! یقین کیجئے یہ محض تنقید نہیں حقیقتاً ہمارے بہت سے محققین اور اساتذہ دین کو انسائیکلوپیڈیا قسم کی چیز سمجھتے ہیں۔ دین کا تعلق ان کے نزدیک لائبریری سے ہو سکتا ہے یا کلاس روم سے۔

معاشرے میں کہیں شرک ہو رہا ہو اور آدمی کو غیر جانبدار رہنے کی فکر ہو !!!

رواداری کا یہ تصور آخر کہاں سے آیا ہے؟ کیا یہ کسی علمی objective طریق بحث کا پیش کردہ نتیجہ ہے۔

اسلام جسے انبیاء نے دنیا میں پیش کیا ویسے وہ ہے کیا؟ فقہی مسائل؟

انبیاء دنیا میں کیا موسوعاتی اور معارفی encylopediatic تحقیقات کروانے کو مبعوث ہوئے تھے؟

دنیا انبیاء کی جان کی دشمن ہو جاتی رہی، ان کو دیس نکالا دے دینے پر تیار ہو جاتی رہی تو کیا

اس لئے کہ انبیاء دنیا میں بس خوش اخلاقی کا درس دیتے تھے اور دنیا محض یہ خوش اخلاقی کا درس سن کر ہی ان پر برہم ہو جایا کرتی تھی، جیسا کہ ہمارے بعض دیندار طبقوں کا خیال ہے کہ اسلام نہ صرف بس "حسن اخلاق" کا نام ہے بلکہ انبیا بھی بس اسی معنی میں ایک اخلاقی انقلاب برپا کرنے کو مبعوث ہوئے تھے، اور دنیا 'بلاوجہ' ہی ان کی جان کی پیاسی ہو جاتی تھی!؟

اسلام یقیناً حسن اخلاق کا درس دیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں تو اس کا "ایک" مقصد یقیناً "مکارم اخلاق کی تکمیل" ہے مگر وہ "سبب" کیا تھا جس کے باعث لوگ آپؐ کی جان کے درپے ہو گئے تھے؟ وہ لوگ جو آپؐ کو صادق اور امین کہتے نہ تھکتے تھے، جو آپؐ کی شرافت اور نیک نامی کی ہمیشہ داد دیتے رہے تھے اور جو آپؐ کے حسن اخلاق سے بے حد متاثر تھے اور آپؐ کے حسن اخلاق پر آپؐ کو بے حد سراہتے تھے آخر ایک دم کیوں آپؐ سے بیر رکھنے لگے؟ آپؐ کی موت کے منصوبے بنانے تک میں لگے رہے اور بالآخر آپؐ کو مکہ سے نکال کر رہے؟ کیا اس کی وجہ آپؐ کا محض مکارم اخلاق کی دعوت دینا تھا!؟ یا پھر اس کی وجہ آپؐ کا وقت کے جھوٹے خداؤں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا تھا اور لوگوں کو _ معاشرے میں ہونے والے شرک کی بنا پر _ جہنم کے عذاب سے خبردار کرنا تھا؟؟؟

کیا ابراہیمؑ کو اپنا وطن کسی سیاسی یا معاشی مسئلے کی وجہ سے چھوڑنا پڑا تھا کہ رہتی دنیا تک کیلئے وہ ایک اسوہ اور نمونہ بنا دیا جائے اور جو بھی اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو وہ ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ڈھونڈنے کا از روئے قرآن پابند ہو!؟؟ کیا ابراہیم کو دیس نکالا اس لئے ملا تھا کہ قوم حسن اخلاق کی دعوت دی جانا برداشت نہ کر پائی تھی!؟؟؟

حسن اخلاق تو، جو کہ اسلام کو بے حد مطلوب ہے، بنیادی طور پر ہے ہی دعوتِ توحید کی خدمت کیلئے۔ خوش خلقی تو ہے ہی اس لئے کہ سماجی زندگی میں یہ اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کرنے اور کرانے کے کام آئے اور تا کہ معلوم ہو موحدین کس پائے کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک حسن اخلاق ہی کی کیا بات توحید سے دین کے کسی بھی بڑے سے بڑے مسئلے کا رشتہ ختم کر دیجئے وہ ایک بے جان اور بے نفع چیز بن کر رہ جائے گی اور بندگی کے زمرے میں شمار تک نہ ہو سکے گی۔ کسی عمل میں جان

تب ہی تو آتی ہے جب وہ توحید سے صحیح معنی میں جڑ جائے۔ کسی عمل کی قیمت تب ہی تو پڑتی ہے جب وہ توحید سے منسلک ہو اور کسی نیک کام کا پورا اجر تب ملتا ہے جب وہ توحید سے پھوٹ رہا ہو۔ ابراہیمؑ کا طریقہ ہی تو عبادت کی اصل جان ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ (130) – البقرة

کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے منہ موڑے، سوائے ایک ایسے شخص کے جو خود ہی اپنے آپ کو بے وقوف بنانے (پر آمادہ) ہو۔ ابراہیم تو وہ ہے جسے ہم نے دنیا میں اپنے (مشن کیلئے) چن لیا تھا اور یقیناً آخرت میں اُس کا شمار صالحین میں ہوگا۔

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (123) النحل

پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ (حنیف) یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ (26) إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ (27) وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ . (28) – الزخرف

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ : تم جن کی بندگی کرتے ہو میری ان سے صاف بیزاری ہے۔ مجھے ناطہ ہے تو صرف اس سے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری راہنمائی کرے گا۔ اور ابراہیم یہی کلمہ اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا۔

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ (75) أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ (76) فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ (77) – الشعراء

ابراہیم نے کہا : کچھ خبر بھی ہے جنہیں تم پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، وہ سب میرے دشمن ہیں، بجز ایک رب العالمین کے۔

****

اسلام کی سب سے اہم بنیادیں دو ہیں اور دخولِ اسلام کے وقت ان دونوں کا اقرار کرنا پڑتا ہے .. توحید اور رسالت۔

بغور دیکھا جائے تو رسالت کا موضوع بھی توحید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی بات کو سمجھانے اور منوانے پر سب سے زیادہ زور لگایا تھا تو وہ غیر اللہ کی خدائی اور باطل معبودوں کی

پرستش کا خاتمہ تھا اور تنہا ایک اللہ ہی کی بندگی کا عزم واقرار۔ رسول اللہ ﷺ دنیا میں آئے ہی اس لئے ہیں کہ غیر اللہ کی بندگی کا خاتمہ کر دیں اور حق کا احقاق اور عبادت میں اللہ کی یکتائی تسلیم کروائیں اور پھر جب وہ یہ اعتراف کر لیں تو عملاً لوگوں کو اللہ کی بندگی کا طریقہ سکھائیں۔ چنانچہ توحید کے جاتے رہنے سے رسالت پر ایمان بھی بے معنی ہو جاتا ہے۔

انبیاء کی دعوت کا اصل الاصول یہی ہے۔ خدا کے ماسوا پوجی جانے والی ہستیوں کے پوجا جانے کو بلند ترین آہنگ میں غلط کہنا اور پھر اللہ کی بندگی میں زیادہ سے زیادہ حسن پیدا کرنا۔ لہٰذا شرک سے براءت اور طاغوتوں سے عداوت انبیاء کا دین ہے إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ اور فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ یہ الفاظ قرآن مجید میں خدا کے اس نبی کی زبان سے کہلوائے گئے ہیں جس کی پیروی ان امور میں آج تک اور قیامت تک فرض ہے اور اسی کو ملت ابراہیم کہا گیا ہے۔

باطل کو اس کے عقیدے میں، اس کے نظریے میں، اس کی حقیقت اور اس کے مظہر میں چیلنج کرنا .. باطل سے ہر سطح پر الجھنا .. غیر اللہ کی خدائی کو برسر عام للکارنا، اللہ کے ساتھ اوروں کے پوجے جانے پر، اللہ کے ساتھ کسی اور کی تعظیم وتقدیس ہونے پر، اس کے سوا کسی اور سے دُعا والتجا ہونے پر اور اللہ کے سوا کسی اور کا قانون چلے تو اس پر برہم ہونا، خاموش نہ رہ سکنا، آواز جس حد تک ہو سکے بلند کرنا، اس پر کوئی سمجھوتہ نہ کرنا، اس کو ختم کرنے کے درپے ہونا، اس پر صبح شام بات کرنا، اس کی مخالفت کو اپنی پہچان بنا لینا .. انبیا کا طریقہ ہے۔ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔ محمد ﷺ کا راستہ ہے۔ فرقہ واریت نہیں!

لوگوں پر واضح کر دینا کہ اسلام کی بنیاد توحید ہے اور توحید کو کالعدم کر دینے کے بعد اپنے آپ کو اسلام پر سمجھنا ایک مغالطہ ہے .. لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرنا کہ رب العالمین کے ساتھ کوئی شرک کر لے تو وہ اسلام کی بنیاد منہدم کر دیتا ہے اور خدائے برحق کے ساتھ کسی اور کو پوج کر، کسی اور کو سجدہ کر کے، کسی اور کا قانون تسلیم کر کے اور کسی اور کو مدد اور حاجت روائی کیلئے پکار کر آدمی مسلمان نہیں رہتا بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے سب سے بڑے مقصد ہی کو فوت کر دیتا ہے اور اس لحاظ سے، شرک کا ارتکاب کر لینے سے، صرف اللہ کی وحدانیت پر ہی آدمی کا ایمان متاثر نہیں ہوتا بلکہ شرک کا ارتکاب دراصل رسالت کا بھی انکار ہے .. کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اگر

شرک کی حرمت نہیں بتائی تو پھر _ معاذ اللہ _ اُمت کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ بتایا ہی نہیں۔ چنانچہ لوگوں کو شرک کی اس خطرناکی سے خبردار کرنا اور کرتے رہنا اور کرتے چلے جانا، جب تک کہ وہ ختم نہیں ہو جاتا .. گروہ بندی نہیں۔ یہ کوئی جاہلانہ کام نہیں۔ یہ کوئی غیر علمی رویہ نہیں۔ یہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔ دین کے باقی جتنے فرائض ہیں اور جتنے عقائد ہیں وہ کسی نہ کسی انداز میں اسی ایک عقیدے اور اسی ایک فرض سے پھوٹتے ہیں اور اگر وہ اسی سے نہیں پھوٹتے تو وہ اپنے اصل سے پیوستہ نہیں۔

اسلام کے جتنے عقائد ہیں اور جتنے فرائض ہیں ان میں سے کسی بھی عقیدے اور کسی بھی فرض کی اپنی مستقل بالذات حیثیت نہیں، سوائے ایک توحید کے عقیدے اور توحید کے فرض کے۔ اللہ وحدہ لاشریک پر ایسا ایمان کہ جس سے پہلے غیر اللہ کا کفر کر دیا گیا ہو، وہ فرض ہے جو باقی سب فرائض کی جان ہے اور وہ عقیدہ ہے، جو باقی سب عقائد کی بنیاد ہے۔ یہ نہیں تو پھر رسالت نہ آخرت، تقدیر اور نہ فرشتے کسی چیز پر ایمان کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا۔ یہ نہیں تو پھر نماز نہ روزہ، حج اور نہ زکوٰت، کسی فرض کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتا۔ توحید ہے تو سب کچھ ہے توحید نہیں تو کچھ نہیں۔ توحید ہر بات سے پہلے اللہ کے ساتھ وفاداری کا اعلان ہے۔ توحید خدا کی مملکت میں رہنے کا دستور ہے۔ توحید خدا کا رزق کھانے کا جواز ہے۔ توحید انسان پر ایک ایک سانس کا حق ہے۔ توحید جہنم سے چھٹکارا ہے۔ توحید بہشت پانے کی اُمید ہے۔ توحید دُنیا میں سرفرازی ہے اور آخرت میں نجات اور سرخروئی۔ اس کے بغیر اسلام کیسا اور ایمان کیسا؟

فرائض میں توحید ہی وہ مستقل بالذات فرض ہے اور عقائد میں توحید ہی وہ مستقل بالذات عقیدہ ہے جو اسلام کے باقی سب فرائض اور سب عقائد کو معتبر یا کالعدم قرار دلوانے کی بنیاد ہے۔[1] اللہ پر ایمان، کہ جب غیر اللہ کی عبادت کا انکار کر دیا گیا ہو، ارکانِ ایمان کی ابتدا

(۱) اسلامی عقائد میں سے کسی عقیدہ کا انکار بھی باقی سب عقائد کو کالعدم کر دیتا ہے حتی کہ ایک رسول کا انکار سب رسولوں کا انکار ہے۔ مگر یہاں بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ توحید بطور خاص وہ عقیدہ ہے جس کے خاتمہ سے باقی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور مستقل بالذات ہونے سے مراد یہ ہے کہ باقی سب ایمانیات کو ایمان باللہ پر معطوف ہونے کی نسبت ہے۔ البتہ توحید خود اللہ پر ہی ایمان ہے

ہے۔ باقی سب ارکانِ ایمان اللہ پر ایمان کی نسبت سے ہی بیان ہوتے ہیں:

كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (البقرۃ: ۲۸۵) سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔

اُس کے فرشتے، اُس کی کتابیں، اُس کے رسول...... سب کو اُسی کی نسبت چاہیے اور وہ عظیم و برتر، صمد اور احد ہر نسبت سے بے نیاز!

ارکان ایمان (یعنی عقائد) میں پہلا رکنِ ایمان اور ارکان اسلام (یعنی فرائض) میں پہلا رکنِ اسلام توحید ہے۔ سو اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا عقیدہ بھی یہی ہے اور اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض بھی یہی ہے۔

توحید کو معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ بنا دینا پس انتہا پسندی ہے اور نہ گروہ بندی۔ توحید جانے سے ایمان چلا جانے کی بات کرنا فرقہ واریت ہے اور نہ غیر علمی رویہ۔ ہاں البتہ یہ سمجھنا کہ توحید چلی جائے تو بھی ایمان رہ جاتا ہے، ضرور ایک غیر علمی رویہ ہے بے شک یہ رویہ بہت سے پڑھے لکھوں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقوں کے ہاں کیوں نہ پایا جاتا ہو۔ غیر مہذب کہلانے کے ڈر سے اب کیا ہم دین کے حقائق کو بدل دیں؟ یہ اگر غیر شائستگی ہے تو اس کا طعنہ سننا ہمیں اس بات سے کہیں عزیز تر ہوگا کہ خدا کے ساتھ ہونے والے شرک پر ہم اس رواداری کا مظاہرہ کریں جس کا ہم سے ملکی میڈیا تقاضا کرے یا جس کا یہاں جاہلی ماحول ہم سے مطالبہ کرے۔ کسی سے کچھ بھی سن لینا ہمیں گوارا ہونا چاہیے البتہ اللہ کے حق پر حرف آئے ___ اور شرک سے بڑھ کر اللہ کو چیلنج کرنے والی بات کیا ہوسکتی ہے؟ ___ تو اس پر وسیع النظری اور روشن خیالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش رہنا اور جدید نظر آنے کے شوق میں اس ظلمِ عظیم کو سہہ جانا ہمیں کسی طرح گوارا نہیں ہوسکتا۔ کسی عام گناہ کی صورت میں اللہ کی نافرمانی کو اپنے سامنے ہوتا دیکھ کر اس پر کڑھنا اگر ایمان کا کم ترین درجہ ہے تو اپنے سامنے شرک ہوتا دیکھ کر تکلیف تک محسوس نہ کرنا کیا کہلائے گا؟؟؟

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا 13) تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کیلئے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟

– نوح

مسئلہ اللہ کے حق کا ہو، معاملہ غیر اللہ کی خدائی کا ہو، قضیہ خدائے برحق کے سوا اوروں کے پوجے جانے کا ہو تو کیا اس وجہ سے خاموشی اختیار کر لی جائے کہ آج اس بات پر بولنے کا رواج نہیں!؟ کیا اس باطل کے خلاف آواز اٹھانے کا خیال اس ڈر سے چھوڑ دیا جائے کہ کوئی آپ کو انتہا پسند کہہ دے گا!؟ غیر اللہ کی عبادت اور تعظیم پر لوگوں کو جہنم کے عذاب سے خبردار کرنا اس خدشہ سے ترک کر دیا جائے کہ شدت پسندی کا الزام آ جائے گا!؟ اور کیا انبیاء کو تو، ان کے اپنے دور میں جنونی نہیں کہا گیا؟؟؟ انبیاء کو _ معاذ اللہ _ معاشرے میں پھوٹ ڈالنے والا نہیں کہا گیا؟؟ انبیاء کو صابی (بے دین اور منحرف) نہیں کہا گیا؟ تو پھر کیا ہے اگر آج ہم پر ہمارے اپنے دور کی جاہلیت اپنے من پسند الزام لگائے! شرک اگر ہمارے معاشرے میں موجود ہے اور ہم اگر اس شرک کے آڑے آنے میں نبیوں اور رسولوں کے راستے کی پیروی کرتے ہیں تو ہمارے دور کے مَلأ (elite) بھی _ جو کہ معاشرے کو رجحانات (trends) دیتے ہیں _ ہمارے بارے میں بھی ضرور پھر ایسے القاب نشر کریں گے جن سے ہول کھا کر ہم شرک کے خلاف اور طاغوت کے نظام کے خاتمہ کیلئے آواز اٹھانے میں شرم محسوس کریں اور جن سے شرما کر معاشرے میں اچھا اور معقول نظر آنے کیلئے ہم اس باطل سے خاموشی اختیار کر لیں جس کا چلن ہو جانا جاہلیت کو ہر قیمت پر مطلوب ہے۔

مگر یہ سبق بھی تو آخر اسی توحید کا ہے کہ خوف ایک اللہ کا اور ڈر صرف اس بات سے کہ آدمی اس کی نگاہ سے گر جائے۔ دنیا کسی کو عزت دے سکتی ہے اور نہ ذلت۔ رسوا وہ ہے جو خدا کی نگاہ میں نہ جچ پائے۔ کمتر وہ ہے جو خدا کے حق میں بولنے سے عاجز ہے نہ کہ وہ جو خدا کے حق کی خاطر دُنیا کے کسی با اثر طبقے کی پسندیدگی و ستائش کو ٹھکرا دے۔ معاشرہ کبھی اسلامی ہو بھی تو ماحول کو خوش کرنا ایک مسلمان کا اصل مطمع نظر نہیں ہو سکتا کجا یہ کہ معاشرہ شرک پر خاموش رہنا قبول کئے بیٹھا ہو اور تب _ اس حالت میں _ آدمی ان طعنوں سے ڈرے جو یہ معاشرہ یا معاشرے کی فکری و ثقافتی قیادت اس کو حق بات سے روکنے کیلئے دے گی!؟

خدائے وحدہ لاشریک کو تنہا لائق بندگی جاننے پر اور طاغوت کی بندگی کے خلاف آواز اٹھانے پر خدا کے بندوں کو بہت بہت بلیغ پیرایوں میں اور نئے سے نئے القاب کی صورت کمتری

کے طعنے دینا .. یہ ہر دور کی جاہلیت کی رسم رہی ہے۔اس نے اپنا نقصان ہوتا بھانپ کر ہمیشہ ہی موحدین کر کوسنے دیے ہیں۔ جاہلیت کو اپنی یہ رسومات ہر دور میں عزیز رہی ہیں۔اس کے ڈر سے اہل توحید پھر اپنی سنت کیوں چھوڑیں!؟

طعنے اور کوسنے، چاہے کتنے بھی عصری انداز میں ہوں، ایک مسلمان کو اداءِ فرض سے کیونکر روک سکتے ہیں۔شرک اگر شرک ہے تو پھر اس کے خلاف آواز اٹھانا ایک شرف ہی کی بات ہے۔ اس شرف کو پانے سے آدمی ڈرے اور وہ بھی جاہلیت کے طعنوں سے؟ شدت پسندی یا گروہ بندی یا پسماندگی یا قدامت پسندی کا الزام آجانے سے آدمی مرعوب ہو اور ویسے دنیا کو بدل دینے کا داعی بھی ہو! ایسے کتنے بھی القاب جاہلیت کی جانب سے ایک داعی توحید کیلئے نشر کر دیئے جائیں، اسے اس کی کیا پرواہ؟ خدا کو خوش کرنے کی یہ کوئی قیمت نہیں۔ظلم یہ ہوگا کہ آدمی خدا کے دین کیلئے اتنی سی قیمت دینے پر بھی تیار نہ ہو اور اللہ کی بجائے لوگوں سے ڈرے۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ 44) – المائدة

پس تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور میری آیات کو ذرا سے معاوضے کیلئے مت بیچو۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

****

سبحان اللہ! دعوتِ توحید پر فرقہ واریت کا گمان !!! یہ تاثرات ہی کی تو بات ہے ! مگر جیسا کہ ہم نے کہا اس کا الزام صرف اغیار کو نہیں جاتا۔ہم خود بھی ان تاثرات کے تشکیل پا جانے کے ذمہ دار ہیں۔

دعوت دراصل جس چیز کا نام ہے وہ ہے تاثرات کی جنگ لڑنا اور رجحانات پر غالب آنے کی سرتوڑ کوشش کرنا۔ یہ جنگ موحدین کو ہمیشہ لڑنا پڑی ہے۔اس سے کبھی کسی دور میں مفر نہیں۔

طعنوں اور کوسنوں سے بے نیاز ہو جانے کا بہرحال مطلب یہ نہیں کہ آپ معاشرتی رجحانات کی جانب سے آنکھیں بند کر لیں اور حق کی دعوت کے گرد جو تاثرات بُنے جا رہے ہوں

اور معاشرے میں دعوت کا راستہ روکنے کو آگے بڑھ رہے ہوں ان سب سے بڑے آرام کے ساتھ صرف نظر کئے رکھیں اور سمجھیں کہ ایک موحد کو تو بس اپنے کام سے کام رکھنا ہے اور ہر طعنے اور کوسنے سے بے نیاز ہو جانا ہے! دعوت توحید آدمی کے ثبات واستقامت کی آزمائش ہے تو آدمی کے زیرک پن اور معاشرے پہ اس کے موثر ہونے کی صلاحیت کا امتحان بھی ہے۔ بے نیاز نہ اِس سے ہوا جا سکتا ہے اور نہ اُس سے۔ یہ واقعتاً ایک چومکھی جنگ ہے۔

پس یہ لازم ہے کہ وہ سب تاثرات جو اسلامِ خالص کی راہ میں حائل ہیں داعیانِ اسلام ان میں سے ایک ایک تاثر کا جائزہ لیں۔ان کے پیچھے کارفرما اسباب کا تجزیہ کریں اور ان کا ممکنہ حد تک ازالہ کردینے کی سرتوڑ کوشش۔ نہ صرف ان اسباب کا قلع قمع کریں جو خود ان کی جانب سے یا ان کے اصحاب کی جانب سے ناسمجھی کے باعث پیدا کردیے گئے ہوں بلکہ ان اسباب کا بھی ممکنہ حد تک ازالہ ضروری ہے جو دوسری طرف سے بڑی سمجھداری کے ساتھ پیدا کئے جاتے ہیں۔ جنگ کے اس پہلو سے صرف نظر بھی ہرگز ممکن نہیں۔

یہ معاملہ خود ہمارے لئے کچھ کم فکرمندی کا نہ ہونا چاہیے اور اس پر بے حد سوچ بچار کی ضرورت ہے کہ دعوت توحید کا معاشرے میں ایک فرقہ وارانہ تاثر کیوں بننے دیا گیا اور اس تاثر کے ازالہ کی کیا صورت ہے۔

موحدین کو اس سوال پر بہت زیادہ سوچ بچار کرنا ہے۔

****

رہی فرقہ واریت تو وہ اسلام میں بے انتہا مذموم ہے ..

ایک چیز جو اہل اسلام کے ہاں بھی مبغوض ہے مگر کسی وجہ سے جاہلیت بھی صبح شام اس کی مذمت کرتی ہے تو سب سے اہم بات دیکھنے کی وہاں یہ ہوگی، بلکہ اسی کو واضح کرنے پر جان کھپانے کی ضرورت ہوگی، کہ ہم اس کی کیا تعریف کرتے ہیں اور جاہلیت اس کا کیا مطلب لیتی ہے۔ عین ممکن ہے الفاظ کے پردے میں لوگ اس فریق کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہوں جس کے ہاتھ میں

میڈیا کی طاقت ہے۔

کیا یہ معاملہ نظر انداز کر دینے کا ہے؟

ایک ایسی اصطلاح کا معاملہ نازک ترین ہو جاتا ہے جس کے مفہوم پر طرفین میں ایک بڑا تنازعہ ہو۔ اس معاملے کی نزاکت کو نظر انداز کر دینے سے آپ فریق مخالف کے مقاصد کی برآری کا خود بخود ذریعہ بن جاتے ہیں خصوصاً ایک ایسے فریق کے مقاصد کی جو صورتحال پر قابض ہو اور status quo کو بحال رکھنا چاہتا ہو۔ البتہ اپنی قوم پر، حتی کہ دنیا کے سمجھداروں پر، ایک ایسی اصطلاح کا مفہوم درست کر کے ___ جس پر کہ آپ کی بہت محنت ہوگی ___ آپ معاملے کو اپنے حق میں بھی لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ مفہومات اور اصطلاحات کی جنگ ہی سب سے کاری ہے اور دعوت کا یہ ایک بڑا محاذ۔

فرقہ واریت کی اصطلاح کا بھی کچھ یہی معاملہ ہے۔ سب اس کو بُرا جانتے ہیں۔ مگر پھر بھی اس کی بابت بہت کچھ کہا جانا باقی ہے۔

فرقہ واریت بے انتہا بُری ہے۔ مگر اس بات کا تعین کہ وہ ہے کیا بلا، ہمیں جاہلیت نہیں کر کے دے سکتی۔ جاہلی میڈیا یا سرکاری تقریبات یا لوگوں کے سیاسی بیانات کو اس موضوع پر سند نہیں مانا جا سکتا۔ یہ بات ہمیں اپنے ہی دین کے مصادر سے سمجھنا اور سمجھانا ہے۔ جاہلی تعریفات کو حَکَم arbiter مان لیا جانا ایک ایسی پسپائی کا آغاز ہوگا جو پھر کہیں ختم نہ ہو۔ نہ ہی ان جاہلی تعریفات کو سنا جاتا رہنے کیلئے میدان خالی چھوڑا جا سکتا ہے۔

اب آئندہ صفحات میں ہم اسی پر کچھ بات کریں گے۔

****

---

(۱) مذکورہ بالا مضمون بمع کچھ ترمیم واضافہ الگ سے بطور کتابچہ بھی دستیاب ہے، جس کا مقصد دعوتی فائدے کیلئے اس مضمون کی تقسیم عام کو آسان بنانا ہے۔

فصل ہفتم

فرقہ واریت ہے کیا؟

ایک چیز کے معنی ومفہوم کی تحدید ہوئے بغیر اس کی تعریف یا مذمت کی گردان ہونے لگ جائے تو عموماً یہ کسی فکری واردات کا سبب بن جاتی ہے۔فرقہ واریت ایسی ہی ایک اصطلاح ہے جس کی مذمت کا ڈھنڈورا بہت پیٹا جاتا ہے مگر اس کا مطلب بہت کم لوگ بتا سکتے ہیں۔ یا یوں کہیے جس کی مذمت کرنے پر سب کو لگا دیا گیا ہے مگر اس کے مفہوم کا تعین چند لوگوں کا کام ہے!

فرقہ واریت کو آج تک کوئی شخص اچھا کہتے نہیں سنا گیا۔سوال یہ ہے کہ اس کا معنی کون متعین کرے؟

تفرقہ کی مذمت قرآن میں کی گئی ہے۔احادیث میں اس کی شناعت بیان ہوئی ہے۔مگر قرآن اور احادیث کے اندر کیا یہ اسی معنی میں مذموم ہے جس معنی میں اس کی مذمت ہمارا میڈیا کرتا ہے اور جس معنی میں اس کی مذمت ہمارے عوام اور خواص کے یہاں ہوتی ہے یا پھر تفرقہ سے قرآن اور احادیث کی مراد اس سے مختلف ہے جو تفرقہ کے لفظ سے یہاں ہمارا معاشرہ مراد لیتا ہے؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تفرقہ سے متعلق ہم کچھ ایسے علمی مصادر سے رجوع کر لیں جو اُمت کے ہاں تاریخی طور پر معتبر جانے جاتے ہیں تا کہ معلوم ہو کہ مفسرینِ امت تفرقہ کی کیا تفسیر کرتے ہیں اور آپ کا میڈیا اس کی " تفسیر " کیا کرتا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (104)	تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو خیر کی طرف بلائیں، امر بالمعروف کریں اور نہی عن المنکر۔ یہی لوگ فلاح پائیں گے۔
وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ	کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلے کھلے دلائل آ جانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا

وَأُولَـئِكَ لَهُـمْ عَـذَابٌ عَـظِـيـمٌ 105)	ہوئے۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے ایک بڑا عذاب ہے جس
يَـوْمَ تَبْيَـضُّ وُجُـوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا	دن کچھ چہرے روشن وشاداب ہوں گے اور کچھ کا منہ کالا
الَّـذِيـنَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ	ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) کیا نعمت
إِيـمَـانِـكُـمْ فَـذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ	ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ روش اختیار کی؟ اب
تَـكْفُرُونَ 106) وَأَمَّـا الَّـذِيـنَ ابْيَضَّتْ	اس کفر کے صلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔ رہے وہ لوگ جن
وُجُـوهُهُـمْ فَـفِـي رَحْـمَةِ اللَّـهِ هُمْ فِيهَا	کے چہرے روشن ہوں گے تو وہ اللہ کے سایہء رحمت میں
خَالِدُونَ 107) – آل عمران	ہوں گے اور (پھر) ہمیشہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے

آیئے دیکھتے ہیں ان آیات کی تفسیر میں امت کے مشہور ترین مفسر امام ابن کثیرؒ کیا کہتے ہیں:

> اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میں ضرور ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے معاملے کو لے کر کھڑا ہونے پر متعین ہو جائے (وَأُولَـئِكَ هُـمُ الْـمُـفْـلِـحُـونَ *یہی لوگ فلاح پائیں گے*) ضحاک کہتے ہیں: یہ صحابہ اور رواہ حدیث میں سے خواص ہیں جو جہاد اور علم کا حق ادا کرتے رہے۔ ابوجعفر باقر کہتے ہیں: رسول اللہ نے آیت (ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر *تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو خیر کی طرف بلائیں*) پڑھی پھر فرمایا: (یہاں) خیر (سے مراد) ہے قرآن اور میری سنت کی اتباع۔ اس کو ابن مردویہ نے روایت کیا۔
>
> اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اس اُمت کا ایک گروہ اس (دعوت الی الخیر وامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی) ذمہ داری کو اٹھائے رہے اگرچہ یہ بات اُمت کے ہر فرد پر ہی حسب استطاعت فرض ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: *تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اسے چاہیے کہ اُسے ہاتھ سے روکے۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اس کی استطاعت نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے* جبکہ ایک روایت کے الفاظ ہیں: *اس کے بعد رائی برابر بھی ایمان نہیں۔*

امام احمد حضرت حذیفہ بن الیمان سے روایت کرتے ہیں کہ نبی نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرو گے یا پھر ضرور اللہ تعالیٰ تم پر اپنے ہاں سے ایک سزا بھیجے گا پھر تم اس کو پکارو گے مگر تمہاری سنی نہ جائے گی بروایت مسند احمد، ترمذی وابن ماجہ۔

(وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ کہ "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلے کھلے دلائل آ جانے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہوئے") یہاں اللہ تعالیٰ اس امت کو ممانعت فرما رہا ہے کہ یہ بھی پچھلی امتوں کی طرح ہو جائے جو کہ افتراق اور اختلاف کا شکار ہوئیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھیں۔ جبکہ ان پر حجت قائم ہو چکی تھی۔ امام احمد عبداللہ بن یحیی سے روایت کرتے ہیں، کہا: ہم نے معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ حج کیا۔ جب مکہ آئے تو (معاویہؓ) نماز ظہر ادا کرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دونوں اہل کتاب اپنے دین کے اندر بہتر بہتر فرقوں میں بٹے۔ یہ اُمت تہتر راستوں _یعنی اھواء_ میں بٹ جائے گی۔ سب کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ سوائے ایک کے جو کہ (اصل) جماعت ہوگی۔ اور میری اُمت میں بہت سے ایسے گروہ ہوں گے جن میں (مبنی بر بدعت) اھواء وخواہشات یوں سرایت کر جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹے میں اس کا زہر سرایت کر جاتا ہے۔ اس کی کوئی رگ کوئی جوڑ اس کے اثر سے سلامت نہیں رہتا۔ اے عرب کے لوگو! اللہ کی قسم اگر تم اس وقت اپنے نبی کے لائے ہوئے (دین) کو لے کر کھڑے نہ ہوئے تو دوسرے لوگ بالاَولیٰ یہ کام کرنے والے نہ ہوں گے (يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ "جس دن کچھ چہرے روشن وشاداب ہوں گے اور کچھ کا منہ کالا ہوگا۔ جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) کیا نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ روش اختیار کی؟ اب اس کفر کے صلہ میں عذاب چکھو") یعنی روز قیامت اہل

سنت وجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت وتفرقہ کے چہرے سیاہ ہونگے۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس نے کی ہے۔

تفسیر ابن کثیر کی عبارت ختم ہوئی (۱)

آیت (وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۲) "کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلے کھلے دلائل آ جانے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہوئے۔ یہی لوگ ہیں جن کیلیئے ایک بڑا عذاب ہے") کے تحت تفسیر قرطبی میں آیا ہے:

یعنی یہود ونصاری کی طرح مت ہو۔ یہ جمہور مفسرین کا قول ہے۔ ان میں سے بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد اس اُمت میں سے اہل بدعت ہیں۔ (۳)

سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۳ (۴) کی تفسیر میں امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں فرمایا ہے (وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

---

(۱) دیکھیے مختصر تفسیر ابن کثیر۔ اختصار الشیخ محمد کریم راجح۔ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت۔ لبنان، جزو اول ص ۱۵۰، ۱۵۱

(۲) آیت کا حوالہ شروع میں گزر چکا

(۳) دیکھیے تفسیر قرطبی جلد چہارم صفحہ ۱۴۷ مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ

(۴) كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (البقرة 213)" انسانیت ایک ہی جماعت تھی .پھر (اختلاف ہوجانے کے بعد) اللہ نے نبی بھیجے خوشخبریاں دینے والے اور انذاریں کرنے والے، اور اللہ نے ان (انبیاء) کے ساتھ کتاب نازل کی کہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ فرمادے۔ اس میں اختلاف دراصل انہی لوگوں نے، باہم سرکشی کرتے ہوئے، کیا جن کو یہ کتاب ملی تھی جبکہ ان کے پاس بینات آچکی تھیں محض آپس میں دھونس رکھتے ہوئے .پھر اللہ نے ایمان والوں کو ہدایت دی اپنے اذن سے اس معاملے میں جس میں انہوں نے (زیادتی کرنے والوں نے) اختلاف کرلیا تھا .اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا ہے"

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ "اللہ نے ان (انبیاء) کے ساتھ کتاب نازل کی کہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ فرمادے۔اس میں اختلاف دراصل انہی لوگوں نے، باہم سرکشی کرتے ہوئے، کیا جن کو یہ کتاب ملی تھی جبکہ بینات ان کے پاس آچکی تھیں') .. یعنی ان پر حجتیں قائم ہو چکنے کے بعد،جس کا سبب ان کی باہم زیادتی وسرکشی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا(فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ "چنانچہ اللہ عزوجل نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو اختلافات میں سے ہدایت نصیب فرمادی'') یعنی بوقت اختلاف وہ لوگ اسی مذہب پر قائم رہے جو اختلاف پیدا ہونے سے پہلے (انکے) انبیاء لے کر آئے تھے،ایک اللہ کیلئے دین کو خالص کیئے رہے، بلاشرکت غیرے اس کی عبادت پر کاربند رہے،نمازوں کو قائم اور زکوٰت ادا کرتے رہے اور اس طریقے سے اس پہلے والے منہج پر ہی قائم رہے جو اختلاف وتفرقہ ہونے سے قبل موجود تھا اور اختلاف سے دور اور کنارہ کش رہے اور قیامت کے روز لوگوں پر گواہ ٹھہرے۔

تفسیر ابن کثیر کی عبارت ختم ہوئی [۱]

سورہ الانعام کی آیت (إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ 159) "جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقوں میں بانٹ دیا اور ٹولوں میں منقسم ہو گئے تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں،ان کا معاملہ اللہ ہی کے سپرد ہے پھر وہی ان کو بتائے گا کہ یہ کیا کرتے رہے ہیں'') کی تفسیر میں امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

(وَكَانُوا شِيَعًا " اورٹولے فرقے بن گئے ') یہ لوگ خوارج ہیں۔بعض مفسرین کا قول ہے یہ اہل بدعت ہیں۔جبکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت ان سبھی لوگوں کو شامل ہے جو

---

(۱) دیکھیے تفسیر ابن کثیر بسلسلہ آیت ۲۱۳ سورہ البقرہ

دین کو چھوڑتے اور اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ (۲)

چنانچہ تفرقہ سے مراد، متقدمین اہل علم کے نزدیک، اس راستے کو ترک کرنا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ تفرقہ سے مراد مفسرین ومحدثین کے نزدیک اہل "بدعت" ہیں اور "اہل اھواء"۔ کیونکہ دین میں ایک نیا راستہ ایجاد کرکے آدمی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے راستہ سے خود بخود علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ "تفرقہ" بنیادی طور پر "حق اور اہلِ حق سے علیحدگی" ہے۔

"اہل بدعت" سے مراد:

مگر واضح رہے کہ اہل بدعت سے مراد یہاں ہر وہ شخص نہیں جو کسی عملی بدعت (۱) کا شکار ہے۔ گو عملی بدعات بھی بُری ہیں مگر "اہلِ تفرقہ" سے مراد یہاں اس سیاق میں ___ اوراہلِ سنت کے

---

(۱) دیکھیے تفسیر ابن کثیر بسلسلہ آیت ۱۵۹ سورہ الانعام

(۲) جیسے مثلاً لوگوں میں یہ بحث کہ نماز کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے یا نہیں، اذان سے پہلے یا بعد بلند آواز درود پڑھنا، نماز تسبیح با جماعت پڑھی جانا، جنازہ سے متعلق بعض امور جن کا سنت سے ثبوت ہونے پر لوگوں میں نزاع ہو جاتا ہے یا اسی طرح کے کچھ دیگر اعمال جن کے ثبوت میں یا تو بودی روایات پائی جاتی ہیں یا بے حد ضعیف استدلال، وغیرہ وغیرہ .. اس انداز کے فقہی وعملی مسائل میں اگر آپ کے نزدیک کوئی چیز بدعت ہے تو یہ وہ "بدعت" پھر بھی نہیں جو ہمارے اس سیاق میں مراد ہے، بلکہ ان عملی بدعات کی بابت یہ وضاحت ہو جانا ضروری ہے کہ جب ہم "اصولِ دین" اور "اصولِ سنت" کا بیان کرتے ہیں تو ان مباحث کے ضمن میں ہمارے یہاں "بدعت" سے عموماً یہ مراد نہیں ہوتی۔ یہ بات واضح نہ رہے تو سلف اور علمائے سنت کے بہت سے اطلاقات آدمی پر واضح نہیں رہتے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے مخلص لوگ آج اس موضوع پر ایک خلطِ مبحث کا شکار ہو رہے ہیں۔ اہلِ بدعت سے مخاصمت اور عداوت کی بات جب وہ متقدمین کی کتب میں پڑھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو عمل کے بعض چھوٹے موٹے انحرافات کو دوسروں کی دیکھا دیکھی یا قلتِ تحقیق کے باعث دین سمجھ کر اختیار کر لیتے ہیں۔

کتبِ سنت مانند کتاب السنہ از امام احمد بن حنبل یا لالکائی سب میں جب لفظ "اہل بدعت" یا "اہلِ اھواء" استعمال ہوتا ہے تو وہاں وہ لوگ مراد نہیں ہوتے جو بعض ایسی عملی وفقہی غلطیوں میں پڑے ہوں اور جو بعض نصوص کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

عمومی مباحث میں ___ وہ اہلِ بدعت ہیں جو ایک ایسی اعتقادی بدعت کو اختیار کرتے ہیں جس کا صحابہ وسلف کے راستے سے اصولی تصادم ہونا اہلِ حق کے نزدیک واضح اور معلوم ہو۔ جیسے خوارج، روافض، مرجئہ، جہمیہ، معتزلہ اور شرکیہ وخرافاتی تصوف (۱)، قبر پرست اور 'اہلِ قرآن' (۱) وغیرہ۔ یہ تو ہوئے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) =

عموم کو کھینچ کریا پھر بعض ضعیف اور غیر ثابت احادیث کو بنیاد بنا کر کچھ عملی تجاوزات کے فاعل ہوں۔ "اصولِ اہلسنت" کے ان ترجمانوں کی مراد بالعموم وہاں "عقائدی" قسم کی ایک خطیر بدعت سے ہوتی ہے۔ ہماری اپنی تحریروں میں بھی جہاں ''اہل بدعت'' کا لفظ استعمال ہوا اور سیاق وہاں "اہلسنت" سے مغایرت اور مخاصمت کا ہو، وہاں ہماری مراد وہ فکری وعقائدی بدعات ہی ہوتی ہیں جن کی کچھ خطرناک مثالیں اوپر متن کی عبارت میں آ رہی ہیں، نہ کہ وہ بعض عملی اشیا جن میں کچھ لوگ غلطی کا شکار ہو گئے ہوں، گو ان عملی بدعات کی سنگینی کم کرانا ہمارا مقصد نہیں۔

مزید مثال کیلئے .. آپ اس پر یقیناً بات کر سکتے ہیں آیا مثلاً سورۃ الاعلی میں "سبح اسم ربک الاعلی " کے بعد مقتدی کیلئے "سبحان ربی الاعلی " کہنے کا ثبوت ہے یا نہیں۔ یہ آپ کے نزدیک روایتاً یا استدلالاً اگر ثابت نہیں اور آپ اس کو دین کے اندر ایک اضافہ سمجھتے ہیں اور اس صورت میں آپ کو اس سے اجتناب بھی ضرور کرنا چاہیئے پھر بھی یہ اس زمرے میں نہیں آتی جو "اصولِ اہلسنت" کے بیان کے ضمن میں "بدعت" سے مراد لی جاتی ہے اور جس کی اگر آپ کو مثال چاہیئے تو یہ کہ جیسے مثلاً کوئی بدبخت صحابہ سے بغض کو خدا کے تقرب کا ذریعہ سمجھے، یا مثلاً خدا کی صفات کی نفی وتعطیل کو "دینِ محمدؐ" سمجھے، یا قرآن کو مخلوق کہے، یا مرے ہوؤں کو مدد یا رزق یا اولاد کیلئے پکارنے کو دینِ اسلام کے موافق جانے، یا دین کو نظامِ مملکت سے بے دخل کر دینے کو برحق جانے، وغیرہ وغیرہ۔

"اصولِ اہلسنت" کے ضمن میں لفظِ "بدعت" اور "اہواء" کے اس درست اطلاق کو نہ جاننے کے باعث یہاں جو ایک خلطِ مبحث پایا جاتا ہے اس کے باعث ''افراط'' کر بیٹھنے والا طبقہ "تفریط" والوں کو اس شبہہ میں مبتلا کر دینے کا سبب بنا ہے کہ یہاں پائے جانے والے حقیقی اہلِ بدعت وضلالت کی بابت بھی ان کا جو ایک سرد مہری اور بے حسی کا رویہ ہے وہ کچھ اتنا غلط نہیں!

یہ خلط قریب قریب ایسا ہی ہے جیسے مثلاً کوئی شخص کفرِ اصغر کو کفرِ اکبر کے ساتھ گڈمڈ کر لے اور پھر سلف کے اطلاقات کو اسی کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرے۔ تب ایک فریق "کفرِ اکبر" پر بھی "کفرِ اصغر" والی چھوٹ دینا ایک علمی رویہ باور کرتا ہو اور دوسرا فریق "کفرِ اصغر" پر بھی "کفرِ اکبر" والی پکڑ کرنا حمیتِ ایمانی کا تقاضا سمجھتا ہو! ایسے ماحول کے اندر "اصطلاح" کا فرق سمجھانے والوں کا میسر آ جانا ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہو سکتی ہے!

(۱) تصوف کی وہ صورتیں یہاں مقصود نہیں جن کے حامل شرک سے اجتناب کرتے ہیں اور شریعت کا التزام۔

(۲) مراد ہیں وہ جو قرآن کے علاوہ دینِ اسلام میں کسی چیز کو نہیں مانتے، خصوصاً سنتِ رسول اللہ ﷺ کو۔

پرانے دور کے گمراہ بدعتی فرقے۔ موجودہ دور کے فتنوں میں اُمت کے بہت سے معتبر علماء مثلاً مصر کے مشہور محدث علامہ احمد شاکر، مفتیِ حجاز شیخ محمد بن ابراہیم، شیخ ابن باز، شیخ ناصرالدین البانی، ابنِ جبرین، حمود العقلا، بکر ابوزید، سفرالحوالی، جعفر شیخ ادریس، ناصرالعمر اور محمد قطب سمیت علمائے سنت و ماہرینِ عصر کا ایک جمِ غفیر ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں مگر سماجی علوم اور نظامہائے مملکت کے معاملے میں سیکولر نظریات کے پیروکار ہیں، بدعتی ٹولوں میں شمار کرتے ہیں۔ 'مسلم سوشلسٹوں' کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا جاتا رہا ہے۔ مزید برآں موجودہ دور کے بدعتی ٹولوں میں نیچری، عقل پرست، ڈارونسٹ، قوم پرست، وطن پرست، ادب پرست، (رومانٹسٹ) حُسن پرست اور انسان پرست ایسے گروہوں (۱) کو بھی باعدہ طور پر شمار کیا گیا ہے اور اُمت کے اہل علم میں سے ایک بہت بڑی تعداد اس اعتبار کو درست سمجھتی ہے۔

یہ طائفے گمراہی اور شقاق پر ہیں۔ سبیل المؤمنین سے ان کی مفارقت ایک مقررہ امر ہے۔ نناوے فرقوں والی وہ حدیث جس میں امت کے اندر ایک فرقۂ ناجیہ کے باقی رہنے مگر کثیر تعداد فرقہ ہائے ہلاکت کے بھی رونما ہوتے رہنے کی بابت پیشینگوئی ہوئی ہے .. وہ حدیث اس دور کے کِبار علمائے سنت کے نزدیک ان جدید گمراہ طائفوں پر بھی اسی طرح منطبق ہوتی ہے جس طرح کہ قدیم فرقہ ہائے بدعت وضلالت پر۔

یہ سب ٹولے اہل تفرقہ ہیں کیونکہ حق سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں۔ ان سب کو جس حال میں وہ ہیں اکٹھا ہو جانے کیلئے کہنا اور اپنے اختلافات پر مٹی ڈالنے کی تلقین کرنا وحدتِ اُمت نہیں۔ ہاں البتہ ان کو حق پر لے آنے کی کوشش کرنا، ان کو احسن انداز میں دین کی حقیقت سکھانا اور پھر حق کی بنیاد پر ان کو مجتمع کرنا اور اس معنی میں اُمت کی شیرازہ بندی کرنا ضرور دین میں مطلوب ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ حق سے جہالت اس وقت معاشرے میں عام ہے اور کوئی شخص اگر کسی گمراہی پر

(۱) اس موضوع پر عربی میں لکھی گئی درمیانے حجم کی ایک انسائیکلوپیڈیا نما کتاب "الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة" مرتبہ "الندوة العالمية للشباب الإسلامي" کا مطالعہ کسی حد تک مفید ہوسکتا ہے۔ گو برِ صغیر کی بابت اس میں دیے گئے بعض مندرجات ہمارے نزدیک محلِ نظر ہیں۔

ہے تو اس کو سب سے پہلے علم کے حقائق سے روشناس کرانا ضروری ہے نہ کہ اس پر بدعتی ہونے کا فتوی لگانا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے راستے کو بہر حال گمراہی سمجھا جائے گا گو اس شخص سے، اس کی لاعلمی یا ان شبہات کے پیشِ نظر جن کا وہ شکار ہے، نرمی برتی جائے گی۔ حتی کہ اس شخص کو جب تک کہ وہ لاعلمی یا شبہات کا شکار ہونے کے باعث کسی گمراہی پر ہے اہلسنت کے دائرہ سے باہر بھی نہ جانا جائے گا اور اس سے خاطر تعلق بھی برقرار رکھا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی اُمت کا بے شمار بدعتی فرقوں میں بٹ جانا اور ہلاکت کا شکار ہونا احادیث کی ایک کثیر تعداد میں وارد ہوا ہے [1]۔ ان احادیث کو یونہی نظر انداز کر دینا یا ان روایات کے ذکر کو تفرقہ بازی کا سبب جاننا نہ تو علم کا تقاضا ہے اور نہ ہی دانش کا۔ (تہتر) فرقوں والی حدیث کی بابت امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح مشہور ہے اور سنن ومسانید کی کتابوں ابوداؤد، نسائی اور ترمذی میں روایت ہوئی ہے (فتاوی ابن تیمیہ ج ۳ ص ۳۴۵) مزید برآں ان احادیث کے صحیح ہونے کی تصریح امام حاکم، امام ذھبی، امام ابن حجر، امام شاطبی، مناوی، ابن ابی عاصم، سیوطی اور البانی رحمہم اللہ ایسے ائمہ حدیث نے کی ہے۔

ان سب احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے بذات خود یہ صراحت فرمائی ہے کہ یہ سب

---

(۱) فرقۂ ہائے ہلاکت کا مطلب، جیسا کہ علمائے سنت کے بیان سے واضح ہے، یہ نہیں کہ ان کی پھیلائی ہوئی گمراہی کا شکار ہر شخص جہنم میں جائے گا، بلکہ یہ کہ ایسے فرقہ کا راستہ وہ راستہ ہوگا کہ جو جہنم کا مستوجِب ہو۔ جہاں تک افراد کا تعلق ہے تو کچھ موانع مانند جہل، تاویل اور اکراہ کے باعث یا تکفیرِ سیئات کے کچھ دیگر عوامل پائے جانے کے باعث وہ وعید اُن سے ٹل بھی سکتی ہے۔ علمائے سنت کے نزدیک یہ بھی ضروری نہیں کہ ننانوے فرقوں والی حدیث میں مذکور جہنم میں پڑنا دائمی ہو۔ کچھ کے حق میں ہو سکتا ہے دائمی ہو اور یہ وہ جو حق سے مفارقت اس درجہ کی اختیار کر جائیں کہ صاف شرک میں جا پڑنے کے باعث خارج از ملت ہو گئے ہوں۔ جبکہ کچھ کے حق میں وقتی ہو اور یہ وہ جو حق سے مفارقت تو کر چکے ہوں مگر گمراہی میں اس حد تک نہ گئے ہوں کہ دائرۂ ملت پار کر جائیں۔ بہر حال "اصول سنت" ایک طویل موضوع ہے، یہاں اس کی تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ اس موضوع پر ہماری ترجمہ کردہ کتاب "اہلسنت فکر وتحریک" جو کہ بنیادی طور پر فتاوی امام ابن تیمیہ سے ماخوذ ہے پڑھ رکھنا فائدہ مند ہو سکتا ہے گو یہ اس باب میں پوری تشفی نہیں کرتی اور زیادہ واضح ومفصل لٹریچر اس خاص موضوع پر اردو میں لایا جانا ابھی باقی ہے۔

فرقے دوزخ کی راہ پر ہوں گے۔ یعنی ان کی راہ پر چلنا مستوجب عذاب ہوگا قطع نظر اس امکان سے کہ یہ عذاب وقتی ہو نہ کہ ہمیشگی کا، اور قطع نظر اس احتمال سے کہ کوئی شخص اپنی لاعلمی یا اپنے شبہات وتاویلات کے باعث اس راستے پر ہونے کے باوجود _ انفرادی حد تک _ معذور بھی ہوسکتا ہے.. البتہ ان کی راہ وہ راہ ہوگی جو آدمی کو جہنم میں پہنچا دے۔

پھر ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ نجات کا مستحق گروہ صرف ایک ہوگا۔ سوال کیا جانے پر آپ ؐ نے اس کا کوئی نام بتانے کی بجائے اس کا ایک وصف بیان فرما دیا:

من انا علیه و اصحابی یعنی وہ جو میرے راستہ پر ہوں اور میرے صحابہ کے راستے پر۔

تفرقہ یہ ہوگا کہ آدمی اس فرقۂ ناجیہ کے راستے سے مختلف راستہ اختیار کرلے۔

تفرقہ اور تنازُع کی بابت آپ متقدمین علماء ومحدثین اور فقہاء ومفسرینِ اُمت کی نصوص کا تتبع فرمائیں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ تفرقہ، جو کہ اسلام میں بہت بڑا گناہ ہے، دو صورتوں میں پایا جاسکتا ہے :

1- ایک یہ کہ جہاں شریعت ہرگز اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رکھے وہاں لوگوں کو اختلاف کرنے دیا جائے اور ہر ایک کو اپنی اپنی رائے پر چلنے دیا جائے۔

2- اور دوسری صورت یہ کہ جہاں شریعت اختلاف کی گنجائش رکھے وہاں اختلاف کی اجازت نہ دی جائے اور وہاں ہر آدمی دوسرے کو اپنے فہمِ کتاب وسنت یا اپنے مسلک پہ لے آنے پر ہی ضد کرے اور اسی کے باعث لوگوں سے الجھے۔

تفرقہ کی یہ دونوں صورتیں مہلک ہیں۔ بلکہ یہ دو انتہائیں ہیں۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد تفرقہ کی پہلی صورت میں ملوث ہے اور ایک خاصی بڑی تعداد اس کے بالمقابل تفرقہ کی دوسری صورت کا شکار ہے۔ یہاں ہم ان دونوں صورتوں کی کچھ وضاحت کریں گے۔

تفرقہ کی پہلی صورت:

یعنی جہاں اختلاف شرعاً حرام ہو وہاں اختلاف کی گنجائش رکھنا۔ وہاں اختلاف ہو جانے کو برداشت کرنا یا قدرت رکھتے ہوئے اس پر سکوت اختیار کرلینا۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد خاص

طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقوں میں سے دین پسند لوگ رواداری کے اس باطل مفہوم کا شکار ہیں۔ان حضرات کا عمومی مسلک یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان کو غلط نہ کہا جائے۔اپنے کام سے کام رکھا جائے اور کسی گروہ کے عقیدے پر بھی تنقید نہ کی جائے اور یہ کہ کوئی جیسا بھی اعتقاد رکھتا ہوا پنی اپنی جگہ سب صحیح ہیں۔کوئی شرک کرے، کوئی صحابہ سے بغض رکھے، کوئی معاذ اللہ خدا کی صفات کا تیا پانچہ کرے.. یہ اپنے اپنے اعتقاد کی بات ہے کسی کو اس کے اعتقاد کے معاملے میں نہ چھیڑا جائے!

یہ مسلک اگر ان معاملات میں اختیار کیا جائے جن میں شریعت کی جانب سے اختلاف کی گنجائش ہے تو بلا شبہ درست ہے۔مگر دین کے کچھ امور ایسے ہیں جو طے شدہ ہیں اور ان میں لوگوں کو اختلاف کی اجازت دینا تفرقہ کی بدترین صورت ہے اور اسلام کے حق میں صریح ترین جرم۔

وہ کونسے مسائل ہیں جن میں شریعت اختلاف کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتی؟ یہ اصولِ دین ہیں۔شریعت کے مسلّمات ہیں۔اسلام کے بنیادی حقائق ہیں۔صحابہ کا اجماع ہے۔وہ امور ہیں جو قرون اولی (ثلاثہ) میں متفق علیہ جانے گئے۔مثلاً شرک کی حرمت و شناعت، توحید کا وجوب، رسالت خصوصا ختم نبوت پر یقین، بقیہ ارکانِ ایمان، ارکانِ اسلام (شہادتین، نماز، زکوٰت، روزہ، حج) اور دین کے معلوم فرائض مثل امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور جہاد وغیرہ) انبیاء کی تعظیم، صحابہ واہل بیت کی حرمت، دین کے معلوم محرمات مثلاً سود، شراب، بدکاری، بے حیائی، فحاشی وغیرہ کو حرام اور لازم اجتناب جاننا، شریعت محمدی کے آگے ہر قانون، ہر دستور اور ہر نظام کا باطل وکالعدم ہونا اور ہدیِ محمد ﷺ کو ہر رسم، ہر سماجی قدر اور ہر کلچر کو موقوف کردینے کا حق ہونا وغیرہ وغیرہ۔

کوئی شخص اگر ان معاملات میں اختلاف کرتا ہے یا ان معاملات میں سے کسی معاملے کو اختلافی یا 'افہام وتفہیم' کا مسئلہ سمجھتا ہے تو وہ ظلم عظیم کا مرتکب ہے۔اصولِ دین میں اختلاف کی گنجائش کہاں؟ یہی تو تفرقہ اور شقاق اور نبی ﷺ کے ساتھ منازعت ہے۔

اُمت میں اگر کہیں شرک کے بعض افعال ہونے لگتے ہیں مثلاً اولیاء وصالحین کو حاجت روائی کیلئے پکارا جانے لگتا ہے، قبروں میں پڑے مردوں سے دُعائیں ہوتی ہیں، وحدت الوجود کی صورت میں خالق کو مخلوق سے ملا دیا جاتا ہے اور مخلوق کو خالق کے ساتھ یکجا کردیا جاتا ہے، اللہ کی

شریعت کے بجائے غیر اللہ کا قانون چلایا اور تسلیم کیا جاتا ہے .. تو شرک کے ان مظاہر سے صرفِ نظر کر لینا اور ان معاملات میں لوگوں کو اپنے اپنے اعتقاد پر چھوڑ دینے کو ضروری سمجھنا دراصل تفرقہ کی اجازت دینا ہے۔ ایسے مسائل میں کسی کو اختلاف کا حق دینا عین تفرقہ پروری ہے بلکہ یہ فرقہ واریت کی بدترین صورت ہے۔ علمائے سلف کے ہاں لفظِ 'تفرقہ' کا استعمال دیکھیں تو اس سے ان کی مراد ہی اصولِ دین کے اندر ''جماعتِ اسلام'' سے الگ راستہ اختیار کرنا ہے۔

کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کرتا ہے، کوئی جنسِ عمل کو ایمان سے مطلقاً خارج قرار دیتا ہے، کوئی رسول اللہ ﷺ کی سنت کو حجت ماننے سے انکاری ہے، کوئی دین کے معلوم حقائق کو اپنی عقل کی کسوٹی پر چڑھاتا ہے، کوئی نیچریت کے فلسفیوں سے متاثر ہو کر دین کے مسلمہ عقائد کو نظر ثانی کے قابل سمجھتا ہے، کوئی فرائڈ یا ڈارون یا ڈارکائم یا کارل مارکس ایسوں کی ضلالت کیلئے اسلام میں جگہ ڈھونڈتا ہے، کوئی سیکولرزم کو داخل اسلام کرنے کے درپے ہے، روافض یا خوارج کے مذہب پر چل کر کوئی صحابہ یا اہل بیت کی حرمت پر حرف آنا گوارا کرتا ہے یا ایسی کتب کو اپنے لئے مستند مرجع مانتا ہے جو امہات المؤمنین اور صحابہ کی توہین سے بھری ہوئی ہیں .. تو اس کو ایسا کرنے دینا دین کو مسخ کرنے کی اجازت دینا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے راستے سے علیحدگی کو جواز دینا ہے۔ ان گمراہ راستوں پر چلنے والوں کا اتحاد اسلام کو ہرگز مطلوب نہیں۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا وحدتِ اُمت نہیں۔ باطل پر چلنا بجائے خود تفرقہ ہے جیسا کہ (تہتر) فرقوں والی احادیث سے ثابت ہے۔ اس پر اگر آپ لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں تو یہ لوگوں کو ''تفرقہ پر اکٹھا کرنا'' ہے۔

چنانچہ آج بہت سے لوگ جس بات کو رواداری اور اتحاد بین المسلمین سمجھتے ہیں اور کسی کے صریح باطل راستے کو باطل کہہ دینا اجتماع کے منافی جانتے ہیں ان کا یہ طرز فکر عین تفرقہ پروری ہے بے شک وہ اس کو اتحاد اور یک جہتی کا نام دیں۔

تفرقہ کی دوسری صورت:

یعنی جہاں اختلاف کی شرعاً گنجائش ہو وہاں لوگوں کو اختلاف کا حق نہ دینا۔ وہاں بھی لوگوں کو ایک خاص رائے پر چلنے کا پابند کرنا اور اگر وہ اس پر نہ چلیں تو ان سے لڑائی بھڑائی کو روا رکھنا

اوران سے اس طرح پیش آنا جس طرح کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ پیش آیا جاتا ہے۔ یہ ایک دوسری انتہا ہے اور بہت سے متشدد لوگ تفرقہ کی اس صورت کا شکار ہیں۔

علماء وفقہائے اُمت کی غالب ترین اکثریت، بشمول حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری اور اہل الحدیث وغیرہ وغیرہ ایسے فقہی مسالک کو فرقہء ناجیہ میں شمار کرتی آئی ہے۔ یہ کئی فرقے نہیں دراصل ایک ہی فرقہ ہے اوران سب کا ایک سے علمی اور شرعی مصادر پر اتفاق ہے۔ علما وفقہائے اُمت کے ہاں صدیوں تک یہ اعتبار قائم رہا ہے۔ کسی کے ہاں عقیدہ کی ہی کوئی بڑی خرابی ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ فقہی مذاہب اُمت کے معتبر مذاہب ہیں اور فقہی اختلاف کے باوجود یہ ایک جماعت ہیں اور سب کے سب "اہل سنت وجماعت" کی ذیل میں آتے ہیں۔ ان کا اختلاف وہ اختلاف ہے جس کی عمومی معنی میں علمائے اُمت کے ہاں گنجائش جانی گئی ہے۔ بنیادی طور پر یہ نصوص کے فہم اور ترجیح اور استقصاء میں ہونے والا اختلاف ہے۔ اجتہادی مسائل میں ہونے والا اختلاف ہے۔ یہ اختلافِ مذموم نہیں بلکہ اصطلاحی طور پر یہ اختلافِ سائغ ہے۔

نصوص کے فہم وجمع کے اندر صحابہ تک میں اختلاف ہوا۔ علماءِ صحابہ کے فتاوی ایک دوسرے سے مختلف ہوئے۔ کسی نے دوسرے سے اپنی رائے منوانے پر اصرار نہیں کیا۔ یہی طرز عمل تابعین اور اتباع تابعین میں چلتا رہا۔ کسی نے ایک دوسرے کو اپنے سے مختلف رائے رکھنے پر، بُرا بھلا نہ کہا۔ کسی نے اس بنیاد پر گروہ بندی نہ کی۔ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں یہی صحابہ وتابعین و اتباعِ تابعین ہیں جو گمراہ فرقوں کے خلاف یک آواز ہو جاتے رہے۔ ان کے خلاف شدید ترین رویہ اختیار کرتے رہے۔ اہل بدعت کو اپنی مجلس تک سے اٹھا دیتے رہے۔ حجت قائم کر دینے کے بعد ان کا منہ دیکھنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ روافض، خوارج، قدریہ، جہمیہ اور معتزلہ کے خلاف ان کے باقاعدہ فتاوی موجود ہیں۔ گمراہ فرقوں کے خلاف امام ابوحنیفہ کے مناظرے، امام مالک، امام شافعی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اوزاعی اور حسن بصری کے سخت ترین مواقف اور امام احمد بن حنبل کا جہاد آخر کس سے پوشیدہ ہے۔ جبکہ خود ان ائمہ کا آپس میں بھی کثیر مسائل پر اختلاف ہوا مگر کیا انہوں نے فقہی اختلافات ہو جانے پر آپس میں ایک دوسرے پر بھی کبھی فتوے لگائے اور جس

طرح بدعتی ٹولوں کو جہنم کی وعیدیں تک سنا دیا کرتے تھے کیا آپس میں بھی یہ رویہ رکھا؟ بات یہ ہے کہ وہ ''عقائدی اختلاف'' اور ''فقہی اختلاف'' میں فرق کو سمجھتے تھے۔ آج یہ فرق ہی ہم میں سے اکثریت کی نظر سے روپوش ہو گیا ہے۔

اسلام کے قرون اولی یعنی صحابہ، تابعین اور اتباع تابعین...... (ان قرون ثلاثہ کو ہی سلف کہا جاتا ہے)...... ایک طرف گمراہ ٹولوں کے ساتھ سلف نے کیا طرز عمل اختیار کیا اور دوسری طرف اپنے فقہی اختلافات کے معاملے میں کیا عمومی روش اختیار کی، یہ ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ ہو سکتا ہے اور ایک متوازن منہج اپنانے کی بہترین بنیاد بھی۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ فروعات میں اختلاف ہو جانے کے باوجود سلف کے مابین باہمی محبت وہمدردی اور آپس کے تعلقات کی گرمجوشی میں کبھی کوئی کمی نہ آئی۔ اجتہاد مختلف ہو جانے کے باوجود وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اُمت کی شیرازہ بندی کرتے رہے۔ اہلسنت کے دائرے کے اندر جتنے فقہی مذہب ہیں وہ اپنی اپنی رائے پر رہتے ہوئے بھی باہم یکجا ہو سکتے ہیں۔ ان کا اتحاد دین میں مطلوب ہے۔

فروعات کے فہم واستنباط اور مسائلِ احکام سے متعلق نصوص کے جمع وتحقیق میں ائمہء دین کا جو اختلاف ہوا، اور اس سے پہلے کسی حد تک یہ صحابہ میں ہوا، وہ ایک معروف تاریخی واقعہ ہے۔ ان مسائل میں محاذ آرائی کی راہ اپنانا اور اپنے مذہب کیلئے تعصب رکھنا زیادتی ہے اور تفرقہ کی ایک صورت۔ حنفی شافعی وغیرہ مذاہب کا اختلاف اُمت کے بڑے بڑے محدثین اور مفسرین اور فقہاء کی نظر سے گزرا ہے۔ بلکہ امت کے بڑے بڑے محدثین اور مفسرین اور فقہاء خود حنفی، شافعی، مالکی و حنبلی، و اہل حدیث و اہل ظاہر مذہب رکھتے رہے ہیں۔ کسی نے نہ تو ان امور میں تعصب کی اجازت دی اور نہ یہ مطالبہ کیا کہ ان فقہی مذاہب کو یکسر ختم ہونا چاہیے اور نہ اس بات کو فرض کیا کہ فقہی مسائل میں پوری اُمت کو ایک ہی رائے اور ایک ہی فہم اور ایک ہی مذہب پر جمع ہونا چاہیے۔ ائمۂ دین نے ان مسائل میں اختلاف ہو جانے کی گنجائش رکھی البتہ تعصب سے ممانعت کی۔

البتہ آج معاملہ اس سے خاصا برعکس ہے۔ دین کے فرعی مسائل میں بہت سے لوگ آج لوگوں سے یہ تقاضا کر رہے ہیں کہ سب کے سب انہی کے مذہب یا انہی کی رائے یا انہی کے فہم پر

آئیں بصورت دیگروہ ان کو فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ کے مصداق صاف گمراہی پر جانیں گے۔ اس طرزفکر کے باعث ایک فقہی مذہب کا شخص دوسرے مذہب والے کے پیچھے نماز ادا کرنے تک کا روادار نہیں۔ سیاسی مجبوری ہو تو الگ مسئلہ ہے دل سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے کیلئے تیار نہیں گویا کہ وہ خود حق پر ہے اور دوسرا باطل پر! یہ یقیناً تفرقہ ہے اور تنازع بھی۔

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (46 – الأنفال) آپس میں تنازع مت کرو۔ ورنہ تمہارا زور جاتا رہے گا اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

صحابہ سے بہتر کوئی دور اس اُمت پر نہیں آ سکتا۔ نصوص کے فہم میں اختلاف صحابہ میں بھی ہوا حتی کہ خود رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہوا اور آپؐ نے بعد والی نسلوں کو سمجھانے کیلئے کہ دین میں اس کی گنجائش ہے، اس پر سکوت فرمایا۔ جبکہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کسی بات سے سکوت فرمانا با قاعدہ شریعت ہے۔

عن ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمْ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ (۱)

عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے روز منادی فرمائی کہ کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ کے ہاں (پہنچ کر)۔ تب بعض لوگوں کو عصر راستے میں ہوگئی بعض نے کہا ہم تو بنی قریظہ کے ہاں پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھیں گے۔ جبکہ دوسرے لوگ کہنے لگے ہم تو پڑھ لیں گے آپ کا ہمیں (کہنے کا) یہ مطلب نہ تھا۔ پھر اس بات کا آپ ص کے پاس ذکر کیا گیا تب آپ نے فریقین میں سے کسی ایک کو بھی سرزنش نہ کی۔

(۱) صحیح البخاری 3810: كتاب المغازی باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ومخرجه، علاوہ ازیں بخاری میں یہی روایت ایک اور جگہ بھی آئی ہے (رقم 894: كتاب الجمعة باب صلاة الطالب والمطلوب راكبا وايماء)...... عبداللہ بن عمر سے یہی روایت صحیح مسلم میں بھی آئی ہے (رقم 3317: كتاب الجهاد والسير باب المبادره بالغزو و تقديم أهم الامرين المتعارضين)۔ البتہ مسلم کی روایت میں عصر کی بجائے ظہر کا ذکر آتا ہے۔ اس کی شرح کے تحت امام نووی کہتے ہیں ممکن ہے بعض لوگوں کو ظہر پڑھنی ہو اور بعض کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

یہاں دو اقتباسات امام ابن حجر عسقلانی مصنف فتح الباری در شرح صحیح البخاری سے اس حدیث کے فہم و معانی کی بابت نقل کئے جانا فائدہ مند ہوں گے:

قَالَ السُّهَيْلِيُّ وَغَيْره .فِي هَذَا الْحَدِيث مِنْ الْفِقْه أَنَّهُ لَا يُعَاب عَلَى مَنْ أَخَذَ بِظَاهِرِ حَدِيث أَوْ آيَة ,وَلَا عَلَى مَنْ اِسْتَنْبَطَ مِنْ النَّصّ مَعْنَى يُخَصِّصهُ(۱)

سہیلی کہتے ہیں کہ :اس حدیث سے یہ فقہی نکتہ واضح ہوا کہ نہ تو اس شخص کی مذمت ہوگی جو کسی حدیث یا آیت کے ظاہری معنی سے استدلال کرے اور نہ ہی اس آدمی کی عیب جوئی ہوگی جو نص کے کسی ایسے معنی سے استنباط کرے جو اس کی کوئی خاص مراد متعین کردے

وَقَدْ اِسْتَدَلَّ بِهِ الْجُمْهُور عَلَى عَدَم تَأْثِيم مَنْ اُجْتُهِدَ لِأَنَّهُ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يُعَنِّف أَحَدًا مِنْ الطَّائِفَتَيْنِ , فَلَوْ كَانَ هُنَاكَ إِثْم لَعَنَّفَ مَنْ أَثِمَ (۲)

جمہور علماء نے مذکورہ حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ جو آدمی اجتہاد کرے اس کو گناہ گار نہ ٹھہرایا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ نے فریقین میں سے کسی ایک کو بھی بُرا یا غلط نہ کہا۔ چنانچہ اگر یہ گناہ ہوتا تو آپ اس فریق کو ضرور تنبیہ کرتے جس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہوتا۔

جہاں تک "روایات کے قبول کرنے" میں اختلاف ہو جانے کا معاملہ ہے تو اس کی نوبت صحابہ کی زندگی میں ظاہر ہے کم ہی آ سکتی تھی۔ سب کے سب صحابہ عدول تھے۔ راویوں کی جرح وتعدیل سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بے نیاز کر رکھا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا تھا کہ کوئی روایت کسی صحابی تک نہ پہنچے اور ایسے متعدد واقعات مذکور ہوئے ہیں جہاں کسی صحابی نے نص معلوم نہ ہونے

---

(۱) بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

= عصر جبکہ مسلم کی روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں :فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ فَصَلَّوْا دُونَ بَنِي قُرَيْظَةَ وَقَالَ آخَرُونَ لَا نُصَلِّي إِلَّا حَيْثُ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ قَالَ فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِنْ الْفَرِيقَيْنِ شي *کچھ لوگوں کو خدشہ لاحق ہوا کہ (نماز کا) وقت گزر جانے والا ہے تب انہوں نے بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے ہی نماز ادا کرلی .جبکہ دوسرے کہنے لگے :ہم تو نہ پڑھیں گے مگر وہیں جہاں ہمیں رسول اللہ ص نے (نماز پڑھنے کا) حکم دے رکھا ہے چاہے وقت گزر کیوں نہ جائے .تب آپ نے فریقین میں سے کسی ایک کو بھی سرزنش نہ کی"*

(۱) دیکھیے فتح الباری بہ ذیل محولہ بالا حدیث بخاری (۲) ایضاً

کے باعث اجتہاد کیا۔ روایات کی چھان پھٹک بعد کی نسلوں کی ایک ضرورت تھی صحابہ کی زندگی میں اس کی نوبت ہی نہ آئی تھی۔ اس کے باوجود چند ایک واقعات پھر بھی ایسے ملتے ہیں جن میں بعض صحابہ بعض روایات کی بابت توقف یا حتی کہ بعض اوقات اختلاف کرتے ہوئے بھی پائے گئے۔ موضوع کی طوالت کے پیش نظر اس پر گفتگو کا یہ محل نہیں۔

البتہ صحابہ کے بعد کے ادوار میں قبولِ روایات کے اندر اختلاف کا بڑھ جانا ایک طبعی واقعہ تھا۔ خصوصاً جب عالم اسلام میں ایک بڑی توسیع ہوئی اور جہاد و تعلیم و امارت کی ضرورت کے پیش نظر ذخیرہ احادیث اور رواۃِ احادیث مختلف ملکوں میں پھیل گئے۔ اس معاملے میں بھی سلف کے مابین "شدت" نہ اپنائی گئی۔

روایات کی تصحیح و تضعیف اور ترجیح کا معاملہ اہل علم میں ہمیشہ سے چلتا ہی آیا ہے۔ بعض روایات ایسی ہیں کہ ایک ایک حدیث پر بحث کیلئے ضخیم کتب تک لکھی گئیں۔ ان معاملات میں کوئی کتنی تحقیق کرسکتا ہے یہ ہر شخص کی ہمت پر ہے۔ اس بنیاد پر محاذ آرائی کی بہر حال گنجائش نہیں۔

پھر اہل علم میں "تعارضِ ادلہ" ایک بڑے اختلاف کا سبب بن جاتا رہا ہے اور مختلف لوگ اس تعارض کے ازالہ کے معاملے میں عمومی اتفاق کے باوجود- کچھ معین تفاصیل کی حد تک- مختلف طریقے اپناتے رہے ہیں۔

ان سب معاملات میں علمی اختلاف کی پوری گنجائش ہے۔ بحث ونظر اور تحقیق و مطالعہ کی ضرورت مسلَّم ہے۔ تبادلۂ آراء اور مناقشہ وتصحیح ان معاملات میں ایک برحق موقف ہے۔ مگر تفرقہ ونزاع اور گروہ بندی کی اجازت نہیں۔ فقہی اختلافات کا ہوجانا ہرگز نقصان دہ نہیں البتہ اس کی بنیاد پر دھڑے بندی ہونے لگنا نقصان دہ ہے۔ ایسا کرنا فتنہ بھی ہوگا اور بدعت بھی۔

****

آیئے اس علمی منہج کے اثبات میں بعض اہل علم کی کچھ نصوص دیکھتے ہیں:

امام شاطبیؒ کی "الاعتصام" سنت کے ساتھ تمسک اور بدعت وانحراف کے رد کے موضوع پر ایک منفرد ترین تالیف ہے۔ اس میں امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

فان الخلاف من زمان الصحابة الى الان واقع فى المسائل الاجتهادية و أول ما وقع الخلاف فى زمان الخلفاء الراشدين المهديين ثم فى سائر الصحابة ثم فى التابعين ولم يعب احد ذلك منهم وبالصحابة اقتدى من بعدهم فى توسيع الخلاف.(۱)

اجتہادی مسائل میں اختلاف صحابہ کے دور سے لے کر آج تک واقع ہوتا آیا ہے۔سب سے پہلے جو اختلاف ہوا وہ خلفائے راشدین مہدیین کے زمانے میں ہوا پھر صحابہ کے سب ادوار میں رہا۔ پھر تابعین میں ہوا۔ان میں سے کسی نے بھی اس پر کسی کو معیوب نہ جانا۔صحابہ کے بعد والوں میں بھی اسی طرز پر اختلاف ہوا اور اس میں توسیع بھی ہوئی۔

امام مناوی یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ کہاں اختلاف نا قابل برداشت ہے اور کہاں اس کی اجازت ہے، فرماتے ہیں:

فاصل الديانات كلها :التوحيد وصفات البارى جل وعز والايمان بالغيب كالجنة والبعث والجزاء والصراط والحوض والشفاعة وعذاب القبر. وكذلك فروع الديانات التى يعلم وجوبها بدليل مقطوع به مثل :الصلاه والزكاة والحج والصوم، وكذلك المناهى الثابتة بدليل مقطوع به فلا يجوز الاختلاف فى شىء من ذلك. ولا مسوِّغ للاختلاف فيه اُصلاً. ومن خالف فى شىء من ذلك فهو اما كافر اوضال اعاذنا الله من ذلك ....

آسمانی شریعتوں کا اصل محور توحید ہے اور صفات باری تعالیٰ اور ایمان بالغیب مثل جنت، حیات بعد الموت، جزاوسزا، پل صراط، حوض، شفاعت اور عذاب قبر۔اسی طرح شرعی احکام کی وہ فروعات بھی جن کا وجوب دلیل قطعی سے ثابت ہے مثلاً نماز، زکات، حج اور روزہ۔اسی طرح وہ محرمات بھی جن کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے ....ان میں سے کسی چیز میں بھی اختلاف جائز نہیں۔ ان میں اختلاف کا کوئی جواز سرے سے ہے نہیں۔ جو ان معاملات میں اختلاف کرے وہ یا تو کافر ہے اور یا پھر گمراہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے ..

واما الذى يسوغ فيه الاختلاف فهى فروع الديانات اذا استخرجت احكامها بأمارات الاجتهاد ومعانى الاستنباط......

ہاں جس چیز میں اختلاف کی گنجائش ہے وہ ہیں شریعت کی وہ فروعات جن کا استخراج اجتہاد اور استنباط ایسے طریقوں سے کیا جاتا ہے ....چنانچہ اس میں علماء کے اختلاف کرنیکی گنجائش ہے اور ہر ایک کو اس کا اجتہاد جس

(۱) الاعتصام از امام ابو اسحاق الشاطبی: ۸۰۹

فھذہ یسوغ فیھا اختلاف العلماء. ولکل واحد منھم ان یعمل بما یؤدی الیه اجتھادہ [1]

نتیجہ تک پہنچائے وہ اسی پر عمل کرنے کا مجاز ہے۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

واما الاختلاف فی الاحکام فأکثر من أن ینضبط، ولو کان کلما اختلف مسلمان فی شیء تھاجرا لم یبق بین المسلمین عصمة ولا أخوة. (فتاوی ابن تیمیہ ۲۴: ۱۷۳)

مسائل احکام میں تو اس قدر اختلاف ہوا ہے کہ اس کا ضبط میں آنا ممکن نہیں۔ اگر کہیں ایسا ہوتا کہ جب بھی کبھی دو مسلمانوں میں کسی مسئلے کی بابت اختلاف ہوتو ایک دوسرے سے قطع تعلقی اختیار کر لی جاتی تو مسلمانوں میں کسی عصمت یا اخوت کا نام تک باقی نہ رہتا۔

حافظ ابن عبدالبر، جو کہ موطا مالک کی مشہور ترین شرح: "التمھید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید" کے مولف ہیں اور منہج سلف کے ایک بہترین ترجمان مانے جاتے ہیں اپنی کتاب: جامع بیان العلم وفضلہ میں بعض روایات ذکر کرتے ہیں جو کہ ہمارے اس موضوع سے متعلق ہیں۔ اپنی کتاب کے باب (۵۴) بیان مایلزم الناظر فی اختلاف العلماء میں فرماتے ہیں:

وعن القاسم، قال :لقد اعجبنی قول عمر بن عبدالعزیز. رضی اللہ عنه :ما أحب أنّ اصحاب رسول اللہ لم یختلفوا، لانه لو کان قولا واحداً کان الناس فی ضیق، وإنھم أئمة یقتدیٰ بھم، ولو أخذ رجل بقول احدھم کان فی سعة

قال ابوعمر :ھذا فیما کان طریقه الاجتھاد [1]

قاسم بن محمد سے روایت ہے، کہا: مجھے عمر بن عبدالعزیز کا یہ قول بہت پسند آیا: مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ صحابہ نے (بعض مسائل میں) آپس کے اندر اختلاف نہ کیا ہوتا۔ کیونکہ ان سے اگر ایک ہی قول مروی ہوا ہوتا تو لوگ تنگی میں رہ جاتے، جبکہ صحابہ امام ہیں جن کی اقتدا ہونی چاہیے۔ چنانچہ کوئی شخص کسی ایک صحابی کا قول اختیار کر لے تو اس کیلئے اس کی گنجائش ہے۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں: یہ ان مسائل میں ہوگا جو اجتہاد سے متعلق ہوں۔

---

(۱) - فوائد الفوائد فی اختلاف القولین لمجتھد واحد. الامام المناوی ص ۷۱. ط. دارالصحابه بحوالہ کتاب :الفقه الغائب مولفه یاسر محمد العدل. مطابع الوفاء۔ المنصورہ۔ مصر

(۲) کتاب کا صفحہ ۲۶۶ صحیح جامع بیان العلم وفضلہ۔ تالیف ابی عمر یوسف بن عبدالبر۔ اختصار و تہذیب ابوالاشبال

وعن اسامة بن زيد قال :سألت القاسم بن محمد عن القراء ة خلف الامام فيما لم يجهر فيه فقال :إن قرأت فلك في رجال من اصحاب رسول الله اسوة حسنة، وإن لم تقرأ فلك في رجال من اصحاب رسول الله اسوة حسنة

اسامہ بن زید لیثی سے روایت ہے، کہا : میں نے امام قاسم بن محمد (ابوبکر صدیق رض کے پوتے) سے سری نماز کے اندر قرات خلف الامام کی بابت دریافت کیا۔ فرمایا :اگر قرات کرلو تو بھی صحابہء رسول میں سے کچھ لوگوں کی مثال موجود ہے اور اگر نہ کرو تب بھی صحابہ میں سے کچھ لوگوں کی مثال موجود ہے۔

وعن يحيى بن سعيد قال :ما برح اولو الفتوى يفتون، فيحل هذا، ويحرم هذا، فلا يرى المحرِّم ان المحلل هلك لتحليله، ولا يرى المحلل ان المحرم هلك لتحريمه (١)

یحیٰ بن سعید سے روایت ہے، کہا : آج تک ایسا ہوا ہے کہ فتویٰ دینے والے اہل علم فتویٰ دیتے ہیں۔ایک شخص (کسی معاملے میں) حرام ہونے کا فتویٰ دیتا ہے دوسرا حلال ہونے کا فتویٰ دیتا ہے۔نہ تو حرام کہنے والا عالم حلال کہنے والے کو ہلاکت پر جانتا ہے اور نہ ہی حلال کہنے والا حرام قرار دینے والے کو ہلاکت میں پڑا ہوا جانتا ہے۔

وقد اختلف اصحاب رسول الله فخطّأبعضهم بعضاً، ونظر بعضهم في أقاويل بعض وتعقّبها، ولو كان قولهم كله صوابا عندهم لما فعلوا ذلك (٢)

اصحاب رسول نے بلاشبہ آپس میں (بعض مسائل پر) اختلاف کیا۔ وہ ایک دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی بھی کرتے رہے۔ایک دوسرے کے اقوال وآراء پر نقد وتبصرہ بھی کرتے رہے۔ان میں سے سب کے اقوال اگر (بیک وقت) درست ہوتے تو وہ ایسا نہ کرتے۔

****

(١)ص ٣٦٧ صحيح جامع بيان العلم وفضله. تاليف الامام ابى عمر يوسف بن عبدالبر

(٢) ص ٣٧٢ صحيح جامع بيان العلم وفضله. تاليف الامام الامام ابى عمر يوسف بن عبدالبر. اختصار وتهذيب ابو الاشبال

تفرقہ کے فتنہ سے کیسے نمٹا جائے؟

کسی مسئلے کے حل کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے کہ اس کی بابت ایک شرعی موقف اپنایا جائے، اسی کی تبلیغ کی جائے اور اسی پر محنت سے کامیابی کی اُمید لگائی جائے۔ اس دنیا میں کسی بھی مسئلے کا حل کسی جادوئی چھڑی سے کر دینا ممکن نہیں۔

اس مسئلہ میں فقہِ سلف اور منہج اہلسنت پر کام نہ ہونے کے باعث یہاں صورت حال کچھ یوں ہوچکی ہے کہ لوگ تفرقہ کی ایک صورت سے نکلتے ہیں تو دوسری میں جا پڑتے ہیں اور دوسری سے نکلتے ہیں تو پہلی میں واپس آ جاتے ہیں۔ فہمِ دین کے معاملے میں توازن اور جامعیت کا حاصل ہو جانا، کسی قوم کے حق میں خدا کی سب سے بڑی نعمت ہو سکتی ہے۔

سورہ المائدہ کی آیت ۱۴ (وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ " *وہ لوگ جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاری ہیں، ہم نے تو ان سے بھی پختہ عہد لیا تھا، مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا، تب ہم نے ان کے آپس میں قیامت تک کیلئے بغض اور عداوت ڈال دی..* ") کے ذیل میں امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

> پس جب بھی لوگ اس مشن کے ایک حصے کو چھوڑ دیں جس کا ان کو خدا نے مامور کیا ہوتا ہے تو ان میں آپس کا بغض اور عداوت آ جایا کرتی ہے۔ پھر جب ان میں تفرقہ پڑتا ہے تو وہ فساد اور ہلاکت کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جب وہ مجتمع ہوں تو صلاح وفلاح اور جہانبانی سے سرفراز ہوتے ہیں کیونکہ جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۳ ص ۴۲۱)

دین کے "اصول" اور "فروع" کا فہم اور درست امتیاز نہ پائے جانے کے باعث معاملہ یہ ہو جاتا ہے کہ جس چیز کو "وحدتِ اُمت" کا نسخہ جان لیا جاتا ہے احادیث کی رو سے وہ عین

" تفرقہ " ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جس طرزِ عمل سے خبردار کریں اور جن فرقوں سے اُمت کو متنبہ کریں بلکہ جن فرقوں کو عذاب کی وعید سنائیں ان کے گمراہ کن اختلافات پر مٹی ڈال دینا تفرقہ کا حل جان لیا جائے نہ کہ ان کی گمراہی کو رد کیا جانا! یا پھر دوسری طرف فرقۂ ناجیہ کو 'اپنے' مذہب پر لاتے ہوئے اور یوں عملاً لوگوں کو ایک 'اپنے' ہی فقہی مذہب پر مجتمع کرتے ہوئے اور فروع کے معاملہ میں "سب" کو 'اپنے' فہمِ کتاب وسنت پہ لانے کیلئے لوگوں سے ان کے اپنے مذہب چھڑواتے ہوئے، جو کہ ہرگز شریعت کا مقصد نہیں، لڑائی بھڑائی، محاذ آرائی اور گروہ بندی کی راہ اختیار کر لی جائے!

تفرقہ کی دونوں صورتیں واضح ہو جانے کے بعد ان سے نبرد آزما ہونے کا منہج خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ جہاں تک فرقہ واریت کو ختم کرنے کا تعلق ہے تو آپ اس بات کے مکلّف نہیں کہ آپ اس کو ہر حال میں ختم ہی کر کے رہیں۔ اُمت کے بے شمار (بہتر) فرقوں میں بٹ جانے کی پیشین گوئی خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے۔ جس طرح کہ اس کے علاوہ اور بھی فتنہ وشر کے کئی واقعات کی آپ نے پیشین گوئی فرمائی ہے۔ ان واقعات کو رونما ہونے سے تو ہم نہیں روک دینے کے۔ البتہ فتنوں کی صورتحال میں اپنا کردار متعین کرنے کے ہم ضرور مکلّف ہیں۔ تفرقہ سے نبرد آزما ہونے سے بھی یہی مراد ہے کہ اس میں ہم اپنا وہ کردار ادا کریں جو ہم سے شرعاً مطلوب ہے بغیر اس بات پر انحصار کئے کہ ہم اس فتنہ کو وجود سے ختم کر پائیں گے یا نہیں۔

کسی بھی فتنہ کی بابت شرعی موقف اختیار کرنا اور اس موقف کے عملی تقاضے ادا کرنے میں لگ جانا اس فتنہ کا پھیلاؤ کم کر دینے کا سبب ضرور ہو سکتا ہے۔ البتہ ایک فتنہ کی بابت ایک ایسا موقف اختیار کرنا جو شریعت سے متعارض ہو بذاتِ خود ایک فتنہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے سے بہر حال اجتناب ضروری ہے۔

چنانچہ اصل سوال یہ ہونا چاہیے کہ فرقہ واریت کے فتنہ کی بابت ایک مسلمان کا کیا فرض بنتا ہے؟ باقی ہر سوال کا جواب اس کے اندر خود بخود آ جائے گا۔

جہاں تک تفرقہ کی پہلی صورت کا تعلق ہے اس کی بابت ہر با سمجھ آدمی پر فرض ہے کہ اُمت

کے اندر واقع ہونے والے انحرافات اور گمراہی پر مبنی رجحانات کے آڑے آنے کی حتی الوسع اور باحسن انداز کوشش کرے اور امت کے ایک بڑے طبقے کو اسی بات پر مجتمع کرنے کیلئے جدوجہد کرے۔ بدعتی فرقوں کو غلط جانے۔ دین کے مسلمات مانند توحید، خدا کی صفات، آخرت، تقدیر، رسالت، سنت، صحابہ واہل بیت کی حرمت، شریعت کی ہر دستور اور ہر تہذیب پر بالاتری .. کسی چیز پر آنچ آنا برداشت نہ کرے۔ ان مسائل میں اختلاف کو ہلاکت جانے اور ان معاملات میں فرقۂ ناجیہ کی راہ سے تمسک رکھے۔ ان معاملات کو ہرگز ہرگز اختلافی مسائل نہ جانے۔ کوئی شخص اگر جہالت یا غلط فہمی کے باعث دین کے مسلمات میں سے کسی امر کی بابت انحراف کی راہ پر چل پڑا ہے تو اس کے ساتھ دوستانہ اور ہمدردانہ انداز میں بحث وگفتگو کرنے میں کوئی بھی حرج نہیں۔ اس کو کوئی اچھی چیز پڑھانا یا سنانا یقیناً مطلوب ہے۔ اس کی سننا اور اس کے شبہات دور کرنا نیکی کا بہترین عمل ہے۔ مگر اس معاملے کو حل کئے بغیر چھوڑ دینا ہرگز درست نہیں۔ ایک انحراف کو ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے گمراہی کا حتی الامکان سدباب ہونا چاہیے۔ طریقہ بہترین سے بہترین اپنایا جائے مگر اس کام کو ہرگز غیر اہم نہ سمجھا جائے۔

معاشرے میں سمجھداروں کی ایک معقول تعداد اگر اس مشن کو انجام دینے پر تیار ہو جاتی ہے .. اصول دین کی بابت حق کی ہر حال میں اتباع کروانے پر مصر اور باطل کی سرکوبی اور گمراہ فرقوں اور گمراہ نظریوں کا راستہ معاشرے میں مسدود کر دینے پر کمر بستہ ہو جاتی ہے تو اس رجحان کے نتیجے میں تفرقہ کی اس پہلی صورت کا سدباب ہونے لگے گا۔ مختصر یہ کہ اسلام کے مسلمات اور بنیادی عقائد کی بابت کسی کے ساتھ کوئی مفاہمت compromize نہیں۔ کوئی خوش ہو یا ناراض، کسی فرقے کی اکثریت ہے یا اقلیت .. ایک گمراہی کا صاف صاف رد ہونا چاہیے خواہ کوئی اس پر کتنا ہی سٹپٹائے اور گمراہی کا رد کرنے والے کو کیسے ہی بُرے القاب دے۔ اُمت کے اندر اگر ایسے لوگ نہ ہوتے جو اپنے دور کی گمراہیوں کو اسلام سے چھانٹ کر رکھ دیں تو آج اِس اُمت کا بھی معاذ اللہ وہ حشر ہو چکا ہوتا جو پہلی اُمتوں کا ہوا۔ گمراہیوں کو اسلام کی سند کبھی اور کسی صورت نہیں دی جا سکتی۔

گمراہیوں کو اپنے حال پر ہرگز نہیں چھوڑا جا سکتا اس بات کو یقینی بنانا اس اُمت کی بہترین خدمت ہے۔ یہ اِس اُمت کا اعزاز بھی ہے اور امتیاز بھی کہ اس کا دین خالص اور ہر آلائش سے پاک ہے۔ دین کو خالص اور آلائشوں سے پاک رکھنے کی بہرحال کوئی قیمت ہے جسے آج تک یہ امت دیتی آئی ہے۔ اس کو ادا کر دینا ہر مصلح پر آج بھی فرض ہے۔ اس کے بغیر اصلاحی وتجدیدی مساعی کا کوئی تصور نہیں۔ آج اگر بہت سی تحریکیں ایک حیرت انگیز جدوجہد کے باوجود اس بھاری چٹان کو نہیں ہلا پائیں، اس کو راستے سے ہی اٹھا کر پرے کر دینا تو اور بھی دور کی بات ہے، تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ ''قیمت'' دینے پر یہاں دلجمعی نہیں پائی گئی۔

یقیناً آج کے دور میں اس پر بہت سی محنت ہونے کی ضرورت ہے۔ اساسیاتِ دین میں کئے جانے والے انحرافات واختلافات پر مٹی ڈال دینا آسان ہے مگر یہ مسئلے کا حل نہیں۔ یہ ایک بُرائی کو ایک اور بُرائی کے ساتھ رد کرنا ہے۔

جہاں تک تفرقہ کی دوسری صورت کا تعلق ہے تو اس کا سدِ باب اسی صورت ممکن ہے کہ لوگوں میں دین کے اصول اور فروع کی بابت آگہی پیدا کی جائے۔ اہلسنت کے ہاں جو "فقہ الاختلاف" رائج رہی ہے اس کی سمجھ عام کی جائے۔ صحابہ کے دور سے لے کر بعد کے ادوار تک فقہی اختلاف کو جس تحمل اور بردباری اور وسیع القلبی کے ساتھ برداشت کیا جاتا رہا اور ان امور میں تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جس طرح آراء اور (فقہی) مذاہب کے مابین تبادلہ ہوتا اور قربت پیدا کی جاتی رہی اس منہج کی تعلیم عام کی جائے اور اس رجحان کو دین کے طالب علموں اور تحریکی نوجوانوں اور دین پسند عوام میں زیادہ سے زیادہ پروان چڑھایا جائے۔

اس پر بھی اگر سمجھدار ذہنوں کی ایک معقول تعداد آجاتی ہے اور لوگوں کو علمی وفقہی مسائل میں اختلاف کے آداب سکھانے کا بیڑا اٹھا لیتی ہے تو دیندار طبقوں کو ایک بہترین جہت دی جاسکتی ہے۔

تفرقہ کی ان دونوں صورتوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے علم وفہم کا ایک خاص معیار اور سوچ میں ایک خاص درجے کا توازن درکار ہے۔ اس توازن کے نہ ہونے کے باعث صورتحال یہ ہوگئی

ہے کہ جب آپ فرقہ واریت کی مذمت کرتے ہیں اور فقہی مذاہب کے مابین رواداری کی ضرورت پر زور دیتے ہیں تو اس سے یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ اُمت میں پھیلے ہوئے شرک اور کفریہ بدعات اور کچھ کھلی کھلی گمراہیوں کے معاملہ میں بھی شاید آپ غیر جانبدار اور لاتعلق ہیں! یعنی آپ روشن خیال ہیں! اور اگر آپ شرک اور کفریہ بدعات اور کھلی کھلی گمراہیوں کا رد کرتے پائے جائیں تو فرقہ واریت کے مرتکب ٹھہریں! یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دین کے اصول اور فروع کی بابت متوازن منہج کا علم قریب قریب مفقود ہے۔

یہ توازن منہجِ سلف اور اہلسنت کے تحریکی ورثے کا عمیق فہم حاصل کرنے اور اس کو عام کرنے سے ہی آ سکتا ہے۔ اس منہج سے آ گاہی عام ہونے لگے تو اُمت کے نوجوانوں کو علمی اور تحریکی طور پر ایک متوازن جہت دی جا سکتی ہے۔ اس بنیاد پر ایک بے حد راسخ و مضبوط و باشعور موحد معاشرہ یہاں کھڑا کیا جا سکتا ہے اور ایک فعال و بامقصد سماجی تبدیلی برپا کی جا سکتی ہے۔ ہاں اس پر اگر محنت نہیں ہوتی تو ہر سو غلط فہمیوں کے انبار دکھائی دینا باعث حیرت نہ ہونا چاہیے۔ پھر بے شک آپ جتنی بھی معقول بات کریں اس صورتحال کی کم از کم قیمت آپ کو یہ دینا پڑے گی کہ آپ کہیں کچھ اور سمجھا بالکل کچھ اور جائے۔ بات کے مانے یا نہ مانے جانے کی نوبت تو بعد میں آیا کرتی ہے ابھی تو بات سمجھا لینا بھی شاید دشوار ہو۔ تاثرات کی گرد کو صاف کرنا حد درجہ ناگزیر ہے۔

عوام میں اترنے سے پہلے توحید کے داعیوں کو خاصا ابتدائی کام homework کرنا ہوگا، جس میں کہ "منہج اہلسنت" پر محنت سرفہرست ہے۔

****

(۱) مذکورہ بالا مضمون بمع کچھ ترمیم واضافہ الگ سے بطور کتابچہ بھی دستیاب ہے، جس کا مقصد دعوتی فائدے کیلئے اس مضمون کی تقسیم عام کو آسان بنانا ہے۔

فصل ہشتم

تاثرات کی مار

ایک قوم کی پسماندگی، اوپر سے تاثرات اور رجحانات کی مار، اور پھر رواداری کی تاکید۔ آخر ہمارے دانشور کہاں ہیں؟؟؟

تاثرات کا مسئلہ قوموں اور معاشروں میں، اور ان کا رخ متعین کرنے میں، بے انتہا اہمیت رکھتا ہے۔ الفاظ، اصطلاحات اور رجحانات بظاہر ایک غیر محسوس چیز ہیں مگر یہ قوموں اور تہذیبوں کے معاملات میں فیصلہ کن حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ معاشرے کے اندر اور خصوصاً معاشرے کی ثقافتی قیادت کے ہاں کسی چیز کو کس طرح لیا جاتا ہے اور کسی بات کا کیا مفہوم ہے، اس پر اس کی نسلوں کا دارومدار ہوتا ہے۔ کسی قوم کی زندگی میں اس مسئلے کو حل کئے بغیر آگے بڑھا ہی نہیں جا سکتا۔

دعوت کسی بھی اور بات سے پہلے دراصل تو اسی مسئلے کا حل ہوتی ہے۔

کسی خاص فکر یا عقیدے یا روش کی بابت معاشرے میں ایک خاص تاثر بنا دیجئے میکانکی انداز میں لوگوں کے اندر خود بخود وہ ردعمل پیدا ہو جائے گا جو اس تاثر کا تقاضا ہو۔ کسی انداز فکر کی بابت معاشرے میں کیا فیشن پایا جاتا ہے اور کسی روش کی بابت معاشرے میں کس قسم کے الفاظ اور پیرائے عام ہیں، اس معاشرے کی فکری اور تہذیبی اہلیت کا تعین کرنے کیلئے یہ بے انتہا اہم ہے۔ اگر آپ معاشرے کی سطح پر کوئی تبدیلی لانے کا ارادہ رکھتے ہیں تب تو اس مسئلے کو آپ کی شدید توجہ چاہیے ہوگی۔

تاثرات کا اسیر بن جانا اور وہ بھی ان تاثرات کا جو معاشرے میں جاہلی ابلاغ اور تعلیم کے ہاتھوں پھیلے ہوں، معاشرے کی شدید بدقسمتی ہے۔ یہ صرف ہمارے دانشوروں کا کام تھا کہ وہ لوگوں کو رجحانات اور تاثرات سے بلند ہو کر سوچنے پر تیار اور حقائق کو ان کی روح کے ساتھ لینے اور سمجھنے پر آمادہ کریں۔

اس بات کو نہ سمجھنے کی ہمیں جتنی قیمت دینا پڑی ہے شاید کسی اور چیز کی اتنی قیمت کبھی نہیں دینا پڑی۔ آپ ایک چیز سے محبت کرتے ہیں مگر اس کے بارے میں معاشرے میں پھیلے تاثر کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ آپ ایک چیز کو برا سمجھتے ہیں یا برا سمجھنا چاہتے ہیں مگر معاشرے میں اس کیلئے پایا جانے والا ایک اچھا اور خوبصورت تاثر آپ کی راہ روک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تب کسی چیز کو اچھا یا برا کہنا بڑی حد تک آپ کے اختیار میں نہیں رہتا بلکہ معاشرے کے رجحان سازوں کے پاس چلا جاتا ہے اور اگر آپ کو اپنی عقل پہ سہارا کرنے پر ایسا ہی اصرار ہو تو معاشرے کی ڈگر سے ہٹ کر کسی چیز کو اچھا یا برا کہنا اور حق کا فی نفسہ وزن کرنا آپ سے ایک قیمت کا تقاضا کرتا ہے۔ وقت کے ایک فیشن کو غلط کہہ کر آپ خود بخود معاشرے کی نظر میں غلط ہو جاتے ہیں۔ اپنی عقل سے سوچنے کی یہ ایک بڑی قیمت ہے اور ہر کوئی اس کا متحمل نہیں۔ کہاں ایک شخص کی بات اور کہاں اس کے مقابلے میں ہزاروں لاکھوں لوگوں کا اعتقاد۔ یہ الگ بات کہ ان ہزاروں لاکھوں کی زبان میں معاشرے کے چند رجحان ساز ہی بول رہے ہوتے ہیں پھر بھی معاشرے میں رائج تاثرات و رجحانات سے بغاوت ایک بڑی جرأت چاہتی ہے۔ عام لوگوں کی یہ دشواری تبھی دور ہو سکتی ہے اگر کچھ باہمت لوگ تاثرات و رجحانات کی دنیا میں حق اور باطل کی یہ جنگ پہلے لڑ لیں۔ لہٰذا ایسے دانشور اور اہل علم جو اپنے معاشرے کو یہ جنگ لڑ دیں، معاشرے کی خوش بختی کیلئے ناگزیر ہوتے ہیں۔

یہ ایک باقاعدہ محاذ جنگ ہے۔ اس کو نظر انداز کر دینے کی ہمیں کس قدر بڑی قیمت دینا پڑتی ہے، سب کے سامنے ہے۔ اسلام پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہونے کی دعوت کا خود ہمارے اس دور میں بنیاد پرستی کے عنوان کے تحت جو حشر ہو رہا ہے وہ کسی سے اوجھل نہیں۔ دہشت گردی سے نمٹنے کے پردے میں ہر گھناؤنی واردات جائز ہو جاتی ہے بلکہ مہذب انسانیت کی اعلیٰ ترین خدمت بھی قرار پاتی ہے۔ اسلام سے تمسک رکھنے پر آپ اس وقت تک گردن زدنی نہیں ہوتے جب تک آپ کو مذہبی جنونیت پسند قرار نہ دے لیا جائے۔ اس کے بعد پھر آپ کے ساتھ جو کیا جائے، حلال ہو جاتا ہے!

توحید کی دعوت کو فرقہ واریت کے کھاتے میں ڈال دینا بھی جاہلیت کی ویسی ہی ایک چال ہے۔ یہ ایک ایسا مہیب اور غیر مہذب عنوان ہے جسے آپ ہر اُس بات پر چسپاں کر سکتے ہیں

جو آپ کے رجحان سازوں کو پسند نہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے بنیاد پرستی کا الزام لگا کر آپ اچھی سے اچھی بات کو ملیا میٹ کر سکتے ہیں۔ طریقۂ واردات ایک ہے۔ ایک عوامی فیشن اور ٹرینڈ ہونا چاہیے۔ ایک عبارت کا وِرد میڈیا میں کچھ دیر تک ہونا چاہیے۔ پھر اس کے پردے میں جن حقائق کا گھونٹ بھرنا چاہیں آپ بڑے آرام سے بھر جائیے کوئی آپ سے پوچھے گا تک نہیں۔ بلکہ آپ کی زمانہ شناسی کی داد بھی دے گا!

لوگوں کیلئے 'دلیل' یہ ہے کہ ایک بات کو بکثرت سنیں اور بار بار پڑھیں۔ ایک بات کا زبان زدِ عام ہو جانا نا قابل تردید حجت ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صدیوں کی تعلیم اور ترقی لوگوں کی ذہنیت میں کچھ بھی فرق نہ لا سکی۔ پرانے دور کے معاشروں کا جو طرز استدلال تھا وہ آج بھی قائم ہے۔

ہم سب جانتے ہیں استعمار کے کوئی سوڈیڑھ سو سال کا عرصہ .. اس استعمار کو چیلنج کرنے والا ایک دلیر مسلمان جو گالی کھایا کرتا تھا وہ کیا تھی؟ وہابی!!.... کچھ شک نہیں کہ یہ گالی بے انتہا موثر رہی تھی۔ بڑے آرام سے اس بات کا الزام اب ہم انگریز کو دے لیتے ہیں مگر وہابیت کی یہ گالی دراصل وہ ہماری ہی اقوام کو برانگیختہ کرنے اور یوں ہمارے ہی مابین اپنے مفادات کا راستہ بنانے کی غرض سے تو دیا کرتا تھا! اس میں کیا شک ہے کہ وہ ہمیں بے وقوف بنانے کا گُر جان گیا تھا۔ ہم یہ کیوں نہیں مانتے کہ اس نے ہماری اقوام کی ذہنیت اور ان کی شعوری سطح کو جانچ لیا تھا چنانچہ دیکھ لیجئے وہابیت کی گالی سے سو سال تک اس کا کام چلتا رہا۔ یہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ اس کی یہ تدبیر اگر ہماری قوم پر بے اثر ہوتی تو وہ اس کا سہارا ہرگز نہ لے پاتا۔ کیا اس کا گلہ صرف انگریز سے کیا جائے؟ حقائق کو حقائق کی صورت میں لینے کی بجائے معاشرے میں پھیلا دیے گئے ''تاثرات'' اور ''رجحانات'' کی رو میں بہنے کا مسلک خود ہماری ہی اقوام نے تو اختیار کیا تھا۔ کیوں نہ اس کا الزام پھر انگریز کے بجائے اپنے اُس وقت کے اصحابِ علم اور اربابِ دانش کو بھی دیا جائے جن کو یہ مسئلہ اس وقت حل کرنا تھا جب یہ پیدا ہوا تھا بلکہ اگر وہ اپنے فرائض سے آگاہ ہوتے تو یہ مسئلہ وہ پیدا ہی نہ ہونے دیتے۔ ''تاثرات'' اور ''رجحانات'' کا ہتھیار دشمن کسی قوم کے خلاف اسی وقت تو استعمال کرتا ہے جب اس کے دانشور سوئے ہوئے ہوں۔ جاگتی قوم کو مارا جا سکتا ہے گمراہ نہیں کیا جا سکتا۔

آج ہمارے محققین اور تاریخ نویس ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ استعمار نے صرف برصغیر میں

نہیں بلکہ روس کے زیر قبضہ وسط ایشیائی ریاستوں سے لے کر فرانس کے زیر تسلط شمال افریقی ممالک تک میں کس طرح 'وہابیت' کو مسلم اقوام کے بڑے طبقے کیلئے ایک ہوّا بنایا اور کس طرح اس عنوان کے تحت ہر جگہ جہاد کرنے والے مسلمانوں کا استحصال ہوا۔ ہمارے سمجھداروں پر کوئی بات آخر تب ہی کیوں واضح ہوتی ہے جب اس کا وقت گزر جائے!؟ وہ یہ کیوں نہیں لکھتے کہ خود آج ان کے دور میں حق کی صدا بلند کرنے والوں کا استحصال کیونکر ہوتا ہے اور اس کا سد باب خود ان کو کیونکر کرنا ہے؟؟

کیا خیال ہے انگریز کو یہاں کی اقوام کا عقیدہ خراب ہو جانے کی فکر دامن گیر رہی ہے جو اس اخلاص کے ساتھ 'فتنۂ وہابیت' سے یہاں کے لوگوں کو ایک صدی بھر خبردار کیا جاتا رہا!؟ اور کیا آج کے استعمار کو یہاں کی اقوام کے گمراہ ہو جانے کا اندیشہ ہے اور انکے دین کی سلامتی کی فکر ہے جو ہر طرف بنیاد پرستی اور انتہا پسندی اور سلفیت کے خلاف مہم زوروں پر ہے اور جس کے پردے میں دراصل اصول پسندی اور حق پرستی کا گلا گھونٹنا مقصود ہے؟ 'یہ تمہارا دین بدل دیں گے' .. یہ وہ نعرہ ہے جو طاغوت ہمیشہ ہر دور میں موحدین کے خلاف لگانا احتیاطی تدابیر pre-emptive measures کے طور پر ضروری سمجھتے ہیں۔ دین بدلنے سے دراصل ان کی مراد لوگوں کو حق کی سمجھ آ جانا ہے اور یوں ان کے اقتدار کا خطرہ میں پڑ جانا۔ ان کا اقتدار نہ رہا تو گویا دنیا تباہ ہو جائے گی اور ہر طرف فساد پھیل جائے گا!

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ 26) وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ (27) وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ – مؤمن

فرعون نے کہا: چھوڑو مجھے، میں اس موسیٰ کو قتل کئے دیتا ہوں اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا، یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔

موسیٰؑ نے کہا: میں نے تو ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا، اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے

تب آل فرعون میں سے ایک مومن شخص، جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، بول اٹھا:

کیا تم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل کر دو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بینات لے کر آیا ہے۔

رجحانات اور تاثرات کی مار، کسی معاشرے کے حق میں بے انتہا کاری اور بہت ہی بری ثابت ہوتی ہے۔ ویسے یہ ہرگز نقصان دہ نہیں ہوتی اگر معاشرے کے سمجھدار ذہن بروقت اس کے آڑے آ جائیں۔ اور اگر سمجھدار ذہن ہی اس کی رو میں چل پڑیں پھر تو وہ معاشرہ اپنے تشخص ہی نہیں اپنے وجود کیلئے بھی حالات کے رحم وکرم پر ہو جاتا ہے۔ ایسی قوم اپنے لئے اہداف پھر خود متعین نہیں کرتی اس کی یہ خدمت پھر دوسروں کو کرنا پڑتی ہے!

****

اصولوں پر شدت بس اسلام کے حق میں بری ہے؟؟؟!

ایسا بھی نہیں کہ اصولوں پر شدت اختیار کرنے کا زمانہ بالکل ہی لد گیا ہے اور ایسا کرنے والوں پر تعجب کیا جانا کچھ آج اس دور میں لازم ہو گیا ہے! اصولوں پر کوئی سمجھوتہ اور کوئی لچک پیدا نہ کرنا اور اصولوں سے کسی کو کوئی چھوٹ نہ دینا آج بھی ویسے قدر کی نگاہ سے دیکھا ضرور جاتا ہے۔ مغرب میں تو خیر اس کا نسبتاً خاصا زیادہ رواج ہے مگر ہمارے یہاں بھی مغرب کے سچے پیروکار اصولوں پر ڈٹ جانا اور قواعد وضوابط کے معاملے میں دوٹوک ہونا اپنے تشخص کا جزو لاینفک بنا لینے میں عموماً سنجیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ حتی کہ مغربی اصولوں کا دم بھرنے والی ایک خاص بڑی تعداد ایسی ہے جو اگر اس اصول پسندی کا خود کو متحمل نہیں بھی جانتی تو بھی اصولوں پر ڈٹ جانے اور اصولوں کی راہ میں قربانیاں پیش کرنے والوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ضرور ہے۔ بلکہ انہیں قوم کے محسن بھی قرار دیتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ اسلام کے اصول نہ ہوں کہیں اور سے درآمد کئے گئے ہوں!

پیچھے ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ سارا معاملہ تاثرات کا ہے۔ ورنہ اصول پسندی آج بھی بری نہیں۔ کوئی اس پر عمل پیرا نہ ہو اس کو فضیلت کی بات ضرور مانتا ہے۔ فرق صرف تب پڑتا ہے اور معیار بدل جانے کی نوبت تب آتی ہے جب مسئلہ اسلام کے اصولوں کا اور عقیدہ وشریعت کے ضابطوں کا ہو۔ یہ البتہ خوامخواہ کی شدت ہے! رجعیت اور قدامت پسندی ہے اور اختلاف کو ہوا دینا!!!

جس چیز پر قوم (دراصل قوم کا ایک خاص طبقہ!) متفق نہیں بس وہ اختلافی مسئلہ ہے خواہ وہ شریعت کا اصل الاصول کیوں نہ ہو اور فقہائے اسلام کے ہاں صدیوں متفق علیہ کیوں نہ چلا آیا

ہو۔اس پر لوگوں سے جھگڑنا اور اس کو منوانے پر ضد کرنا جمود اور پسماندگی ہے جس کا طعنہ بس کوئی ہی سہہ سکتا ہے۔ اگر آپ روشن خیال کہلانے میں کچھ بھی دلچسپی رکھتے ہیں تو اس سے ڈر کر بھاگنا آپ پر ہر حال میں لازم ہو جائے گا۔ قرآن میں اس پر کتنا زور ہے اور نبیوں کی زندگی اس پر زور دیتے کس طرح گزری، سب غیر متعلقہ ہو جاتا ہے۔ جو بھی ہے یہ زمانے کا تقاضا بہر حال نہیں ہے!

البتہ جس معاملے میں قوم کو متفق سمجھ لیا گیا ہو، یعنی قوم کے ترجمانوں نے اس پر صاد کر دیا ہو، خواہ وہ شریعت میں حرام کیوں نہ ہو، شرک کیوں نہ ہو، جاہلیت کیوں نہ ہو، مغرب کی صاف تقلید کیوں نہ ہو، وہ آئین ہے۔ زمانے کا دستور ہے۔ اس پر زور دینا، اس پر جھگڑا کرنا، اس کے توڑے جانے پر زمین آسمان ایک کر دینا اور اس کی خلاف ورزی پر ہر کسی کے منہ آنا جدید ہونے کی علامت ہے۔ روشن خیالی ہے۔ زمانہ فہمی ہے اور نہ جانے اس کی کیا کیا فضیلت ہے!

معاملہ بس تاثرات کا ہی تو ہے! ذرا کچھ سالوں یا کچھ عشروں کی محنت کرکے آپ معاملے کو الٹ دیجئے آپ دیکھیں گے عبادت میں اور حکم وقانون میں اللہ کے ہمسر ٹھہرائے جانے پر اور رسولؐ کی شریعت پہ کسی اور قانون کو ترجیح دیے جانے پر چیخ پڑنا اور اس کو نا قابل برداشت جاننا روشن خیالی کہلائے گا اور مہذب ہونے کی علامت مانا جائے گا اور اسلام میں جاہلیت کا چلن کرنے والے دقیانوسی سمجھے جائیں گے۔

مسئلہ صرف یہ ہے کہ آپ کسی معاملے کو دیکھنے کیلئے کھڑے کہاں ہیں۔ نیچے کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں یا اوپر سے۔ مسئلہ پوزیشن بدلنے کا ہے اور اصل زور اسی پر صرف ہونا ہے۔ دعوت دراصل معاشرے کو اسی تبدیلی سے گزارنے کا نام ہے۔

****

ہمارا وہ جدید طبقہ یا اس طبقے کا بڑا حصہ جو کہ اسلام میں دلچسپی بھی لیتا ہے اور اسلام سے محبت بھی کرتا ہے، عام دیکھا گیا ہے کہ وہ اسلام کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کرنا ضروری سمجھتا ہے جن کو عرف عام میں پرانا قرار دے دیا گیا ہے چاہے وہ توحید کے بنیادی مسائل اور ایمان کے بنیادی تقاضے کیوں نہ ہوں۔ چاہے یہ وہ مسائل کیوں نہ ہوں جن پر پیغمبرِ اسلام ﷺ نے زندگی بھر زور دیا بلکہ ان کے باعث دنیا کو، جو کہ ویسے آپ کی بے انتہا قدر کرتی تھی، اپنی جان کا دشمن کر لیا اور

یہاں تک کہ خود ہجرت کر جانے پر مجبور ہوئے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اسلام کے ان ٹھیٹ حقائق کو اپنے دور سے منوانے کے سوال پر ہمارے یہ قابل احترام حضرات کیوں ایک ناگواری سی کا اظہار کرتے ہیں؟

اسلام کی وہ بنیادیں جو رسول اللہ ﷺ نے وحی کی مدد سے مکہ میں اٹھائیں اور ان کی طرف کھل کھلا کر دعوت دی اور پھر ان پر ہی مدینہ جا کر اسلام کی باقی عمارت کھڑی کی حتی کہ آپؐ کے قتال کی بنیاد بھی یہی رہی .. ہماری توجہ کا محور بننے سے کیوں محروم ہیں؟

اسلام کی وہ اساس جس پر صدیوں تک جملہ اہل اسلام کا اتفاق رہا ہے اور جس نے ہمارے قرن اول کی نہایت عمدہ تعمیر کی تھی اور جس کے بغیر اسلام کا تصور بھی ناممکن ہے .. یعنی بندگی کی سب اشکال پر تنہا خدا کا حق تسلیم کیا جانا اور اس کے سوا ہر کسی کے پوجا جانے اور پکارا جانے کو معاشرے کیلئے ناقابلِ قبول بلکہ ناقابلِ برداشت بلکہ ناقابلِ تصور بنا دیا جانا اور اللہ وحدہ لاشریک کی اتاری ہوئی شریعت کے سوا ہر قانون اور ہر تہذیب کو صاف ٹھکرا دینا، معبود برحق کی ہمسری ہو جانے کے معاملے میں کسی سے کوئی رورعایت نہ کرنا .. اور یوں بندگی میں اللہ کی یکتائی اور اتباع میں محمد ﷺ کی رسالت پر حرف آنے (۱) کو ہر آئین کی پامالی سے بڑا مسئلہ سمجھنا .. یہ سب ہمارے اسلام پسند جدید طبقے کو آخر اوپرا کیوں لگتا ہے؟

اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ دیکھ لیجئے۔ ہمارے معاشرے کے بعض اصول پسند دانشور اور مہذب لکھاری جمہوریت پر ایمان کا یہ کم از کم حق جانتے ہیں کہ جمہوری اصولوں کو توڑا جانے پر یہ کسی بڑے سے بڑے کے ساتھ بھی کسی رُورعایت کے روادار نہ ہوں اور آئین کے تقدس پر کوئی سمجھوتہ کر لینا یہ موت سے بدتر جانیں!

ہمارے وہ دانشور آخر یہیں تو رہتے ہیں جو جمہوریت پر یا آئین کی روح پر کبھی حرف آئے تو بے ساختہ چیخ پڑتے ہیں اور جمہوری اصولوں کے معاملے میں کسی کا لحاظ کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔

---

(۱) اتباع میں محمد ﷺ کی رسالت پر حرف آنے سے یہاں اِس جگہ ہماری مراد ہے محمد ﷺ کی شریعت کی بجائے کسی اور شریعت یا قانون کی اتباع

یہاں تک کہ خونی رشتوں اور جماعتی دھڑے بندیوں کو بھی خاطر میں لانا اپنے اس دین سے انحراف تصور کرتے ہیں۔

ہمارے وہ 'اصول پسند' یہیں اسی معاشرے میں پائے جاتے ہیں اور اپنے بے لاگ ہونے کی شہرت اور اصولوں کے معاملے میں ہر کسی سے ٹکرا جانے کا اعزاز رکھنے پر بہت قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں .. بلکہ ان کی رِیس میں اس انداز کے کالم لکھنا باعث شرف جانا جاتا ہے جو اصولوں کا خون ہوجانے پر اور پاکستان کی آئینی روایات کی تاریخ میں نظریۂ ضرورت کی بناڈالنے کا جرم ہونے پر پاکستان کے ایک سابق چیف جسٹس کا نام قریب قریب ایک گالی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ ان آمریت دشمنوں کو کبھی کسی نے انتہا پسند کہا اور نہ شدت پسندی کا طعنہ دیا بلکہ اصولوں کے احترام اور تحفظ کے صلے میں ہمارے یہاں ان کو ہمیشہ ہدیۂ تبریک ہی پیش کیا گیا اور ملک کے حق میں ایسے معدودے چند اصحاب کے وجود کو بسا غنیمت جانا گیا!

اخبارات پڑھ کر دیکھیے جمہوری روایات کے حق میں واویلا کرنا کتنا باعث شرف پیشہ ہے اور کتنا بڑا اعزاز!

کیا آدمی سرپھرا اسی وقت ہوتا ہے جب وہ اسلام اور توحید اور شریعت کے اصولوں پر اس طرح اصرار کرے جس طرح کہ ہمارے بعض سیاسی رہنما جمہوری اصولوں پر اڑ جانا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنی ایسی خدمات کے اعتراف میں پوری قوم سے داد پانے کی توقع رکھتے ہیں!؟

اصولوں پہ اڑنا اگر شرف کی بات ہے تو کیوں نہ یہ وہ اصول ہوں جو اللہ کے ہاں سے اس کے رسولؐ پر نازل ہوئے؟ اصول پسندی قابل تحسین ہے تو لوگوں کیلئے اصول پسندی کا معیار کیوں نہ اللہ کا دین ہو اور اس کا بلاشرکت غیرے پوجا جانے کا حق؟ کیا ایک اچھی چیز تب ہی بری ہوتی ہے جب وہ خدا کے حق کے ساتھ جڑے!؟

اصولوں پر سمجھوتہ جمہوریت پر ایمان رکھنے والوں کے حق میں معیوب ہو اور ایک گراوٹ باور کی جائے مگر توحید پر ایمان رکھنے والوں کے حق میں یہ زمانہ فہمی کہلائے اور روشن خیالی!!!

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَى (21) تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَى (22) – النجم

تمہارے اپنے لئے بیٹے اور خدا کیلئے بیٹیاں!؟ (ایک یہ) تقسیم اور پھر اس قدر غیر منصفانہ!

بندگی میں اللہ کی وحدانیت اور قانون میں رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع .. اس کو ہر آئین سے بڑا آئین ماننا اور اس آئین کی پامالی کو کسی بھی مارشل لا کسی بھی بالائے پارلیمان کارروائی، کسی بھی غیر جمہوری رویے اور کسی بھی آئینی خلاف ورزی سے بڑی خلاف ورزی قرار دینا .. یہ آج ہمارے پڑھے لکھے دینداروں کو عجیب وغریب کیوں لگتا ہے؟

کیا یہ مسئلہ دین میں نیا ہے جو ان کو بدعت ہو جانے کا ڈر ہے یا یہ اتنا پرانا ہو گیا ہے کہ اب یہ اس دور کیلئے نہیں رہا! ؟ بلاشبہ یہ مسئلہ اہل اسلام میں صدیوں تک متفق علیہ چلا آیا ہے اور اسلامی تہذیب کا تمام دور اسی مسئلے کو ہر آئین سے بالاتر آئین کی حیثیت حاصل رہی ہے .. یعنی نہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت اور نہ محمد ﷺ کے سوا کسی کی شریعت۔ پھر وہ کونسے اسباب ہو گئے ہیں کہ اسلام کے اس آئین پر اسی شدت سے اصرار کرنا جس شدت سے صحابہ اور تابعین اور بعد کی نسلوں نے اس پر اصرار کیا تھا، ایک معیوب اور متروک بات قرار دے دی جائے اور اس پر آخری حد تک ڈٹ جانے کو خواہ مخواہ کی شدت! ؟

کیا اب بھی آپ تسلیم نہ کریں گے کہ اسلام اپنی حقیقت کے اعتبار سے دنیا کیلئے نہیں خود مسلم معاشروں کیلئے بلکہ بہت سے اسلام پسندوں کیلئے بلکہ بہت اسلام کے ماہرین کیلئے اجنبی ہو چکا ہے! ؟

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ(۱)

اسلام کا آغاز تھا تو یہ اجنبی تھا۔ عنقریب یہ ویسے ہی اجنبی ہو رہے گا جیسے یہ آغاز میں تھا۔ پس خوشخبری ہو (اُس دور کے) اجنبیوں کو!

****

سبب کیا ہے؟

ہم اس معاملے پر بغور سوچنا چاہیں گے کہ توحید پر محنت اور شرک کے خاتمہ کی دعوت پر ہمارا اسلام پسند جدید طبقہ کیوں متعجب سا ہونے لگتا ہے۔ متقدمین اور متاخرین علماء وفقاء کی کتب جن عقائد اور جن اصولوں کی تکرار سے بھری ہوئی ہیں ان کو پھر سے معاشرے کا اہم ترین مسئلہ بنا

(۱) صحیح مسلم 208: كتاب الايمان باب بيان أن الاسلام بدأ غريبا وسيعود غريبا وأنه يارز

دینا اور لوگوں پر کفر اور اسلام کا فرق از سر نو واضح کرنا آج ہمارے ایک بڑے طبقے کو عجیب اور انہونا کیوں لگتا ہے؟

کوئی شک نہیں کہ یہ کام اسلام کا اولین تقاضا ہے اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کا منہجِ تحریک اس پر واضح شہادت ہے۔ ہمارا یہ پڑھا لکھا طبقہ یہ کام اگر خود کرتا یا کر رہا ہوتا تو بلا شبہ یہ کام آج اس دور میں باحسن انداز انجام پاتا۔ مگر جب ایسا نہیں ہو رہا تو پھر ایک خلا کا پایا جانا یقینی تھا۔

دراصل یہ عین وہ وقت تھا جب مسلم ذہن کی ایک تشکیل نو ہونا تھی اور ایک بڑے دھچکے کے بعد اُمت کو پھر سے انہی بنیادوں پر اٹھنا تھا جس پر پہلے پہل اس کی اٹھان ہوئی تھی۔ ہمارا پڑھا لکھا دینی طبقہ جب دین کے اس بنیادی کام کو اپنی توجہ کا محور نہیں بنا پایا .. دین کے کچھ اور کام کرنے میں تو مصروف رہا .. اسلام کی کچھ جزئیات کو تو اپنی تحقیقات کا موضوع ضرور بنایا اور اسلام کے بعض سماجی اور اخلاقی پہلوؤں کو بھی ضرور توجہ دی مگر اسلام کے وہ ٹھیٹ حقائق جو ہر دور کے باطل کو بہت چبھتے ہیں کیونکہ وہ کفر اور اسلام کے مابین اصل حد فاصل ہیں .. اسلام کا وہ اصل تنازعہ جو ہر دور میں جاہلیت کے ساتھ رہا ہے اور قیامت تک رہے گا .. اسلام کی وہ اصل بنیاد جس سے خار کھا کر دنیا رسول اللہ ﷺ کی دشمن ہوئی تھی اور بالآخر آپ کو ہجرت پر مجبور کر کے رہی۔ دو ملتوں میں اصل باعث نزاع مسئلہ، اسلام کی وہ اصل اساس جو نجات کی کنجی ہے ___ یعنی شرک سے شدید ترین مخاصمت، توحید سے آخری درجے کا تمسک اور نبی ﷺ کی شریعت کی اتباع کرنے اور کروانے پر شدید ترین اصرار اور جاہلیت کی حقیقت کا آشکار کیا جانا ___ یہ بہرحال ہمارے پڑھے لکھے اور اسلام پسند جدید طبقے کا بنیادی اور ہمہ وقتی موضوع نہ بن پایا۔

اصل بات تو یہ ہے کہ معاشرہ اگر اسلام کی حقیقت پر قائم ہوتا تو بھی معاشرے کا یہی بنیادی موضوع رہنا چاہیے تھا کجا یہ کہ معاشرے میں اسلامی فکر و تصور کی بنیادیں دو صدی پہلے ہل گئی ہوں اور شرک کی ان گنت جدید اور قدیم شکلوں نے معاشرے کا اس بری طرح گھیرا کر رکھا ہو پھر بھی یہ معاشرے کا اصل موضوع نہ بنایا گیا ہو .. تب تو اس کو ایک بہت بڑا خلا ماننا چاہیے۔ ایسے میں صرف فقہی مسائل کی تحقیقات کرنا یا صرف معاشی ترقی کے منصوبے بنانا، یا صرف اخلاقی امور ہی کی ضرورت پر زور دینا، یا صرف سیاسی بحرانوں کو ہی اُمت کا موضوع بنا دینا ہرگز وہ کام نہ تھا جس

کا ہمارا یہ جدید دینی طبقہ معاشرے میں بیڑا اٹھاتا۔

سب سے پہلے معاشرے کو اسلام کی ٹھیٹ بنیادوں پر ہی قائم کیا جانا تھا پھر ان باقی محاذوں پر جت جانے کی بھی ضرور نوبت آتی جن پر یہ اصل محاذ پر توجہ دیے بغیر سرگرم ہو گئے تھے۔ مگر یہ خلا ہمارے اس طبقے نے جب چھوڑ دیا تو دراصل اس نے یہ کام کسی اور طبقے کیلئے چھوڑ دیا..

اسلام پسند جدید طبقے نے جس خلا کو پُر کئے بغیر چھوڑا، اسے پر کرنے کو پھر وہ طبقے رہ گئے جسے یہ 'پرانی وضع' کے لوگ سمجھتے تھے۔ ٹھیٹ اصولوں کو دراصل 'نئی وضع' کے لوگ چاہئیں تھے تا کہ یہ اپنے دور اور معاشرے کی آواز بن سکیں۔ یہ ایک بڑا رخنہ تھا جو اس خلا کو پر کرنے کے معاملے میں رہ گیا۔ بلکہ یوں کہیے یہ خلا اپنے حجم وجسامت میں اس وجہ سے اور بھی بڑھ گیا۔ یعنی وہ طبقے جو معاشرے سے معاشرے کی زبان میں بات کرنے کی قدرت رکھتے ان طبقوں کا اسلامی عقیدہ کو معاشرے کا اصل موضوع بنا دینے میں ناکام رہنا ایک خلا تھا تو اس خلا کو پر کرنے کو ان لوگوں کا آگے بڑھنا، یا یوں کہیے اس خلا کو پر کرنے کو اس طبقے کا آپ سے آپ باقی رہ جانا، جو معاشرے کو پوری طرح سمجھ سکتے تھے اور نہ سمجھا سکتے تھے .. اس خلا کا اور بھی وسیع ہونا تھا۔

یہ دونوں باتیں دعوت توحید کے مفاد میں نہ تھیں۔ پھر اس میں جو تیسری بات شامل ہوئی وہ ان دونوں سے خطرناک تھی۔

معاشرے میں صرف 'پرانی وضع' کے لوگوں کا ہی عقیدہ کی دعوت دینے کو موجود ہونا اور بسا اوقات عقیدہ کی صحیح ترجمانی کرنے میں ناکام رہنا آگے چل کر اس بات کا سبب بنا کہ خود عقیدہ ہی کی بابت ذہنوں میں ایک خاص قسم کا 'تاثر' قائم ہو جائے۔ یوں عقیدہ کی بابت ذہنوں میں ایک ایسا تاثر بنا کہ یہ آج کے دور کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ خود اس عقیدہ پر بھی 'پرانی وضع' کا گمان ہونے لگا اور اس کی طرف شدومد سے دعوت دی جانا ایک انہونا کام!

پھر عقیدہ چونکہ ہے ہی اصولوں کا نام اور اصولوں پر شدت اختیار نہ کی جائے تو اصولوں کا کوئی معنی اور کوئی حقیقت ہی نہیں رہ جاتی، جو کہ ایک آفاقی قاعدہ ہے خواہ جمہوریت کے اصول ہوں یا کمیونزم کے یا اسلام کے، جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں، لہٰذا جن لوگوں کو معاشرے میں اسلامی عقیدہ کی دعوت دینا تھی ان کو عقیدہ پر شدت بھی اختیار کرنا تھی۔ ہمارا یہ نیا طبقہ عقیدہ کو ابھی

معاشرے کا ایک مسئلہ بھی نہیں مان پایا تھا کہ اس پر یہ شدت دیکھ کر اور بھی متعجب ہوا۔ یوں وہ لوگ جو معاشرے کو اپنے انداز میں سہی مگر توحید کی دعوت دینے پر جان کھپاتے تھے اور معاشرے میں لوگوں سے اس پر بہت کچھ برا بھلا سنتے تھے ان مسائل پر شدت اپنانے کے باعث اب اور بھی اوپرے اور پرانی طرز کے لگنے لگے۔ خصوصاً جبکہ بعض اوقات توحید کے نام پر وہ بعض ایسے امور تک پر شدت اپنا لیتے رہے جن پر شدت اپنائی جانا شرعاً بھی درست نہ تھا۔ لوگوں کو دین سے خارج کر دینا اتنا آسان نہیں تھا جتنا کہ ہمارے ان بعض قابل احترام طبقوں نے باور کر لیا تھا جو اپنے تئیں توحید کی دعوت دیتے تھے۔ یہ بات آخر کار پھر اس بات کا سبب بنی کہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ سرے سے اس وادی کا رخ نہ کرے اور معاشرے کو توحید پہ لے آنے پر اصرار کرنے کو اور معاشرے میں شرک کا راستہ ہر قیمت پر روک دینے کو انبیاء کا طریقہ ماننے کی بجائے فرقہ واریت جانے!

بنیادی طور پر یہ ایک ردعمل تھا جس کے پیچھے عقیدہ کو سمجھانے اور پیش کرنے میں کچھ بے قاعدگیوں اور زیادتیوں کو بھی ضرور دخل تھا مگر اس کی ایک بڑی وجہ ایک ایسے طبقے کا دعوتِ توحید کی پہچان بن جانا تھا جو ہمارے جدید دیندار طبقے کو زیادہ متاثر نہ کر سکتا تھا۔ یہ صورتحال بنیادی طور پر ہمارے اسی جدید طبقے کی اپنی کوتاہیوں کی پیدا کردہ تھی مگر اب اس نوبت کو پہنچ جانے کے بعد اس طبقے کے ہاں یہ ایک اور بھی بڑے ردعمل کا سبب بنی۔ چنانچہ اس معاملے میں ہمارے اس دیندار جدید طبقے نے دو غلطیاں کیں۔ ایک، توحید کی طرف دعوت دینے کے کام کو اپنے سوا کسی اور کیلئے چھوڑ دینا اور دوسرے، اس 'اور' کے انداز اور اسلوب سے، جس میں ضرور کچھ غلطیاں بھی ہوں گی، ردعمل کا شکار ہو کر دعوتِ عقیدہ ہی کی بابت اپنا تاثر خراب کر لینا۔

انجام کار اب صورتحال یہ ہے کہ اسلام کے کچھ اہم ترین مسلّمات جن پر ہر نبی نے اپنے معاشرے کی بنیاد اٹھائی اور جو کہ ہر دور میں مسلم معاشروں کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے رہے اور جو کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے مابین ہمیشہ ایک امتیازی وصف رہا .. یعنی شرک و جاہلیت کے خاتمہ کی دعوت اور اللہ کی بلا شرکت غیرے بندگی پر آخری درجے کا اصرار ____ اور جن کے باعث انبیاء کو اور ہر دور میں حقیقی تجدیدی مساعی کرنے والوں کو لوگوں سے بہت کچھ سننا اور برداشت ضرور کرنا پڑا مگر ان کی بدولت مسلم معاشرے ایک خاص انفرادیت اور یکسوئی پا کر قابل رشک اور نصرت

خداوندی کے مستحق ہو جاتے رہے ___ اسلام کے ان مسلمات پر زور دینا اور لوگوں کو ان پر مجتمع اور یک آواز کرنے پر مصر ہونا پرانے زمانے کا کام سمجھا جانے لگا!

لوگوں کو یہ بتانا کہ جس قدر اسلام کے یہ مسلّمات متاثر ہوں اسی قدر انسان کا اسلام متاثر ہوتا ہے اور یہ کہ توحید یا رسالت یا آخرت ایسے مسلمات جاتے رہنے سے اسلام کا کچھ باقی ہی نہیں رہتا چاہے سماجی طور پر آدمی مسلمان یا حتی کہ مسلمانوں کا لیڈر کیوں نہ مانا جاتا ہو اور یہ کہ شرک کا ارتکاب کر لینے یا رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر کسی اور قانون کو ترجیح دے لینے کے بعد انسان کے اسلام کا ___ اصولاً ___ کوئی اعتبار باقی نہیں رہتا سوائے یہ کہ وہ کسی بات سے لاعلم ہو اور جس کا تقاضا ہے کہ اس کی لاعلمی دور کرنے پر تمام تر محنت صرف کر دی جائے اور شرک کی شناعت لوگوں پر بار بار واضح کی جاتی رہے .. یہ بات کرنا لوگوں کو اسلام میں نئی بات نظر آنے لگی!

اس تاثر کے مضبوط ہونے میں کچھ اور اضافی اسباب نے بھی بڑی بے رحمی سے کام کیا۔ توحید کے داعی طبقوں کا معاملہ تو اور تھا، ان میں منہجی طور پر کتنی بھی بے اعتدالی پائی گئی مگر خدا کا فضل ہے یہ سیاسی مفادات کی پیروی سے عموماً محفوظ رہے۔ البتہ ہمارے یہاں کچھ کٹر مذہبی طبقے بھی پائے گئے جن میں فتویٰ ایک ہتھیار کے طور پر چلایا گیا اور بڑی بے دردی سے برتا گیا ہے۔ بہت سے مذہبی گروہ اپنے بعض سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے اور بسا اوقات اپنے آپس کے قرض بے باق کرنے کیلئے آج تک فتویٰ کا سہارا لیتے رہے ہیں .. اس سے وہ تاثر اور وہ ردعمل اور بھی پختہ ہوا جو ہمارے پڑھے لکھے ذہنوں میں بعض روایتی دینی طبقوں اور بعض روایتی دینی موضوعات کی بابت وجود پا چکا تھا .. خصوصاً شرک کے بارے میں اسلام کے اندر پائی جانے والی سختی کی بابت بلکہ دین کے ہر 'سخت مسئلہ' کی بابت!

****

فتویٰ کو ایک فرقہ وارانہ اور ایک پیشہ وارانہ ہتھیار اور ایک سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرنے والا طبقہ تو ہماری نظر میں دینداروں کی صفوں میں پایا جانے والا مبغوض ترین طبقہ ہے۔ ان کے لئے ہمارے پاس احترام کے کوئی الفاظ بھی نہیں۔ البتہ اس مخلص طبقے کا معاملہ اور ہے اور وہ ہمارے لئے بے انتہا قابل قدر ہے جو دین کے بنیادی عقائد کی طرف اپنے انداز سے یہاں صدی بھر دعوت

دیتا رہا اور معاشرے میں پھیلی جہالت کے باعث اس بات پر لوگوں کی مخالفت بھی مول لیتا رہا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ دین کے عقائد کی یہ ایک لگی بندھی تبلیغ تھی اور اس میں اپنے دور کے انسان کو مخاطب کرنے اور اپنے زمانے کے ذہن کو ہلانے جلانے کی بہت کم صلاحیت تھی۔ عمومی طور پر یہ اس طبقے کی علمی اور ثقافتی کمزوری تھی۔

پھر اسی طبقے کا ایک حصہ وہ تھا جو معاشرے کو اپنی بات سمجھانے کا اس قدر اہتمام نہ کرتا تھا جتنا اپنی بات پر شدت اختیار کر لینے کا۔ بلاشبہ وہ حق بات کرتا تھا مگر معاشرہ جس بات کو ان سے ابھی سمجھ بھی نہ پایا تھا ان کو اس پر سخت ہوتا اور فتوے لگا تا دیکھ کر اور ان کو معاشرے سے کسی قدر متنفر پا کر اور بھی متعجب ہوتا اور انکی نسبت پھیلائے جانے والے تاثرات پر اور بھی زیادہ یقین کرتا۔

پھر اس طبقے کا ایک اور حصہ توحید کے حوالے سے کچھ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کو کفر اسلام کا مسئلہ بنانے پر مصر رہا حتی کہ بعض اوقات فقہی مسائل کو بھی توحید اور شرک کے مسائل جتنا سنگین بنا دیتا رہا جو کہ ہرگز دعوت کا اصل الاصول نہیں بن سکتے۔ اس کے نتیجے میں توحید کے اصل اور بنیادی مسائل کا پس منظر میں چلا جانا یقینی تھا۔ دین کے کچھ فرعی مسائل پہ 'عقیدہ' کے نام پر اپنائی گئی شدت البتہ توحید کیلئے بے پناہ نقصان دہ ثابت ہوئی اور دعوتِ توحید کا تاثر شدید حد تک خراب کرنے میں یہ رجحان بہت مہلک رہا۔

پھر اس موحد طبقے میں ایک اور رجحان نے در آنے کی بہت کوشش کی اور اس کو خراب کرنے میں کوئی کسر نہ رہنے دی۔ یہ خوارج کا مذہب تھا جو طرح طرح سے توحید کے داعیوں پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ موحدین کے ایک طبقے میں اصول اہلسنت سے لاعلمی پا کر وہ چھوٹے چھوٹے گروہ یہاں کچھ نہ کچھ مقبولیت پا لیتے رہے جو دانستہ یا نادانستہ اصولِ خوارج پر عمل پیرا تھے۔ اپنے دور میں شرک کے بڑے بڑے واضح و جلی مظاہر کو چھوڑ کر ان کی زد کبھی ابن تیمیہ اور احمد بن حنبل پر پڑتی۔ کبھی بخاری کی احادیث نشانہ بنتیں۔ کبھی ایک دوسرے کے پیچھے نماز چھوڑنے تک نوبت آتی اور کبھی آدمی کا عقیدہ جانے بغیر اس سے سلام اور دُعا اور جنازہ و استغفار کی حرمت تک۔ یوں خوارج کی وہ صفت کسی حد تک ان گروہوں پر، جو یہاں کے موحد طبقوں میں پذیرائی پانے کی مسلسل کوشش میں رہے ہیں، فٹ آتی رہی: یقتلون اهل الاسلام ویترکون اهل الاوثان یعنی ''وہ

مسلمانوں کو ماریں گے اور کافروں کو بخش دیا کریں گے"!

یہ تینوں رجحانات یعنی:

۱۔ توحید کو ذہنوں میں اتارے اور پوری طرح واضح کئے بغیر اس پر لوگوں کے ساتھ شدت اپنا لینے والے حضرات۔

۲۔ توحید کی نسبت سے بعض ایسے مسائل کو، جو کہ نواقضِ اسلام میں نہیں آتے، کفر اسلام کا مسئلہ بنا دینے والے حضرات۔

۳۔ خوارج کے مذہب کا چلن کرنے والے چھوٹے چھوٹے گروہ۔

یہ تینوں رجحانات یہاں کے موحد طبقوں میں بلا شبہ اقلیت تھے اور خود اس موحد طبقہ میں ان غلط رجحانات کے خلاف شدید مزاحمت پائی گئی مگر یہ اس حد کو نہ پہنچ پائی جہاں ایک باہر سے دیکھنے والا شخص ان کو دو الگ الگ طبقوں کے طور پہ دیکھنے پر ہی اپنے آپ کو مجبور پائے۔ الا ماشاء اللہ۔ باہر سے دیکھنے والے کو یہ ایک ہی طبقہ نظر آتا تھا۔ اس طبقے کا تاثر خراب کرنے میں اب یہ تین اضافی سبب تھے جو یکے بعد دیگرے اس میں شامل ہوتے گئے۔

خود اس طبقے میں جو ایک عمومی کمزوری تھی وہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں یعنی توحید کے حقائق کو لے کر اپنے دور کے انسان کو مخاطب کرنے اور اپنے معاشرے کے ذہن وشعور کو متاثر کرنے کی بہت کم اہلیت رکھنا بلکہ اس اہلیت کے حصول کی کوشش ہی بہت کم کرنا مزید برآں اہلسنت کے منہجِ تحریک اور تصورِ وحدت سے آگاہی بھی خاصی کم تھی، یہ کمزوری واقعتاً تھی۔ مگر معاشرے میں اس کی بابت جو تاثر بنایا گیا وہ کہیں بھیانک تھا۔ اس تاثر کی شدت اور مبالغہ آمیزی حد سے زیادہ تھی۔ جس کے باعث اس طبقے کی دعوت کو نقشِ کہن کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا تھا۔ یہ بات بے انتہا غلط اور گمراہ کن تھی مگر اس کا موقعہ بلاشبہ اس طبقے کے اپنی ہی طرف سے دیا گیا تھا۔ یہ ابھی صرف ایک کمزوری کا شاخسانہ تھا۔ پھر وقفے وقفے سے جب اس میں مذکورہ بالا تین اضافی تاثرات بھی آ ملے تو معاملہ وہاں پہنچا جہاں وہ اس وقت ہے۔

******

دوسری جانب ہمارے دانشور تھے۔ یہ دین پسند جدید تعلیم یافتہ طبقہ تھا جو زیادہ تر اسلام

کے سیاسی، معاشی، سماجی اور اصلاحی مسائل پر اور نو آبادیاتی و مابعد نو آبادیاتی بحرانات پر تو کام کرنے کی ضرورت محسوس کرتا رہا مگر بڑی حد تک عقیدہ کو بنیاد بنائے بغیر۔ بلکہ ہمارا یہ جدید طبقہ عقیدہ اور شرک وتوحید کے مسئلہ کو دعوت کی بنیاد بنانے کی بابت خود بھی معاشرے میں پھیلے ان تاثرات ہی کا اسیر تھا جو ابھی ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں ___ الا ماشاءاللہ ___

قدیم اور جدید .. ہمارے یہ دونوں دین پسند طبقے نادانستہ اس امر میں متعاون ہوئے کہ ایمان کی یہ حقیقت اور کفر اسلام کا یہ اصل فرق اور شرک توحید کا یہ امتیاز، جو کہ انبیاء کی تحریک کا اصل الاصول تھا، ہمارے معاشرے سے ایک بڑی سطح پر اوجھل رہے اور پرائی تہذیب پر ایک صدی بھر تربیت پاتا رہنے والا یہ معاشرہ حقیقتِ اسلام کی نسبت مسلسل تاریکی میں ڈوبا رہے۔ انجام یہ کہ ہمارا معاشرہ دین کی حقیقت اور اسلام کی بنیادوں کا علم رکھنے کے معاملے میں آج بھی اتنی ہی تاریکی میں ہے جتنی تاریکی یہاں آج سے پچاس یا سو سال پہلے تھی۔ الا ماشاءاللہ۔ معاشرے کو کسی بنیاد پر کھڑا کرنے کا کام سرے سے نہیں ہو رہا۔ دینی قیادتوں کا ایک طبقہ معاشرے کو ایک طرف کو کھینچ رہا ہے تو ایک دوسرا طبقہ دوسری طرف کو۔ نتیجتاً معاشرہ جہاں تھا وہیں کھڑا ہے البتہ زور سب کا بہت لگ رہا ہے اور مصروف بھی سب بہت ہیں!

یہ ایک بحران ہے۔ رہا اس بحران کا حل تو وہ کوئی تیسری یا چوتھی طرف کو نیا 'ردعمل' نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس بحران کا حل 'ردعمل' کی اس ذہنیت کے خاتمہ میں ہے۔ عقیدہ کی اصل حقیقت کو قرآن سے اور سنت رسول اللہ ﷺ سے __ منہج سلف کے مطابق _ واضح کرنا اور ردعمل کی ذہنیت کی ضرر رسانی واضح کرنا ہی اس بحران کا معقول حل ہو سکتا ہے۔

****

عمل نہ کہ ردعمل:

ایک ردعمل اپنے سے بڑے ردعمل کا سبب بنتا ہے۔ ردعمل در ردعمل کا سلسلہ چل پڑے تو پھر کہیں تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ ڈیڑھ صدی سے ہم اسی المیہ کا شکار ہیں اور اس سے نکلنے کا کہیں نشان نہیں پاتے۔ جبکہ ہم وہ قوم ہیں جو دنیا میں حقائق کی امین ہے! کتاب اللہ ہمارے پاس ہے اور

سنت رسول اللہؐ ہم میں موجود۔ کیا پھر ہم اپنے تاثرات کو دیکھیں؟ رجحانات کو قابل اعتنا جانیں؟ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہؐ سے ثابت شدہ حقائق کو اپنے ذوق کی میزان میں تولیں؟ دین کے بہت سے حقائق جو قرون اولیٰ کا تمام عرصہ اُمت اسلام میں غیر متنازع رہے ان کو اب اس وجہ سے نظر انداز کر دیں کہ ہمیں کسی خاص طبقے کا ذوق پسند نہیں یا کسی کے طرز عمل سے چڑ ہے؟ حقائق کی ترجمانی اگر کہیں غلط بھی ہو رہی ہو تو کیا ہم ان حقائق ہی سے بیر رکھنے لگیں گے!؟ ایک طرف کہیں بالفرض حق کا استحصال بھی ہو تو کیا دوسری طرف اسی حق کا استخفاف ہونے لگے گا!؟ یوں حق کا نقصان دونوں طرف سے ہوتا رہے!؟

کیا یہ درست ہوگا کہ حق کے وہ مسائل جو اس کھینچا تانی کی نذر ہوں یا اس 'ردعمل' کی ذہنیت کی بھینٹ چڑھیں، اور وہ بھی پڑھے لکھے طبقے کے ہاں، ان میں سر فہرست مسئلۂ توحید ہو؟ یعنی توحید پر زور دینے اور شرک کے خاتمہ پر اصرار کرنے کی جتنی ضرورت ہے اور جس پر کہ قرآن اور سیرتِ رسول اللہؐ شاہد ہیں، وہ اس وجہ سے موقوف ہو جائے کہ کوئی دوسرا آپ کی نظر میں توحید کی غلط ترجمانی کر رہا ہے۔ شرک کی مذمت دین کا ایک بنیادی مسلمہ ہے کوئی دوسرا اس کام کو غلط انداز میں کر رہا ہے تب تو اصولاً یہ کہیں ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ شرک کی مذمت کا یہ کام صحیح انداز میں کرنے کیلئے آگے بڑھیں!

دین اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ کچھ شک نہیں کہ توحید ہے۔ اس سے بڑا مسئلہ اسلام میں ہے ہی نہیں۔ توحید نہیں تو پھر اسلام میں پیچھے کیا رہ جاتا ہے؟ حتی کہ توحید نہیں تو پھر محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا بھی کیا معنی رکھتا ہے؟ محمد ﷺ کا دنیا کے ساتھ اصل تنازعہ توحید ہی تو ہے۔ اللہ کے حق بندگی کا اعتراف کروانا اور غیر اللہ کی بندگی کو ختم کروانا، انسانوں کے سر ایک اللہ وحدہ لاشریک کے حضور جھکانا اور اس کے علاوہ ہر ذات اور ہر سرکار کے آگے اس سر کو اونچا رکھنا اور اس ایک کے سوا کسی کو مشکل کشائی کیلئے پکارنے کو سب سے بڑا جرم قرار دلوانا، اللہ کی شریعت کے سوا ہر نظام اور ہر قانون کو مسترد کر دینا .. کیا دنیا کے ساتھ محمد ﷺ کا، بلکہ ہر رسول کا، اس کے سوا کوئی اور تنازعہ بھی رہا ہے؟ کوئی کلمہ گو ہے تو یہ بے انتہا اچھی بات ہے لیکن کسی کا کلمہ گو ہونا کیا یہ معنی رکھتا ہے

کہ نہ تو اس کو کسی شرک سے روکا جائے نہ شرک کے برے انجام سے خبردار کیا جائے اور نہ اس بات سے متنبہ کیا جائے کہ شرک کرکے وہ محمد ﷺ کی دعوت کے مرکزی ترین نکتے کے ساتھ کفر کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ دعوت کے اس فرض کی کتنی بھی غلط ترجمانی کیوں نہ ہونے لگی ہو اس دور میں، بلکہ کسی بھی دور میں، ہمارا مشن بن جانے سے اس کی فرضیت ساقط کیونکر ہوسکتی ہے؟

****

جہاں تک اندیشوں کی بات ہے..

ہاں رہی بات توحید اور شرک کے معاملے میں کچھ پیچیدہ مسائل کی، خاص طور پر جو کہ ہمارے موجودہ معاشرے کے ساتھ متعلق نہیں مثلاً افعال العباد کا مسئلہ یا خلقِ قرآن کا مسئلہ، جن پر صحابہ کے دورِ اول میں بات نہیں ہوئی مگر علماءِ اسلام ان پر کبھی کسی دور میں بات کرتے رہے ہیں کیونکہ بعض بدعتی فرقوں کی جانب سے یہ مسائل اس دور میں کھڑے کردیئے گئے تھے اور جو کہ توحید کے مستقل اور مسلسل ذکر ہونے والے مسائل نہیں ورنہ رسول اللہ ﷺ ان مسائل کو باقاعدہ بیان کرتے اور صحابہ ان کو اسی اہتمام سے روایت کرتے .. تو ایسے پیچیدہ مسائل کو عوام میں پھر سے لے آنے کی واقعتاً کوئی ضرورت نہیں اور اگر ایسا کیا جائے تو بلاشبہ یہ توحید کی غلط ترجمانی ہوگی۔

رہی بات عقیدہ کے ایسے مسائل کی جن پر علمائے اہلسنت کی ایک سے زیادہ آراء پائی گئیں، مثلاً مردوں کے سننے یا نہ سننے کا مسئلہ جب تک کہ یہ غیر اللہ کو پوجنے اور مدد کیلئے پکارنے کی نوبت کو نہ پہنچے .. تو ایسے مسائل پر لوگوں کا امتحان کرنا درست نہیں جن پر اللہ اور رسول ﷺ نے لوگوں کو امتحان میں نہیں ڈالا۔ ایسے مسائل کو شرک اور توحید کی کسوٹی بنا دینا واقعتاً درست نہیں۔

ہر وہ بات جس کے بعض پہلوؤں پر شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے اور جس میں صحابہ کو بحث کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور جو ہمارے دور اور معاشرے سے متعلق نہیں .. ایسی کسی بات کو اس وقت کفر اسلام کا مسئلہ بنا دینا درست نہیں۔ ایسا کرنا توحید کی غلط ترجمانی ہوگی۔

رہی بات ان مسائل کی جو عقیدہ میں جھول آجانے کا باعث تو ہیں مگر ان کے ارتکاب پر

آدمی کا مشرک قرار پانا علمائے اہلسنت کے ہاں مقرر قاعدہ نہیں .. مثلاً اللہ سے دُعا کرتے وقت اللہ کو کسی نیک مخلوق کا واسطہ دینا، تو اگرچہ یہ غلط ہے مگر اس کے شرک ہونے پر علمائے اہلسنت اتفاق نہیں کرتے (۱) .. ایسے مسائل کی بنیاد پر بھی اگر لوگوں کو اسلام سے خارج کیا جانے لگے تو یہ توحید کی معاشرے میں بہت ہی غلط ترجمانی ہوگی۔

رہی بات شرک اصغر کو شرک اکبر کا درجہ دے ڈالنے کی .. مثلاً حلف بغیر اللہ (۲) (بشرطیکہ مقصد غیر اللہ کی تعظیم نہ ہو) یا کوئی دھاگہ وغیرہ باندھ لینا یا گلے میں کچھ لٹکا لینا اس خیال سے کہ خدا اس سے نظر بد دور کر دے گا، جو کہ شرک اصغر (۳) ہے نہ کہ شرک اکبر۔ یعنی یہ شرک کی وہ قسم ہے

---

(۱) کیونکہ اس نے پکارا غیر اللہ کو نہیں بلکہ دُعا اللہ سے ہی کی ہے۔ گو اللہ کو پکارنے میں ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اور اللہ کو کسی نیک ہستی کا واسطہ دے کر ایسا کام کیا ہے جو اللہ کے مقام کے شایان شان نہیں۔ یہ ایک بڑا گناہ ہے مگر شرک نہیں۔ ہاں اگر وہ غیر اللہ کو پکارتا یا پوجتا ہے کہ وہ اسے اللہ کے قریب کر دیں تو پھر بلا شبہ یہ شرک ہوگا اور آیت **ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ** کا اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی رسائی کچھ ہستیوں تک ہے لہٰذا ان کی التجا ان تک ہے آگے ان ہستیوں کی خدا تک۔ یہ آخری بات البتہ محض بدعت نہیں بلکہ کھلا شرک ہے۔

(۲) دیکھیے **المسئلة الثانية. باب فلا تجعلوا لله اندادا وانتم تعلمون** ۔از کتاب التوحید، محمد بن عبدالوہاب۔

(۳) دیکھیے کتاب التوحید از محمد بن عبدالوہاب، باب **(من الشرک :لبس الحلقة والخيط ونحوهما، لرفع البلاء أو دفعه)** اس کے مسئلۂ ثانیہ کے تحت امام محمد بن عبدالوہاب حضرت حذیفہ کا ایک آدمی کے بازو سے بخار کا دھاگہ کاٹ کر پھینکنے اور آیت **وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ** (یوسف 106:) پڑھنے کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اس کے ذیل میں فرماتے ہیں: **فيه شاهد من اعلام الصحابة أن الشرک الاصغر أكبر الكبائر** صحابہ کے کلام سے یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ شرک اصغر کبائر میں سب سے بڑا کبیرہ ہے۔ اس کی شرح فتح المجید میں شیخ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ لکھتے ہیں: **استدل حذيفة رضى الله عنه بالآية على ان هذا شرک. ففيه صحة الاستدلال على الشرک الاصغر بما نزله الله فى الشرک الاكبر لشمول الآية له، ودخوله فى ماسمى الشرک** حضرت حذیفہؓ نے اس آیت سے استدلال فرمایا کہ یہ فعل شرک ہے۔ چنانچہ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شرک اکبر کے بارے میں جو کوئی بات نازل

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

جس سے آدمی ملت سے خارج نہیں ہو جاتا .. ایسے شرک اصغر کو شرک اکبر بنا دینا اور ایسی باتوں کی بنا پہ کسی پر ملت سے خارج ہونے کا حکم لگانا توحید کی ناقص اور غلط ترجمانی ہوگی۔

رہی بات مسئلۂ اطلاق و تعیین میں فرق کی ..یعنی علمائے عقیدہ کا یہ اصول کہ ہر وہ شخص جس سے شرک پر مبنی کوئی قول یا فعل سرزد ہو، اگرچہ وہ شرک اکبر پر مبنی کیوں نہ ہوں، اس کا وہ قول یا فعل دیکھتے ہی ضروری نہیں اس کو مشرک بھی قرار دے دیا جائے تا آنکہ اس پر حجت قائم نہ کر دی جائے اور اس کے سب شبہات کا ازالہ نہ کر دیا جائے..(۱)

چنانچہ اس مسئلہ کی رو سے .. کسی شرکیہ فعل کا مرتکب ہونے کے باوجود ایک شخص کے مشرک قرار پانے کی باقاعدہ شروط ہیں اور ان شروط کے پورا ہوئے بغیر _ جس کا اس شخص کی بابت تعین کرنا اہل علم کا کام ہے _ اس کو مشرک نہیں کہا جا سکتا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)

=فرمائی اس سے شرک اصغر پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ آیت اس کا بھی احاطہ کرتی ہے اور کیونکہ لفظ شرک کا اس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ (محمد بن عبدالوہاب اور عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ کے یہ اقوال ذکر کرنے سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ علمائے توحید نظر وغیرہ کا دھاگہ باندھنے کو شرکِ اصغر شمار کرتے ہیں۔

(۱) فقہائے اسلام کے ہاں کسی شرکیہ قول یا فعل کے مرتکب کو مشرک کہنے کی جو شروط ہیں اور جو کہ عموماً مسئلۂ اطلاق و تعیین میں فرق کے تحت ذکر ہوتی ہیں، یا پھر ان کو شروط تعیین کہا جاتا ہے یعنی کسی شخص کو متعین کر کے اس پر حکم لگانے کی شروط، تو ان کی شرح کا یہ مقام نہیں۔ مختصراً، یہ تین شرطیں ہیں:

i) آدمی اپنے اس قول یا فعل کے شرعی حکم سے جاہل نہ ہو جب تک کہ اس کا جہل دور نہ کر دیا جائے۔

ii) وہ اپنے اس قول یا فعل کیلئے کوئی تاویل نہ رکھتا ہو جب تک کہ اس کی تاویل کا بطلان اس پر کافی حد تک واضح نہ کر دیا جائے۔

iii) آدمی کسی اکراہ (جبر) کی حالت میں نہ ہو جب تک کہ وہ اس حالت سے نکل نہ آئے۔

چنانچہ جہل اور تاویل بلا شبہ انسان کیلئے عذر بن سکتے ہیں۔ ایک آدمی کی لاعلمی اور تاویل کا ازالہ اس پر حکم لگانے کیلئے واقعتاً شرط ہے مگر یہ لوگوں کا دفاع کرتے جانے کیلئے کوئی مطلق دلیل بھی نہیں۔ اس دلیل کا تو خود یہ تقاضا ہے کہ ہمارے وہ اہل علم اور اصحاب دانش جو لوگوں کے دفاع میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں ان کا سب سے پہلا فرض یہ بنتا ہے کہ وہ لوگوں کا جہل دور کرنے اور ان کی تاویلات اور اشکالات کا ازالہ کرنے پر دن رات ایک کر دیں۔

چنانچہ جہاں تک مسئلۂ اطلاق وتعیین میں فرق کا تعلق ہے تو اس علمی اصول کونظر انداز کر دینا اوران شروط کو مدنظر رکھے بغیر کسی پر شرک کا حکم لگانا بھی منہج توحید کی بے حد غلط ترجمانی ہوگی اور بلاشبہ یہ طریقہ کسی علم پر مبنی نہیں۔

رہی یہ بات کہ لوگوں کو شرک سے ڈرانے اور خبردار کرنے میں اور توحید کی حقیقت سمجھانے میں موعظۂ حسنہ کا التزام اور اچھے سے اچھا اور موثر سے موثر اسلوب اختیار کرنا ضروری ہے اور یہ کہ دعوت اور اقامتِ حجت کے عمل میں لوگوں کو _ پورا زور لگا کر _ جہنم سے بچانا ضروری ہے نہ کہ لوگوں کو _ پورا زور لگا کر _ جہنم میں دھکیل دینا .. کہ اسلوب میں فرق آ جانے سے نتیجہ میں فرق آ جانا یقینی ہے اور بسا اوقات اچھی نیت مگر ناکافی استعداد یا غلط انداز یا عدم اہلیت سے کیا گیا کام غیر مطلوب نتائج پیش آ جانے کا سبب بنتا ہے .. اور یہ بھی کہ توحید کے داعی بعض طبقے اس امر کا خیال رکھنے میں مطلوبہ احتیاط نہیں برتتے .. تو یہ بھی واقعتاً برحق ہے اوراس اہم بات کونظر انداز کر دینا توحید کی، معاشرے میں، بے انتہاء غلط ترجمانی ہوگی۔

اگرچہ یہ دیکھا جانا ابھی باقی ہے کہ لوگوں کو شرک سے ڈرانے اوراس پر جہنم سے خبردار کرنے میں ہمارے دانشور کیا اسلوب اختیار کرتے ہیں!

بہرحال ان سب باتوں کو جو ہم نے ابھی اوپر ذکر کیں، تسلیم کیا جا سکتا ہے اور تسلیم کرنا چاہئے کیونکہ یہ علم پر مبنی باتیں ہیں۔ اگرچہ ہمارے یہاں کے بیشتر دانشور حضرات لوگوں کے بارے میں نرمی کا موقف اختیار کروانے میں ان سب علمی بنیادوں میں سے کسی بنیاد کا کم ہی کبھی ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے اس دعوی کی صحت جاننے کیلئے آپ اس موضوع پر لکھی جانے والی ان کی عام تالیفات دیکھ سکتے ہیں۔ ایک تو اس کی وجہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عمومی طور پر ہمارے برصغیر کے دین پسند جدید پڑھے لکھے طبقے کے ایک بڑے حصے کو منہجِ سلف اور اصولِ اہلسنت تک ابھی پوری رسائی نہیں جبکہ معاملہ یہ ہے کہ اصولِ اہلسنت کے اس علمی منہج کو بنیاد بنا کر، اپنے دور کے شایانِ شان، توحید پر قائم تحریکی اور معاشرتی تبدیلی کا ایک زبردست پروگرام مرتب کیا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ منہجِ سلف اور اصولِ اہلسنت پر یہاں بہت کچھ لکھا لکھایا نہیں گیا اس وجہ سے ہمارے دین پسند جدید طبقے میں عمومی طور پر اس جانب ایک کمزوری پائی جاتی رہی ہے۔ اس کی دوسری وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے

کہ ہمارا یہ دانشور طبقہ معاشرے میں قائم تاثرات و رجحانات سے خود بھی بڑی حد تک، بلکہ لاشعوری طور پر تو ضرور ہی، متاثر ہے اور باطل کے ساتھ رواداری کے مقبول عام مغالطہ کا بھی بڑی حد تک شکار ہے۔

سو ہر چند کہ ہمارے بیشتر دانشور حضرات اس بارے میں اپنے کسی نرم موقف کے لئے (جہاں واقعتاً نرم موقف کی ضرورت ہے) ان علمی بنیادوں پر کوئی خاص سہارا نہیں کرتے جو کہ ائمۂ اہلسنت قدیم زمانے سے بیان کرتے آئے ہیں اور یہ بعض عذر جو کہ منہج اہلسنت کے حوالے سے ہم نے اوپر بیان کر دیئے ہیں اور جو کہ امید ہے ہمارے ان قابل احترام حضرات کو پسند آئیں گے جو کسی پر شرک کا حکم لگانے میں احتیاط برتنا چاہتے ہیں مگر اس کی کوئی علمی بنیاد وہ عموماً بیان نہیں کر پاتے...... پھر بھی یہ سوال اسی طرح باقی ہے کہ جس مسئلے کو ___ یعنی شرک کا خاتمہ اور توحید سے تمسک ___ کو منوانے پر انبیاء کی زندگیاں گزر گئیں آخر اس کو منوانے پر ہمارا اہتمام اور ہمارا زور کیوں صرف نہیں ہو رہا؟

کیا یہ مناسب ہوگا کہ ہم مسلمان پر فتوی لگانے سے احتیاط کی دہائی تو خوب مچائیں مگر مسلمان کو شرک سے بچانے کی دہائی دینا غیر ضروری جانیں یا حتی کہ وہ عذر اور احتیاطیں تو سب بیان کریں جو لوگوں کو شرک سے خبردار کرنے کے عمل کے دوران اختیار کی جانا ہوں مگر لوگوں کو شرک سے ڈرانے کا وہ اصل کام کبھی کریں ہی نہ جس کیلئے یہ سب احتیاطیں بیان کی جانی چاہئیں!!؟

بریک کے بغیر گاڑی کا درست چلنا ممکن نہیں اور حادثے کا شکار ہو جانا یقینی ہے۔ مگر ایک گاڑی جسے کبھی چلایا ہی نہیں جانا ساری عمر اس کے بریک ہی درست کرتے رہنے کا کیا مصرف!؟

یہ سب احتیاطیں برحق، مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ سب مسائل جن کی بابت فقہائے اسلام کا ہمیشہ سے اتفاق چلا آیا ہے کہ وہ شرک ہیں .. مثلاً اللہ کے سوا کسی کو مدد اور حاجت روائی کیلئے پکارنا، مخلوق کے آگے دست ذلت دراز کر لینا اور اس سے دُعائیں اور التجائیں کرنے لگنا، غیر اللہ کی نذر دینا اور چڑھاوا چڑھانا، معبود برحق کے سوا کسی کو سجدہ کر آنا، کسی کے در کا طواف کرنا، اللہ کے سوا کسی پر توکل کرنا اور اس کو اپنے لئے کافی جاننا، اللہ کے سوا کسی سے قانون لینا .. ایسے واضح ترین مسائل جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے دو اور دو چار کی طرح ثابت ہے کہ وہ شرک ہیں ان کو

شرک کہنا ..ان کو ایمان کے منافی ماننا ..ان کو اسلام سے متصادم قرار دینا اور اسلام سے اس انداز کا تصادم روا رکھنے پر انسان کو ایمان کی فکر کروا دینا ..اور شرک کے ان مظاہر پہ اصرار کرنے والے پر واضح کر دینا کہ یہ فعل یا یہ اعتقاد اس کو اسلام سے خارج کر دے گا سوائے یہ کہ وہ اس سے تائب ہو جائے ..اس میں آخر کیا غلط بات ہے؟ اور یہ کام کرتے ہم معاشرے میں کیوں نظر نہیں آتے؟

توحید کے واضح اور کھلے کھلے مسائل کو ایمان کی بنیاد بنا دینا اور شرک کے واضح اور کھلے افعال و اعتقادات کو ایمان کے منافی قرار دینا .. کیا انتہا پسندی ہے؟ بنیاد پرستی ہے؟ وہابیت ہے؟ پسماندگی ہے؟ جہالت ہے؟ آخر یہ کیا ہے اور اس میں برائی کہاں ہے؟

کیا خیال ہے اگر آج رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہوں تو وہ شرک کے ان مظاہر کو دیکھ کر، جو ہمارے معاشرے میں حکومتی نظام سے لے کر افراد کی ایک کثیر تعداد تک کے ہاں پائے جاتے ہیں، کیا وہؐ ہمارے ان دانشوروں کی طرح خاموش رہنا پسند فرمائیں کہ رواداری کا تقاضا یہی ہے!!؟ کیا آج اگر رسول اللہ ﷺ اس معاشرے میں آ جائیں تو سب سے پہلے وہ اپنی توجہ قوم کے معاشی مسائل کو دیں یا سب سے پہلے سیاسی بحرانوں کو حل کرنا ضروری جانیں؟ معاذ اللہ کیا وہ بجٹ کے مسئلہ کو سب سے بڑھ کر اہمیت دیں گے یا وہ لوگوں کو سب سے پہلے اس شرک سے روکیں گے جس میں حاکم کیا محکوم لوگوں کی ایک اکثریت پڑ چکی ہے!؟

توحید پر شہرۂ آفاق کتاب قرۃ عیون الموحدین، جو کہ محمد بن الوہاب کی کتاب التوحید کی شرح ہے، کے مؤلف اس واقعے پر تعلیق کرتے ہوئے کہ حضرت حذیفہ بن الیمان نے کسی شخص کے بازو سے بخار کیلئے باندھا گیا دھاگہ کاٹ کر پھینکا اور آیت (وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ)[1] پڑھی، لکھتے ہیں:

> "اس طرح کا واقعہ اگر اس خیر القرون میں پیش آ سکتا ہے تو پھر اس بات سے کیونکر بے خوف ہوا جا سکتا ہے کہ آج اس سے کہیں سنگین تر واقعات پیش آتے ہوں؟ بلکہ غلبۂ جہالت کے باعث آج تو اس سے بھی کہیں سنگین تر امور پیش

(۱) سورہ یوسف: 106 "نہیں ایمان لاتے ان میں کے اکثر مگر اس حال میں کہ وہ شرک کرتے ہیں"

آتے ہیں جس میں مشرکینِ عرب وغیرہ زمانۂ جاہلیت میں واقع ہوتے رہے ہیں[1]۔جیسا کہ اس سے پہلے ہم بات کر چکے۔ اور تو اور آج کے اس زمانے میں بہت سے علماء ایسے ہیں جو الٹا ان لوگوں کی ہی مذمت کرتے ہیں جو کہ شرکِ اکبر کی مذمت اور مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جس سمت میں ہیں صحابہ اس سے بالکل مختلف سمت میں نظر آتے ہیں۔صحابہ تھوڑا سا شرک (اصغر) بھی دیکھتے ہیں تو اس پر نکیر کرنے لگتے ہیں جبکہ یہ الٹا اس شخص پر نکیر کرتے ہیں جو شرکِ اکبر کی مذمت و نکیر کرے۔ چنانچہ اب یہ حالت ہے کہ یہ لوگ اس شرک سے لوگوں کو روکنے کے کام کو بدعت اور گمراہی جاننے لگے ہیں۔ ایسا ہی حال قوموں کا اپنے انبیاء اور رسولوں کے ساتھ تھا جن کو اللہ کی توحید اور خالص بندگی کا مشن اور شرک سے لوگوں کو روکنے کا حکم دے کر بھیجا گیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد ﷺ کو بھی اسی مشن کے ساتھ بھیجا تھا جس مشن کے ساتھ آپؐ سے پہلے رسول مبعوث ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکین عرب کو جو دعوت دی ان متاخرین نے اس کو بالکل ہی الٹ دیا۔جس شرک سے آپؐ نے روکا تھا، اس میں مددگار ہوئے اور جس توحید کی دعوت کے ساتھ آپؐ مبعوث ہوئے تھے اس کی یہ نکیر کرنے لگے"۔[2]

صاحب قرۃ عیون الموحدین کا ایک اور اقتباس بھی لائق توجہ ہے:

توحید کا اپنی حقیقت کے ساتھ قائم ہونا اُمت کے اندر ایک جوہر نایاب ہو گیا ہے۔ یہ ان خاص اہل ایمان تک محدود ہو گیا ہے جو خالص دین کی پیروی کرتے ہیں اور جن کو کہ اللہ نے باقی مخلوق میں سے خالص کر کے چن لیا ہے۔جیسا کہ

---

(۱) مراد ہے ان کی یہ بات کہ مشرکین عرب، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے، عام حالات میں اپنے معبودوں کو پکارتے مگر جب سختی کا وقت آتا تو خالصتاً اللہ وحدہ لاشریک کو پکارتے۔مگر آج کے بعض مشرک مشکل کے وقت بھی بعض ولیوں اور گزرے ہوئے نیک لوگوں کو پکارتے ہیں۔

(۲) دیکھیے قرۃ عیون الموحدین، باب :من حقق التوحید دخل الجنه بغیر حساب

قرآن میں یوسف علیہ السلام کی بابت ذکر ہوا: (كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ)[۱] *'ایسا ہوا تا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیں۔ درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا'*) اس آیت میں مخلَصین (لام کی زبر کے ساتھ) بھی قرات ہوئی ہے اور مخلِصین (لام کی زیر کے ساتھ) بھی۔ (یعنی خالص کئے گئے لوگ، یا دین اور بندگی کو خالص کر لینے والے لوگ) ایسے لوگ اس اُمت کے دورِ آغاز میں بہت زیادہ ہوئے اور دور آخر میں یہ غرباء (اجنبی و پردیسی) ہوئے اور تعداد میں بھی کم۔ مگر خدا کے ہاں ان کی قدر بہت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا ہے (جو آپؑ نے اپنی ساری قوم کے بالمقابل کھڑے ہو کر کہا تھا) (قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ)[۲] *'اے میری قوم! میں ان سب سے بری و بیزار ہوا جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو، میں نے اپنا رخ کیا اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، بالکل یکسو ہو کر اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں'*) یعنی میں نے اپنے دین اور بندگی کو اس ذات کیلئے خالص کر لیا ہے اور اپنی عبادت اور پرستش پر صرف اس ذات کا حق ٹھہرا دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کو بالکل عدم سے وجود دیا، حنیف ہو کر یعنی شرک سے مکمل طور پر رخ پھیر کر اور توحید پر یکسو ہو کر۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر پھر مزید یہ کہا (وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ *'میں مشرکوں میں کا ایک ہرگز نہیں ہوں'*) اس آیت کی طرز پر قرآن میں بہت آیات پائی جاتی ہیں۔ بطور مثال اللہ کا یہ فرمان (وَمَنْ أَحْسَنُ

---

(۱) یوسف: 24
(۱) الانعام: 78-79

دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا [1] "اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے جو اپنی جبین نیاز خدا کو سونپ دے اور نیکوکار رہو اور حنیف (یکسو) ہوکر ابراہیم ص کے طریقے کی پیروی کرے اس ابراہیم ع کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنالیا تھا") اور (وَمَنْ يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى [2] "جو شخص اللہ کے آگے سر تسلیم خم کردے اور وہ نیکوکار رہو یقیناً اس نے عروہ وثقی (مضبوط سہارا) پکڑ لیا")

مفسر قرآن امام عماد الدین ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی مراد ایک ایسے آدمی سے ہے جو اپنا رخِ بندگی خدا کو سونپ دیتا ہے یعنی اپنا عمل خدا کیلئے خالص کر لیتا ہے، اس کے احکامات کا تابعِ فرمان اور اس کی شریعت کا متبع ہو جاتا ہے۔اسی لئے فرمایا کہ وہ محسن ہو یعنی اپنے عمل میں، اتباعِ حکم میں اور اجتنابِ محرمات میں نیکوکار رہو۔

یہ آیت اس بات پر دلیل ہے کہ بندگی میں کامل اخلاص تب آتا ہے جب شرک ترک کر دیا جائے اور شرک سے اور شرک کرنے والوں سے براءت و بیزاری کر لی جائے"۔ [3]

آیئے ہم اپنی علمی، فکری، دعوتی اور تحریکی ترجیحات کا ایک از سرنو جائزہ لے لیں۔

****

(۱) النساء:105 (۲) لقمان:22

(۳) دیکھیے قرۃ عیون الموحدین،باب من حقق التوحید دخل الجنة بغیر حساب

فصل نہم

داعیوں کیلئے

أحب الصالحين ولست منهم　　لعلي أنال بهم شفاعة
وأكره مَن تجارتُه المعاصي　　ولو كلُّنا سواء في البضاعة[1]

داعی نہ ہوتے ہوئے دعوتی عمل کی بابت رائے دینا اصولاً زیادتی ہے۔ پھر بھی ایک عمل سے قلبی وابستگی ہونا اور اس کی کامیابی سے متعلق امید وفکرمندی سے کچھ حصہ پایا ہونا شاید ایک عذر کہلا سکے! اس مضمون میں ہماری گزارشات سمجھئے کچھ اسی حوالے سے ہیں..

جیسا کہ پیچھے ہم دیکھ آئے اور اس سلسلۂ مضامین کے آئندہ حصوں میں بھی اس کی بعض اہم جہتوں کا جائزہ لیں گے: "توحید" کو بنیاد بنا کر معاشرے پر اثر انداز ہونے کے یہاں بے پناہ امکانات پائے جاتے ہیں، کہ جس کے نتیجے میں یہاں ایک بیحد جاندار تبدیلی لے کر آئی جا سکتی ہے بلکہ یہاں کی ایک کایا ہی پلٹ سکتی ہے اور جو کہ اس باصلاحیت قوم کے حق میں حاملینِ عقیدہ کی جانب سے ایک بہترین خدمت ہوگی۔ قومی ''عطیہ جات'' میں اس قوم نے کبھی اس سے بہتر ہدیہ نہ پایا ہوگا۔

---

(۱) از دیوان امام شافعی رحمہ اللہ:
"محبت ہے مجھے صالحین سے، بے شک ہوں میں ان میں سے نہیں۔ کیا بعید ان (سے وابستگی) کی بدولت شفاعت تو مل ہی جائے!
"ناپسند ہے مجھے وہ انسان، جس کا روزگار اس دنیا سے گناہ اکٹھے کر کے جانا ہے، اگرچہ پونجی میری اور اُس کی کچھ بہت مختلف نہ بھی ہو"!

ان "بے پناہ امکانات" کو کما حقہ بروئے کار لانے کیلئے دو وصف ہیں جو اس میدان میں اترنے والوں کیلئے بنیادی اہلیت کا درجہ رکھیں گے: حد درجہ سنجیدگی اور حد درجہ ہوش مندی۔ یہاں ہم ان دونوں اوصاف پر کچھ گفتگو کریں گے۔

****

''سنجیدگی'' سے یہاں ہماری جو خاص مراد ہے وہ ہے اس ورثۂ پیغمبری پر آخری درجے کی استقامت، کسی تاثر، کسی رجحان اور کسی اصطلاح کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنے اس راستے پر برقرار رہنا اور آخر تک اس پر ثابت قدمی اپنانا۔

ماحول کے اندر بُرا پڑ جانا انسان کو طبعی طور پر ناپسند ہے، جو کہ حرج کی بات نہیں۔ یہ ایک بے حد صحت مند انسانی رویہ ہے اور ایک جائز و معقول امر۔ عزتِ نفس سے بڑھ کر کوئی چیز انسان کیلئے اہم نہیں۔ مگر ہر جائز امر کچھ حدود کا پابند بھی ہے۔ جس طرح کہ جان، مال، رشتے، کنبے سب انسانی زندگی کے جائز مطالب ہیں اور اسلام ان امور کو سب سے بڑھ کر اعتبار دیتا ہے، بلکہ علمائے اصول انہیں باقاعدہ ضروریاتِ شریعت میں بیان کرتے ہیں، مگر جان، مال اور رشتے ناطے ایسی جائز چیز کا کسی وقت خدا کی راہ میں قربان کر دیا جانا بھی شریعت ہی کی رو سے لازم ہو سکتا ہے۔ ہاں جب ایسا ہو جائے تو بہت سے جائز امور ناجائز کے حکم میں آجاتے ہیں۔

خوفِ ملامت کا بھی ایک معقول اور متوازن شخص کے حق میں کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ جاہلی ماحول میں ایک موحدانہ کردار اپنا رکھنا، خصوصاً ایک ایسے شخص کیلئے جو معاشرے کے اندر تبدیلی لانے پر یقین رکھتا ہو، کسی وقت اس اندیشۂ ملامت کا روادار نہ ہونے کا متقاضی ہوتا ہے۔ معاشرتی عمل کے کچھ جائز مطالب تب ناجائز بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ خدا کی راہ میں ہو تو کیا پروا، دنیا اپنی تمام تر وسعت اور طول وعرض اور درازیِ عمر سمیت آخر ہے کتنی!

یہی وجہ ہے کہ سب سے بڑھ کر نفسیاتی اور اعصابی اذیت اپنے اپنے دور میں انبیا کو اٹھانا پڑی، باوجود اس کے کہ وہ اپنے دور کے معقول ترین اور باعزت ترین انسان تھے اور معاشرتی رجحانات کو سب سے زیادہ جاننے اور زمانے کی رمزوں کو سب سے زیادہ پہنچاننے والے۔ مگر اس امتحان میں ہر

کسی کو اپنے اپنے رتبہ کے بقدر حصہ ملا۔ انبیاء اور صلحاء نے اسے با قاعدہ اختیاری طور پر قبول کیا جبکہ ایسا نہ کرنے کے ان کے پاس بہت سے چناؤ تھے بلکہ بہت بہت دلفریب پیشکشیں بھی۔

دراصل یہ عتاب ہی جو جاہلیت کی جانب سے ملتا ہے دوسری جانب خدائے ذوالجلال کی رضا اور بعدازاں اہل حق کی پسندیدگی اور نیک دعاؤں میں تبدیل جاتا ہے۔ ایسے بھی خوش قسمت ہیں جو زمین پر گالیاں کھاتے ہیں اور آسمانوں میں اپنے نیک تذکرے کراتے ہیں۔ جتنا بڑا اس عتاب کا حجم ہوگا اتنا ہی بڑا اس کا بدل۔ گو یہ ایک عزیمت چاہتا ہے مگر یہ آپ ہی اپنا صلہ بن جاتا ہے۔ اس کا ظاہر عذاب ہے اور اس کا باطن رحمت۔

جاہلیت کیا ہے؟ یہ ایک ایسی واردات کا نام ہے جو انسانی شعور کی دنیا میں حق کی زمین دبا لینے سے وجود میں آتی ہے۔ پس معاشرے کے اندر ایک چور کی طرح اسے چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ معاشرے کے اندر کسی انسانی جمعیت کا حق پہ قائم پایا جانا اس کیلئے خاص طور پر سوہانِ روح ہوتا ہے۔ بسا اوقات حق کے بولنے سے پہلے یہ بول پڑتی ہے۔ دوسری جانب باطل کو انسانی شعور سے بے دخل کرنا حق کا مطلبِ اولین ہے۔ اس سے بہرحال کوئی مفر نہیں۔ حق اور باطل کی یہ سرشت اور ان دونوں کے مابین معارضت کا یہ رشتہ منجانبِ خداوندی ہے[1]۔ یہ کسی کے ہاتھوں بدلنے کا نہیں۔

البتہ جاہلیت کے بھڑک اٹھنے کا ایک وقت ہے۔ یہ حق بے شک انسانی شعور اور انسانی سماج سے باطل کو بے دخل کردینے کیلئے ہے، مگر جب تک یہ کتابوں اور مخطوطوں اور مجلسوں میں پڑا رہے کسی کو ہوسکتا ہے اس کی بہت پرواہ نہ ہو۔ البتہ جب اس کو کچھ "لوگ" مل جائیں خصوصاً اگر وہ باصلاحیت بھی ہوں اور اپنے دور کی زبان بول سکتے ہوں اور اس کو لے کر معاشرے میں آگے بڑھنے اور آخر تک چلنے پر مصمم ہوں تو اس سے بُرا شگون جاہلیت اپنے حق میں کسی بات کو نہیں پاتی۔ وہ فریق جو دوسرے کی چیز دبائے بیٹھا ہو اس کے حق میں 'رواداری' سے بڑھ کر کیا نعمت ہوسکتی ہے!؟

پس شرک اور باطل پر آپ جب بھی ہاتھ ڈالنے کیلئے آگے بڑھیں گے جاہلیت بری طرح آپ پر غرائے گی۔ شور مچائے گی۔ ہر انداز میں آپ پر حملہ آور ہوگی اور جو کچھ اس سے بن

(۱) اس پر کچھ زیادہ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمایئے اس کتاب کی فصل: ''رواداری کی حدود''

پائے وہ کرے گی۔ جو حربہ سب سے مؤثر ہوگا اسی کو سب سے زیادہ آزمائے گی۔ البتہ اگر آپ باطل کو جڑ سے ہاتھ نہیں ڈالتے (ہماری مراد ہے ایک نظریاتی وعقائدی وتہذیبی سطح پر) تو وہ بڑی حد تک آپ کے منہ نہیں آئے گی۔ 'رواداری' کے عوض جاہلیت کی یہ خاموش اور فیاضانہ پیش کش ہمیشہ ہی جاہلیت کی جانب سے قائم رہی ہے اور یہ ہرگز کوئی ایسی اپتے کی بات نہیں جس کا آج ہمیں کامیابی کے نسخے کے طور پر انکشاف کر کے دیا جائے:

قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ 87) – ھود

" کہنے لگے: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے آئے؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنے منشا کے مطابق تصرف کا حق نہ ہو؟ تو تو بڑا معاملہ فہم ہے اور اچھی سمجھ کا مالک"

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (القلم: 9)

یہ تو چاہتے ہیں کہ کچھ تم مداہنت کرو تو یہ مداہنت کریں

البتہ حق اور باطل کے مابین وہ رشتہ جو ازل سے خدا نے رکھ دیا ہے اسی کو لے کر آپ اگر عمل کی دنیا میں اترتے ہیں تو آپ کے خلاف ہر ہتھیار برتا جائے گا۔ جان دے دینا داعیوں کیلئے شہادت کا درجہ رکھتا ہے البتہ معاشرے میں ناپسندیدہ بنا کر رکھ دیا جانا ہر کسی کے سہنے کا کام نہیں۔ ایسی صورت میں دعوت کا علَم اٹھانا تو خیر بڑی ہی عزیمت کا کام ہے باطل کے قطعی ابطال اور حق کے قطعی احقاق کے معاملہ میں آدمی کا اپنے نفس کی دنیا میں قائم وثابت قدم رہنا ہی ایک معنی رکھتا ہے، خصوصاً عمل کی صلاحیت سے بھرپور ایک شخص کیلئے۔ نفسیاتی کشمکش دعوتی زندگی کا سب سے کٹھن مرحلہ ہے۔ گو یہ مرحلہ اپنے اثرات میں دوررس بھی اتنا ہی ہے۔

جاہلیت جو ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہے، آسانیِ مبحث کیلئے اسے عموماً ہم دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: ماقبل استعمار جاہلیت (وہ شرک اور گمراہی جو مختلف شکلوں میں تمام تر صدیاں ہمارے معاشروں پر حملہ آور رہی) اور مابعد استعمار جاہلیت۔ اگر آپ شرک اور کفر کی بات کرتے ہیں تو شرک اور کفر پرانی جاہلیت میں بھی ہے اور شرک وکفر نئی جاہلیت میں بھی ہے۔ اگر آپ اس سے کمتر درجے کے انحراف کی بات کرتے ہیں تو وہ پرانی جاہلیت میں بھی ہے اور نئی میں بھی۔ آپ پرانی جاہلیت کو ہاتھ ڈالتے ہیں تو وہ اپنے انداز میں آپ پر غراتی ہے۔ جدید جاہلیت

کے لئے خطرہ بنتے ہیں تو وہ اپنے اسلوب میں مشتعل ہوتی ہے۔ عافیت کا یہ بھی ایک طریقہ دریافت ہوا ہے کہ ایک وقت میں ایک ہی جاہلیت کی مخالفت مول لی جائے اور دوسری کو یا تو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے یا اس سے سازگاری کر لی جائے!

چنانچہ کچھ لوگ یہاں آپ کو پرانے شرک کی چند صورتوں سے برسرِ پیکار نظر آئیں گے اور جدید شرک کی جان بخشی پر پوری طرح آمادہ۔ جبکہ کچھ لوگوں کو آپ گمراہی کی بعض جدید صورتوں سے کسی نہ کسی انداز میں اور کسی نہ کسی سطح پر الجھتا دیکھیں گے جبکہ پرانے شرک کے ساتھ آپ ان کو اتحاد اور یکجہتی تک کرتا پائیں گے۔

شرک سے ایک اصولی انداز کی مخاصمت اور ملتِ شرک سے ایک کلی و مطلق بیزاری سمجھئے ایک جنسِ نایاب ہے۔ اس پر آتے ہوئے آدمی کو محسوس ہوتا ہے پوری دنیا اسے رد کر دے گی۔ یہ ایک اعصاب کی کشمکش ہے اور کٹھن آزمائش۔ اس میں آدمی کا سہارا قرآن ہوتا ہے۔ خدا کی محبت اور اس کی عظمت کا وہ تصور ہوتا ہے جو حق رکھتا ہے کہ اس کی حمایت میں ساری دنیا سے بگاڑنا پڑتی ہے تو آدمی بگاڑ لے۔ یہاں آدمی کا سہارا خدا کا ذکر اور مناجات ہوتی ہے اور تبتّل[1]۔ دنیا کے کم مایہ ہونے کا احساس ہوتا ہے اور آخرت کی وسعت اور دوام کا تذکرہ اور وہاں انبیا و صالحین کی بیٹھکوں میں جگہ پانے کی طلب۔

ملتِ شرک سے ایک اصولی انداز کی مخاصمت اور اس کے ساتھ ایک غیر اختتام پذیر کشمکش کو لازم جاننا معاشرے کے اندر آپ سے جس انداز کا تشخص رکھنے کا تقاضا کرے گا اس کا تذکرہ لوگ انتہا پسندی اور کٹر پن اور جنونیت ایسے الفاظ میں کرتے عام سنے جائیں گے۔ ایسا تشخص اپنا کر دعوت کی کامیابی کی امید تو کیا آدمی کو معاشرے میں اپنا جینا ہی دوبھر لگتا ہے، الا یہ کہ معاشرے میں بسنے والا وہ ایک بھرپور شخص نہ ہو اور عزتِ نفس کی قربانی کرنا اس کیلئے کوئی بڑی بات نہ ہو؛ جو کہ معاشرتی رجحانات پر اثر انداز ہونے کا ویسے ہی اہل نہ ہوگا۔ دینداروں کا وہ طبقہ جو ایک دنیا بیزار

---

(۱) دیکھئے سورہ مزمل کی یہ آیت: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (المزمل: ۸) "تو اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کر اور تمام خلائق سے کٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو جا" (ترجمہ جونا گڑھی)

اسلوب رکھتا ہے اور جو کہ چاہے بھی تو معاشرے کو اپنی شخصیت کی وجاہت سے متاثر نہیں کرسکتا 'حق سے تمسک' کے نام پر معاشرے کے ساتھ اپنی ایک مخصوص انداز کی منفیت کو یہ طبقہ کو کسی وقت 'شیوۂ پیغمبری' بھی سمجھ بیٹھتا ہے مگر درحقیقت یہ طبقہ شخصیت کی قربانی کا مفہوم تک بمشکل تصور میں لا سکتا ہے۔ البتہ معاشرے کا ایک بھرپور شخص، جو کہ تبدیلی کے اس عمل کی اصل ضرورت ہے، معاشرے کے عین گھمسان میں رہ پانے والا یہ شخص ملتِ شرک سے براءتِ ابراہیمی اپنا رکھنے کا ایک حد سے بھاری بوجھ محسوس کئے بغیر نہ رہے گا۔ جس کو یہ بوجھ لگے گا اور جتنا لگے گا وہی شخص اور وہی طبقہ جب یہ بوجھ اٹھانے کیلئے آگے بڑھے گا تو معاشرے کے اندر اصل تبدیلی محسوس ہونے لگے گی۔

یہ درحقیقت ایک بڑی ہی عزیمت کا کام ہے۔

ہاں یہ ہے کہ یہ گھاٹی تنگ ہوتے ہوتے ایک خاص جگہ پہنچ کر وسیع ہونے لگتی ہے اور پھر راستہ خود بخود کھلا بھی ہونے لگتا ہے .. البتہ یہ اس صورت میں جب عزیمت کے ساتھ ساتھ ہوشمندی اور زیرک پن سے بھی کام لیا گیا ہو اور معاشرتی رجحانات پر غالب آنے کی درست حکمت عملی بھی اس عمل کے ہر مرحلے میں اختیار کر رکھی گئی ہو، جس پر کہ ہم ذرا دیر بعد آئیں گے۔

****

"ملامت" کے ضمن میں .. یہ بھی واضح رہے کہ اس سے مراد ضروری نہیں لُغوی معنی میں گالیاں اور دشنام طرازیاں ہی ہوں۔ ہر زمانے کی جاہلیت دراصل اپنے اپنے انداز سے اسلام کے حقائق سے برسرِ جنگ ہوتی اور ان کو از کار رفتہ چیز قرار دلواتی ہے۔ ہر دور اور ہر ملک میں حقیقتِ توحید اور سنتِ انبیا پر قائم لوگوں کو دقیانوسی کہنے کا اپنا ایک اسٹائل اور فیشن ہوتا ہے اور ان اسالیب کے دھڑا دھڑ مقبول ہو جانے کیلئے شیطان نے ایک خاص کشش اور ایک خاص ترنگ پیدا کر رکھی ہوتی ہے[1]۔ ہر آدمی ہر لکھاری اٹھ اٹھ کر ان عبارتوں کو دہراتا اور اپنے 'زمانہ شناس'

---

(۱) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ 112) وَلِتَصْغَى إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُم مُّقْتَرِفُونَ 113) أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)=

ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ علاوہ ازیں، طرح طرح کے عذر، طرح طرح کے دلائل اور حوالے، طرح طرح کے اندیشے آپ کی راہ میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ ڈروارے الگ ہوتے ہیں۔ پھر کبھی آپ کو ملک کا واسطہ دیا جاتا ہے کبھی قوم اور قبیلے کا وسیلہ۔ خود جیسے مرضی ملک اور قوم کا ستیاناس اور صبح شام اس میں تباہی کا سامان کریں البتہ دینِ توحید کے واقعاتی تقاضے بتانے پر اور لوگوں کو شرک اور طاغوت سے خبردار کرنے اور خدا کی ناراضی کے راستوں سے متنبہ کرنے پر ملک و قوم کی دہائی تک دے دی جاتی ہے اور بلکہ تو اس کو دشمنی ہی اپنے باطل طریقِ زندگی کی نہیں 'ملک و قوم' کی قرار دیا جاتا ہے تا کہ اس باطل کے دفاع میں ملک اور قوم ہی حق کے خلاف فریقِ نزاع

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ)=

أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ 114) وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ 115) وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ 116) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ _(117)

(سورہ الانعام)

"اور ہم نے تو اسی طرح شیاطینِ جن وانس کو ہر نبی کا دشمن کر دیا ہے جو ایک دوسرے کو مزین مزین باتوں کا القا کرتے ہیں کہ (ایک دوسرے کو) فریب میں ڈال رکھیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کر سکتے، سو چھوڑ دو انہیں (ان کے حال پہ) اور ان کی افترا پردازی کو۔ اور (یہ) اس لئے بھی کہ اُن لوگوں کے قلوب اس پر کان دھریں جنہیں آخرت پہ ایمان نہیں اور وہ اسے قبول کر لیں اور تا کہ مرتکب ہو جائیں ان امور کے جن کے وہ مرتکب ہوتے تھے۔ تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے (شرع ٹھہرانے) والے کو تلاش کروں جبکہ وہی تو ہے جس نے تمام تر تفصیل کی حامل کتاب تم لوگوں پر نازل کر دی ہے۔ اور جن لوگوں کو ہم نے (تم سے پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں یہ (کتاب) تمہارے رب ہی کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ پس تم شبہہ کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور تمام ہوئی بات تمہارے رب کی سچ اور برحق ہو کر، کوئی نہیں اس کے فرمان کو بدلنے والا۔ اور وہ خوب سننے اور خوب جاننے والا ہے۔ اور اگر تم اہلِ زمین کی اکثریت کے کہنے پہ چلنے لگو تو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں۔ وہ تو محض بے اصل خیالات پہ چلتے اور محض اٹکل لگاتے ہیں۔ یہ تو تمہارا رب ہی ہے جو زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور کون سیدھی راہ پر ہے"۔

بنیں اور اہل باطل اس کے نتیجے میں نہ صرف موج کریں بلکہ ملک اور قوم کے غم میں، حق کے خلاف کارروائیاں کرنے کے بھی مجاز ہوں۔

یہ ہے وہ نقطہ جہاں "سنجیدگی" اور "زیرک پن" ہر دو ناگزیر ہوتے ہیں۔

غرض کوئی ایسا بہانہ، کوئی ایسی حجت، کوئی ایسا واسطہ اور کوئی ایسا طعنہ جو معاشرے کو اللہ کا حق بتایا جانے کے کام کو روک دینے یا موخر کر دینے یا پسِ منظر میں لے جانے کا سبب بنے وہی لومة لائم ہے۔ اس کا لحاظ کرنا یا اس سے دب جانا ایک موحد کی لغت سے خارج رہنا چاہیئے (گو اس سے ناواقف ہونا اور اس کے مضمرات جاننے میں ہی کوتاہ رہنا یا اس کے ساتھ مؤثر ترین تعامل اختیار کرنے میں چوبند نہ ہونا "ہوشمندی" کے منافی ہے)۔ "سنجیدگی" سے ایک ایسا ہی استقلال اور ثبات ہماری مراد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ 54) - المائدة

اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کردے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا، جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے، جو اللہ کی راہ میں جدوجہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے [(۱)]

اللہ تعالی نے اپنے دین اور بندگی کی جو بنیادیں ٹھہرادی ہیں ان کو عین اسی انداز سے اور ایک پوری جرات و حوصلہ اور ایک خوئے بندگانہ اور کیشِ تسلیم کے ساتھ لے کر عمل کی دنیا میں آگے بڑھنا اور ان پر آخر وقت تک قائم رہنا اور اس معاملہ میں ہرگز کوئی تاخیر و تقدیم اور کوئی کمی وبیشی نہ ہونے دینا .. یہ عین اتباعِ انبیاء ہے۔ ہم آج اگر یہ کام کریں گے تو ہرگز یہ کوئی نرالی بات نہ ہوگی۔ جاہلیت معاشرے سے اس پر ہمیں از کار رفتہ اور دقیانوسی قرار دلوانا چاہے گی اور مختلف حربے اپنا کر لوگوں کو نفسیاتی طور پر آمادہ کرے گی کہ وہ ہماری بات سننے سے پہلے رد کردیں، اور اسی پر اپنے ابلاغ

(۱) ترجمہ مودودی

کا پورا زور بھی صرف کر دے گی، تو وہ کوئی نیا کام نہ کرے گی۔ نہ اسے اپنی رسم چھوڑنی ہے اور نہ ہمیں اپنی سنت! یہ ایک ہی کہانی ہے جسے ہر دور اور ہر معاشرے میں، جہاں جاہلیت پائی جائے اور جہاں موحدین پائے جائیں، دہرایا جانا ہے۔ البتہ اس کا نتیجہ ضروری نہیں ہر بار ایک ہی رہے کیونکہ اس بات کا انحصار __ قضا وقدر کے علاوہ __ اس چیز پر ہے کہ کونسا فریق اپنے کام میں سنجیدہ وسبک ثابت ہوتا ہے اور اپنا فرض پورا کرنے میں زیرک اور بہتر لائحہ عمل اختیار کرنے والا۔

سنجیدگی اور مؤثر لائحہ عمل .. یہی اس جنگ کے جیت لینے کا اصل راز ہے۔ یہ دنیا بہر حال اسباب کی دنیا ہے۔

****

"ہوشمندی" اور "مؤثر لائحہ عمل" کی ہزارہا جہتیں ہیں، یہاں ہم اس کی ایک اہم جہت ہی بیان کریں گے، کیونکہ جس خاص ماحول میں اس وقت ہم ہیں، شاید اسی کا سوال یہاں سب سے پہلے اٹھنے والا ہے۔

زیرک اور ہوشمند ثابت ہونا ہمیں خدائی ہدایت ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ 108) - الأنعام

اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالی کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کریں گے۔ ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے۔ پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے (۱)

مقصد یہاں آیت کا "ترجمہ" کر دینا نہیں۔ مسئلۂ زیرِ بحث کفار کے بتوں کو "گالیاں" دینا یا نہ دینا بھی نہیں۔ آیت کا دائرہ اس سے وسیع تر ہے۔ اصولِ فقہ کے علما "سدّ الذرائع" کا اصول ثابت کرنے کیلئے اسی آیت کو دلیل کے طور پر لاتے ہیں۔

مقصد یہ کہ اہلِ توحید پر صرف یہی فرض نہیں کہ وہ لومة لائم سے بے خوف ہو کر دکھائیں۔ جاہلیت کی چالوں کا پیشگی ادراک anticipation بھی ان سے برابر مطلوب ہے۔

---

(۱) ترجمہ جوناگڑھی

نہ صرف یہ بلکہ اس کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اس کے حسبِ حال پیشگی اقدام pre-emptive measures اپنانے کی جانب بھی پورا پورا دھیان دینا ضروری ہے۔

چنانچہ "سنجیدگی" ہو بھی تو یہ جنگ "بے سمجھی" کے ہاتھوں ہاری جاسکتی ہے۔ یہاں ہر معاملے میں پورا اتر کر دکھانا لازم ہے:

وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ (الروم: 60) یہ بے یقین لوگ ہرگز تجھے ہلکا نہ پائیں

یہ دو وصف داعیوں میں آ جائیں تو پھر جاہلیت کے معاشرے میں پیرا کھڑنا یقینی ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ پھر یہ دنوں کی بات رہ جاتی ہے۔

****

پس یہ دونوں محاذ ہمارے لئے بے حد اہم ہیں۔ اب آیئے اس خاص مسئلے کی طرف جو "مؤثر لائحہءعمل" کے حوالے سے شاید یہاں سب سے اہم سوال بننے والا ہے، اور شاید فوری ترین بھی......

یہ تو واضح ہے کہ ہم یہاں ایک بہت ہی بنیادی تبدیلی کی حامل موحدانہ اپروچ متعارف کیا جانے کے مؤید ہیں جو کہ کسی بڑی تحریکی سطح پر یہاں فی الواقع اس وقت نہیں پائی جاتی۔ فرض کیجیئے یہ اپروچ اپنانے کی یہاں کچھ باصلاحیت لوگوں کو توفیق ملتی ہے، گو ہماری یہ دعوت ہرگز نہیں کہ وہ کوئی نئی جماعت یا تنظیم ہو بلکہ ہماری تجویز یہی ہوگی کہ وہ اہلسنت کے موجود الوقت تجمُّعات (جماعتوں، تنظیموں، مکتب ہائے فکر، مساجد، منابر، مدارس، اداروں، انجمنوں، رسالوں، فورموں وغیرہ وغیرہ) ہی کے اندر اور اپنی اپنی جگہ برقرار رہتے ہوئے ہی اس اپروچ کو ایک مناسب انداز میں نمایاں اور مقبول کرانے کی کوشش کرے اور اگر ایسا ہوتا رہے تو اہلسنت کے انہی تجمعات کے بڑے حصوں کو، ان کا تنوع برقرار رکھتے ہوئے، تبدیلی کے ایک ڈائنامک عمل سے گزارا جاسکتا ہے اور یوں ان میں پایا جانے والا ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر ہی رہ کر بے انتہا مؤثر ہو جائے گا..)

اب اگر اس بنیادی تبدیلی کی اپروچ کو لے کر چلنے کی کچھ لوگوں کو توفیق ملتی ہے تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہاں پائے جانے والے اپنے اس دیندار طبقے کے ساتھ تعامل کی نوعیت کیا ہوگی جو اس تبدیلی کو تا حال یہاں کی کوئی بڑی ضرورت نہیں جانتے یا جو سرے سے اس سے متفق نہیں؟

اس بحران کا جو کہ دراصل ایک گنجلک ہے پیچھے ذکر ہو چکا۔ صورتحال یہ ہے کہ اس کی پیچیدگیوں کو ___ جن کی پشت پر بے شمار عوامل ہیں اور جن میں "اصولِ اہلسنت" کا ایک بڑی سطح پر روپوش ہونا، فقہِ توحید کا درست طور پر عام نہ ہوا ہونا، اور جدید پڑھے لکھے طبقے کو، سوائے کچھ جدت پسند افکار کے، ایک ٹھیٹ مگر عصری انداز سے دینی و علمی رہنمائی نہ ملی ہونا سرِ فہرست ہیں ___ ان پیچیدگیوں کو دنوں کے اندر دور کر دیا جانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ تحمل اور بردباری کے سوا یہاں کوئی چارہ نہ ہوگا۔ واقعتاً مسئلہ صرف زور لگانے کا نہیں۔ معاملہ فہمی اور عمیق طرز تفکیر آنے والے دنوں میں یہاں کے موحد تحریکی جوانوں کا ایک بڑا سرمایہ ہوگا۔

موجودہ تحریکوں کے ساتھ، بلکہ کوئی ان کا حصہ ہے تو انہی کے اندر رہتے ہوئے، صبر کرنا اور ان کے ساتھ لمبا اور دور تک چلنا یہاں ایک ناگزیر امر ہے اور اس میں ان شاء اللہ خیر ہی خیر ہے۔

آپ کی اصل مڈبھیڑ جب بھی ہو یہاں کی کھلی کھلی جاہلیت اور یہاں پائے جانے والے شرکِ بواح سے ہی ہو نہ کہ یہاں کے ان دیندار طبقوں سے جن کو نواقضِ اسلام کے کھلے کھلے ارتکاب سے اللہ تعالیٰ نے بچا رکھا ہے، چاہے آپ کا ان سے ویسے کتنا بھی اختلاف کیوں نہ ہو۔ اس امر کو نظر انداز کر دیا جانا اس بحران کو جس کا پچھلی فصول میں ذکر ہوا بے اندازہ بڑھا دے گا تا آنکہ اس کا پھر کوئی سرا ہی نہ ملے۔ بلکہ یہ اس بحران کی ایک نئی پیچیدگی ہوگی جو کہ اس کے خاتمہ کی راہ کو پہلے سے بھی دشوار کر دے گی۔

بے شک کئی ایک دینی حلقوں میں آپ کی بات کو جو کہ اسلام کے ٹھیٹ حقائق پر مبنی ہوگی چٹکیوں میں اڑا دیا جائے گا، آپ کی بات کو جو کہ خالص اسلام کی دعوت ہوگی پورا ہونے سے پہلے ختم سمجھا جائے گا اور سننے کی ضرورت تک محسوس نہ کی جائے گی، پھر بھی آپ کو اپنی بات ہی سمجھانا ہوگی۔ وہ سب "تاثرات" جو جاہلیت خالص اسلام کی بابت قائم کرتی ہے ان سب سے یہاں بھی آپ کو واسطہ پڑ سکتا ہے۔ ایک ماحول کا اسلامی اور دینی ہونا ضروری نہیں لازماً یہ مطلب رکھے کہ جاہلیت کی عام کردہ "اصطلاحات" یہاں مستعمل نہیں۔

ہمیں یہ نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ دو سو سال تک اس معاشرے کی صورت گری ایک خاص

نقشے پر ہوئی ہے اوراس کے لازماً اپنے اثرات ہوں گے جن سے بہت اچھے اچھے مخلص لوگ بھی شاید نہ بچ پائے ہوں اور کچھ نہ کچھ اثر تو اس آلودہ فضا سے شاید ہم میں سے ہر ایک نے لیا ہو۔ پس اس "تطہیر" پہ خصوصی توجہ کے ساتھ ساتھ "صبر" کی انتہا کرنا ہوگی۔

ماحول کے اثرات لینے کے باعث ہوسکتا ہے ہمارے بہت سے اسلام سے مخلص احباب اسلام کیلئے انہی میدانوں میں اورانہی اسالیب کے ساتھ سرگرم ہونے پر اپنے آپ کو تیار پاتے ہوں جن پر جاہلیت ابھی نہ تو لطیفے اور چٹکلے چھوڑنے کی زیادہ ضرورت محسوس کرتی ہے اور نہ جاہلی ذرائعِ ابلاغ اس پر ان کے کچھ بہت زیادہ لتے لیتے ہیں اور نہ ہی دینی کام کے ان محاذوں پہ سرگرم ہونے یا اسلام کے ان شعبوں میں مصروفِ تحقیق ہونے پر ماحول سے ان کو کوئی ایسے برے کوسنے ملتے ہیں جن کا برداشت کرنا آدمی کیلئے کوئی بہت بڑا امتحان ہو ..نہ صرف یہ بلکہ ان نسبتاً بے ضرر مصروفیات پر جاہلیت ان کو کسی نہ کسی حد تک قدر کی نگاہ سے بھی دیکھتی ہو یا کم از کم ایسا تاثر ضرور دیتی ہو۔خوش تو ظاہر ہے وہ کسی بھی مسلمان سے جو جاہلیت کا تا حال کھلا کھلا متبع نہیں کیونکر ہوسکتی ہے مگر کچھ شعبوں میں اسلام پسندوں کی سرگرمی اسے کچھ اور شعبوں میں ان کے سرگرم ہوجانے کی نسبت کمتر برائی نظر آتی ہے۔

یہ واقعہ ہے۔اس کے باوجود یہ درست نہ ہوگا کہ ہم اپنے حق میں ادائے فرض اب اس بات کو سمجھ لیں کہ ان دیندار طبقوں اوران کے سعی و جہد کے ان شعبوں کو اپنی تنقید کا تمام تر ہدف بنالیں جن میں مصروف رہ کروہ اپنے اپنے انداز سے اسلام اور معاشرے کا کچھ نہ کچھ بھلا بہر حال کررہے ہیں۔ہمیں جو کام کرنا ہے وہ ان شاء اللہ خود انکے ان شعبوں میں بھی ایک خوبصورت رنگ بھرے گا۔مسئلہ تو صرف ایک جہت دینے کا ہے اور وہ سمجھداری کی ایک خاص سطح چاہتا ہے۔شیطان کا یہ ہم پر ایک بڑا حملہ ہوگا کہ اپنے ان دینی طبقوں کے ساتھ ہی ہم ایک محاذ چھیڑ لیں۔

ہم سے کچھ مطلوب ہے تو یہ کہ وہ اصل کام جو ہمارا خیال ہے کہ دوسرے دیندار معاشرے کے اندر نہیں کر پارہے یا کسی وقت ہمیں خیال گزرتا ہے کہ ان میں سے کچھ اس فرض سے پہلوتہی برت رہے ہیں، اگر کرسکیں تو ہم وہ اصل کام کر کے دکھائیں اور ہم سے بن سکے تو دوسروں کیلئے اس

راہ میں ایک ایسا نمونہ سامنے لے آنے کی کوشش کریں جو ممکنہ حد تک اوروں کی رہنمائی کرے۔ یہ ایک بڑی مشکل گھاٹی ہے جس سے ہمیں گزر کر دکھانا ہے اور اس پر خدا سے صبح شام مدد مانگنی ہے۔ ہمیں ہرگز معاشرہ فہمی کا زعم نہ ہونا چاہیئے اگر ہم اس بات کا ادراک نہیں کرتے کہ لوگوں کی بعض نظری غلط فہمیاں ایک "عملی نمونہ" پیش کر دینے سے ہی دور ہوں گی نہ کہ لوگوں پر "تنقید" کر لینے سے۔ بخدا یہ ایک جان لیوا فرض ہے شيبتنـي هود وأخواتها (۱) وہ تو شکر ہے کہ یہ استطاعت سے مشروط ہے البتہ اس پر ایک عاجزی محسوس کرنے اور خدا سے بخشش اور توفیق کا سوالی رہنے کے سوا اپنے پاس کوئی چارہ نہیں۔

پس یہاں اگر کمی کسی بات کی ہے تو وہ یہ کہ اصل کام انجام دینے کا بیڑا اٹھایا جائے نہ کہ وہ لوگ جو کسی وجہ سے یہ کام نہیں کر رہے ان کی مذمت۔ فرار کی دراصل یہ بھی ایک راہ ہے کہ یہاں کے بعض دینی حلقوں یا تحریکی شخصیتوں پر اٹھتے بیٹھتے تنقید کر لینے کو ہی اصل کام باور کیا جائے اور اسی کو دعوتِ توحید اور قیامِ شریعت!!

أسأل الله السلامة و العافية

****

معاملہ یہ ہے کہ عرصۂ دراز سے یہ محنت ادھوری پڑی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے جس جس پر یہ بحران واضح ہو جائے وہ اس محنت پر جت جائے اور پتہ مار کر اس پر لگا رہے۔ ابھی بڑی دیر تک کسی سے گلہ کرنے کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ ضروری ہے کہ معاشرے میں بڑی دیر تک اس پر ایک زوردار محنت ہی ہوتی رہے (۲)۔ ایسی محنت ہوئے بغیر اپنے تحریکی حلقوں اور دانشور طبقوں سے ناامید ہونا ایک منفی رویہ ہوگا۔ امتِ محمد ﷺ میں بہت خیر ہے۔ البتہ دین سے

---

(۱) مجھے سورۂ ہود اور اس کی (اخوات) سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے" (الترمذی عن جعفر بن محمد عن أبيه، صحيح، السلسلة الصحيحة :المجلد الرابع: 955)

(۲) یہ اس معاملہ کا سب سے اسٹریٹجک پہلو ہے۔ اس پر اس سلسلہء مضامین کے تیسرے حصے میں ہم کچھ گزارشات کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں

وابستہ تعلیم یافتہ طبقوں کو اس طرف کو لے آنے پر ایک انتھک کام ہونا باقی ہے۔اس کام پر جت جائے بغیر نتائج کی امید رکھنا بھی اتنا ہی غلط ہوگا جتنا کہ نتائج سے مایوس ہو جانا۔

رہے عوام تو ان کا درجہ اس محنت کے ہونے میں اور پھر اس محنت کے نتائج سے مایوس یا پُر امید ہونے کے معاملہ میں خواص کے بھی بعد آتا ہے۔ابھی تو معاشرے پر کام ہی کب ہوا ہے؟ ابھی شکوہ یا عتاب کی گنجائش کہاں؟ ابھی سے لوگوں کو قصوروار ٹھہرانے لگ جانا ہدف کو قریب کرنے کی بجائے دور تر ہی کرے گا۔

ہماری اس کمی اور ہمارے ہاں پائے جانے والے اس خلا کا بھی ہمارا دشمن مقامی اور عالمی سطح پر بڑی بے رحمی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور ہم اس کے سبب اپنے ان بہت سے مخلص عوام اور خواص کی تایید تک کھو بیٹھتے ہیں جن کو اصولاً، اور اسلام سے اپنے خلوص اور محبت کے سبب، جاہلیت کے ساتھ ہمارے اس معرکے میں ہمارے ہی ساتھ کھڑے ہونا چاہیئے یا کم از کم ہمارے خلاف صف آرا نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ معاشرہ کی تعلیم کا یہ فریضہ تکمیل کو پہنچائے بغیر اور عقیدہ کی حقیقت کو معاشرے کے ایک مؤثر طبقے میں پذیرائی دلائے بغیر تو خود جاہلیت سے کوئی بڑا محاذ کھول لینا ایک غیر دانشمندانہ اور قبل از وقت اقدام ہوگا کجا یہ کہ اس مرحلہ میں ہم الجھ ہی اس طبقے سے جائیں جس کو یا تو بیچ میں رہنا ہے اور یا پھر ہمارے ساتھ کھڑے ہونا ہے اور جو کہ جاہلیت کے ساتھ ہماری اس جنگ سے فی الحال واقف تک نہیں۔

معاشرے پر کام کئے بغیر پرایوں سے بھی کسی بڑی سطح پر آمادۂ جنگ ہو جانا پس ایک فاش غلطی ہوگی کجا یہ کہ اپنوں ہی کے خلاف، یعنی اپنے دیندار طبقوں اور یہاں دین کے عالموں اور دانشوروں، کے خلاف ہی ہم کوئی محاذ کھول لیں۔ایسا کر کے ہم باطل کا ایک بہت ہی بھلا کریں گے۔یوں اس کو معاشرے میں اپنے پیر مزید جمانے اور اسلام کو معاشرے سے بے دخل کئے رکھنے کیلئے کوئی تکلیف کرنے کی ضرورت ہی نہ رہنے دیں گے۔ہم آپس میں الجھتے رہیں، باطل کو اس کے سوا اور کیا چاہیے؟ اسے اس سے کیا غرض ہم میں سے کس کی 'دلیل' زیادہ قوی ہے!!!

****

توحید اور عقیدہ کی دعوت، یا سماجی ذمہ داریوں، یا معاشرتی رجحانات یا عصری معضلات کے معاملہ میں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ علما اور دانشوروں پر کام کرنے کی بھلا کیا گنجائش باقی ہے اور یہ کہ یہ

تو سب کچھ جانتے بوجھتے اور ہم سے زیادہ پڑھے لکھے ہیں پس ان کو تذکیر و یاددہانی کروانے کی کیا ضرورت۔ ان سے تو بس یا گلہ ہو یا ان کی مطلق تعظیم!!! یہ بھی ایک غلطِ تفکیر ہے اور واجبِ ازالہ۔ حق یہ ہے کہ عام اہلِ علم و دانش کی بابت نہ تو وہ افراط صحیح ہے اور نہ یہ تفریط۔

متعدد عوامل ایسے ہوئے ہیں کہ بہت سے اہلِ علم، دین کے کسی خاص شعبے میں ہی ماہر ہیں اور کسی خاص متعین میدان ہی کے شہسوار۔ اپنے اس خاص شعبے میں ایک عالم یا دانشور کو بہت اچھی دسترس ہوگی مگر دین کے کچھ دیگر علوم یا امور پر ہوسکتا ہے اس کی ویسی نظر نہ ہو۔ پھر کچھ اہلِ علم اپنی علمی مصروفیت اور سرگرمی کیلئے کچھ خاص فنون کا ہی انتخاب کر چکے ہوتے ہیں جو کہ ان کی صلاحیتوں سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور انہی پر ان کی زیادہ توجہ ہوجاتی ہے۔

دین کے معاشرتی فرائض اور توحید کا تحریکی پہلو چنانچہ ہوسکتا ہے بہت سے اہلِ فضل پر یا تو پوری طرح واضح نہ ہو یا پھر کم از کم بھی اس بات کی گنجائش ہو کہ ان کو اس جانب با قاعدہ توجہ کروائی جائے۔ فرض کی یاددہانی کی تو ہر کسی کو ضرورت ہوسکتی ہے۔

پھر بعض معاملات پر پائے جانے والے علمی مغالطوں اور فکری الجھنوں کے دور کئے جانے کی ضرورت بعض اہلِ علم کو بھی ہوسکتی ہے، بلکہ بعض پہلوؤں سے اس کی ضرورت ان کو شاید عوام سے زیادہ ہو، گو اپنے خاص شعبہ میں وہ اپنا کوئی ثانی نہ رکھتے ہوں۔

جہاں تک صبر کی بات ہے تو وہ علما کے ساتھ بھی کرنا ہوگا اور عوام کے ساتھ بھی۔

توحید کی دعوت پر معاشرے میں کس قدر محنت ہونیکی ضرورت ہے اور ایک ایک شخص پر، خصوصاً علما اور دانشوروں کے معاملہ میں، کس قدر کام ہونا باقی ہے اس کا اندازہ آیئے ایک واقعے سے کریں:

برصغیر کے کسی بڑے عالم کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ محمد بن عبدالوہاب کا ہمیشہ برے الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ ان کی دعوتِ توحید سے مخاصمت نہ تھی بلکہ صورت حال کا ان پر واضح نہ ہو پانا تھا۔ کوئی صاحب جو طرفین سے حسنِ ظن رکھتے تھے، کہ معاملہ فہمی سے وافر حظ پایا تھا، ان کے پاس محمد بن عبدالوہاب کی " کتاب التوحید" باہر کے چند ورق پھاڑ کر لائے تا کہ مؤلف کا نام وغیرہ ظاہر نہ ہو اور کتاب پر شیخ کی رائے جاننا چاہی۔ دین پر مشتمل حقائق، جو کہ کتاب وسنت

سے براہِ راست لئے گئے تھے، شیخ کو برے کیوں لگتے۔ شیخ نے کتاب پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ پھر کچھ اور کتابوں کے باہر کے ورق پھاڑے گئے۔ شیخ کو محمد بن عبدالوہاب کی " کشف الشبہات " دی گئی۔ " مسائل الجاہلیہ " کے مطالعہ کی نوبت آئی۔ پھر شاید کچھ اور مواد دیا گیا۔ کوئی بات غیر علمی تھی اور نہ شیخ کی نظر میں قابلِ اعتراض۔ اس کے بعد جب ان کو مؤلف کا نام معلوم ہوا تو، مشہور ہے، موصوف محمد بن عبدالوہاب کیلئے اکثر دعائے خیر کرتے پائے گئے۔

اس سمجھداری سے کام نہ لیا گیا ہوتا تو بعید نہیں شیخ کے حق میں یہ خوش نما دریافت ہونے سے ہمیشہ کیلئے رہ جاتی۔ بلاشبہہ ہمارے یہاں ایک بڑی تعداد اس 'دریافت' کے بغیر رہ رہی ہے۔

****

اہلِ توحید کے سامنے ایک اتنی بڑی مہم پڑی ہے کہ بیانِ حق کے سوا کسی اور بڑے کام کی حتی کہ کسی گلے شکوے کی بڑی دیر تک کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اگر اس مہم کے کچھ ابتدائی مرحلے کامیابی سے سر ہو جائیں تو پھر صورتِ حال کا پورا نقشہ ہی تبدیل ہو سکتا ہے۔

سرِ دست ہمیں جو مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ تاثرات اور غلط فہمیوں کا وہ انبار کم کیا جائے جس کے تلے توحید کے بہت سے حقائق دب کر رہ گئے ہیں۔ اس مسئلہ نے اپنوں کا جتنا نقصان کیا ہے پرایوں کا اتنا ہی بھلا کیا ہے۔ جاہلی قیادتیں میدان خالی پاتی ہیں تو سکھ کا سانس لیتی ہیں۔ ان کو سوائے کسی حد تک سیاسی شعبے کے، جہاں ہماری کچھ مذہبی جماعتیں اتحاد کر لیتی ہیں، معاشرے کے چہار اطراف کوئی چیلنج نہیں۔ جس کا موقعہ پا کر وہ بڑے ہی آرام سے معاشرے کو فساد اور تباہی کی طرف لئے جا رہی ہیں۔ البتہ ہم دینی طبقے ایک دوسرے سے متعاون ہوں تو تب کسی اصل تعمیری شعبے میں نہیں اور کبھی ایک دوسرے سے الجھیں تو تب کسی بنیادی موضوع پر نہیں۔ یعنی حقیقتِ اسلام کی دعوت ہر دو صورت متاثر ہو۔

پورے صبر کے ساتھ ہمیں اپنا مقدمہ ہی پہلے یہاں پیش کرنا ہے اور اسی کو بڑی دیر تک سمجھانا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم میں سے کسی نے بھی چند افراد یا چند مساجد کی حد تک ہو تو ہو کسی بڑی سطح پر توحید کا مسئلہ واضح نہیں کیا۔ ہمارے بہت سے اسلام پسند طبقے ظاہر ہے کہ شرک نہیں کرتے۔ عام خیال یہی ہے کہ اس سے توحید کا حق ادا ہو گیا۔ اب ان کو یہ سمجھانا کہ " توحید " محض ایک اعتقاد نہیں

بلکہ منہجِ انبیا کی رو سے یہ ایک مشن بھی ہے اور یہ کہ یہ "توحید" ہی ہے جو یہاں ایک جیتی جاگتی دعوت اور ایک شہ زور معاشرہ کھڑا کرسکتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی چیز انہیں حاصل ہی نہیں جو ایک نئے معاشرے کو جنم دے ڈالے (جیسا کہ منہجِ رسل سے واضح ہے)، اور یہ کہ وہ "تبدیلی" جس کیلئے ہم کوئی سو سال سے ہلکان ہو رہے ہیں اس کی اصل بنیاد یہ "توحید" ہی ہو سکتی ہے، جس کیلئے ضروری ہے کہ پہلے یہ ایک با قاعدہ تحریک میں ڈھلے اور معاشرے کا ایک بنیادی مسئلہ اور حق اور باطل کے مابین خطِ مفاصلت بنا دیا جائے .. توحید کے یہ سب افق ان کو دکھانا ایک محنت طلب اور صبر آزما کام ہے۔ مزید برآں یہ کہ شرک کے وہ نئے اور پرانے مظاہر جو یہاں پائے جاتے ہیں __ بلکہ ایک جڑی ہوئی بستی کی شکل دھارنے والی اس آج کی دنیا میں یہ مظاہر پورے کرۂ ارض پر جہاں بھی کہیں پائے جاتے ہیں __ اس سے انبیا کے سے انداز میں اختلاف اور براءت رکھنے کو اپنی پہنچان بنایا جائے...... دعوتِ توحید کا یہ ایک ایسا پہلو ہے جو یہاں بہت کم لوگوں کے سننے میں آیا ہے۔ خصوصاً اس کے معاشرتی تقاضوں پر تو یہاں کام نہ ہونے کے برابر ہوا ہے۔ اس پہلو پر تشنگی یہاں حد سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کی کتب کے اردو تراجم ہو جانا اور سعودی کلچرل اٹیچی کے ہاں سے ان کی مفت تقسیم ہوتی رہنا اس باب میں ہماری کل ضرورت نہ تھی۔ بلکہ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا یہاں سعودی چہرہ ہونا ایک اضافی پیچیدگی کا باعث بنا۔ ان "تراجم" کے علاوہ توحید پر الا ماشاءاللہ یہاں کیا کام ہوا؟ توحید کی دعوت کا ایک عصری انداز سے تو یہاں بیڑا ہی کس نے اٹھایا؟ آج کے سماجی وسیاسی Phenomenon کو سامنے رکھتے ہوئے توحید پر یہاں کس نے لکھا؟ "توحید" کو "تحریک" کا موضوع اور بنیاد بنانے پر یہاں کون کھپا؟ وقت کے علوم اور افکار کو "توحید" کی سان پر کسنے کا فریضہ یہاں کس نے انجام دیا؟ (۱)

---

(۱) اس آخری پہلو پر کام کرنے والے کئی نام مانند (سیدین) مودودیؒ وندویؒ بجا طور پر ذکر کئے جانے کے قابل ہیں اور برصغیر میں اس طرح کے بہت سے مفکرین ہماری ستائش کے حددرجہ مستحق۔ مگر وقت کے علوم اور افکار پر توحید کے تیشے برسائے جانے کے اس کام کو ایک تسلسل کے ساتھ نہ تو یہاں ایک "ادارہ" کی شکل دی جا سکی اور نہ ایک "تحریک" کی۔ جبکہ توحید کے کئی اور شعبے جو ایک بڑی محنت کے متقاضی تھے، خصوصاً اپنی کچھ عصری جہتوں سے، اور جو کہ کچھ ہنگامی امور کی نسبت زیادہ ترکیز کے لائق تھے، خود ان عظیم شخصیات سے بھی مطلوبہ توجہ نہ لے پائے۔

یہ ایک بڑا اخلا تھا جو ہمارے یہاں پایا گیا۔اس کومزید وسیع کر دینے والی بات یہ ہوئی کہ توحید کی ترجمانی کا کام یہاں جس طبقے کے پاس عموماً رہا اس کیلئے توحید کی اپنے اس دور کے حسبِ حال ترجمانی کرنا تو مشکل تھا ہی پرانے روایتی مسائل کو بھی وہ صحیح طریقے سے پیش نہ کر پایا۔ پھر اس عمل میں جو بے قاعدگیاں پائی گئیں اور جن کی جانب پچھلی فصول میں ہم کچھ اشارہ کر آئے ہیں وہ اس پر مستزاد۔ پھر کیا بعید دین کے لئے کام کرنے والے بعض متحرک عناصر کو ان سب چیزوں نے متاثر کرنے کی بجائے توحید کے تحریکی پہلوؤں کی بابت کچھ الجھنوں میں ہی مبتلا کر دیا ہو۔

اس خلا کو اب اور بھی وسیع کر دینے کا ڈر جس بات سے ہوسکتا ہے وہ یہ کہ ہم جیسے متوسط اہلیت کے لوگ جو کہ عالم ہیں اور نہ دانشور اور نہ کوئی جماعت اور نہ کوئی تحریک، البتہ توحید کو معاشرے کی روحِ رواں دیکھنے کے متمنی ہیں، یہاں کے بعض اسلامی حلقوں کو اس فرض میں کوتاہی برتتا دیکھ کر، جو کہ ایک واقعہ ہے مگر جیسا کہ ہم نے کہا بہت سے اسباب رکھتا ہے، ان کو خدا کے ہاں مجرم ٹھہرانے ایسا اسلوب اپنانے میں جلدی کریں۔ یوں توحید کی اصل خدمت اب ہم اس بات کو سمجھیں کہ اپنی جدوجہد کا زیادہ تر رخ ہم ان تحریکوں کو ملامت کرنے کی طرف کر دیں۔ گویا کچھ کمی تھی تو اسی بات کی! رہا وہ فرض جو ہم سب کا معاشرے میں شدت سے منتظر ہے یعنی توحید کو اور اللہ کے حق کو معاشرے پر معاشرے کی زبان میں واضح کرنا اور اس کو مناظرے کی بجائے معاشرے کا ایک مسئلہ بنانا اور جس پر کہ بڑی دیر تک کام ہونے کی ضرورت ہے اور تب ہی کہیں جا کر ان تحریکی حلقوں کو سمجھ آئے گی کہ ہم دراصل کہنا کیا چاہتے ہیں .. رہا توحید کا یہ فرض تو وہ تو ہم سمیت کسی سے بھی پورا نہ ہو پا رہا ہو اور اس کے باعث بہت سے تحریکی حلقوں کو اپنے اس فرض کا جوان کو عملاً معاشرے میں ادا کرنا ہے پورا اندازہ تک نہ ہو پاتا ہو مگر اس فرض میں کوتاہی برتتا دیکھ کر ان کو ہم اس حد تک قابلِ تنقید جانیں کہ اپنا ایک بڑا کام ہی اس فرض کو سمجھ لیں، یعنی اسلامی جماعتوں اور دینی حلقوں پر صبح شام تنقید اور لوگوں کو ان سے برگشتہ کر دینے اور یوں ایک انتشارِ عظیم کی راہ ہموار کر دینے کی ہمہ وقتی مہم!

ہم بڑی غلطی کریں گے اگر اسلامی عمل کے میدان میں مصروفِ عمل طبقوں کو ملامت کرتے رہنا اپنی یا ان تحریکوں کی یا معاشرے کی اصل خدمت جان بیٹھیں۔ اس سے وہ خلا جو

"عقیدہ" اور "تحریک" میں یہاں پایا جاتا ہے اور بھی وسیع ہوگا، جس کا سارا فائدہ یہاں کی جاہلی قیادتوں کو جائے گا۔ وقت کی اسلامی قوتوں پر تابڑ توڑ حملے کرنے کا کوئی رجحان اگر ہم میں پرورش پا جاتا ہے، جیسا کہ یہاں ہمارے بعض نوجوانوں کے اسلوب سے عیاں ہے، تو یہ اسلام کا اور دعوتِ توحید کا معاشرے میں اترنے کی جانب راستہ مسدود کر دینے کا ہی ایک نادانستہ اقدام ہوگا۔ اس سے وہ اصل کام جو ہونا چاہیئے اور بھی پیچھے چلا جائے گا۔ یقین کیجئے توحید کو اپنے دور اور معاشرے کا موضوع بنانا ایک مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ اپنے دور کے انسان کو اس دعوت کا مخاطب بنانا ایک دشوار گھاٹی ہے۔ اس گھاٹی سے جب تک ہم گزر کر نہیں دکھاتے اور داعیوں کی ایک معتد بہ تعداد جب تک اس کو کامیابی سے عبور نہیں کرتی تب تک لوگوں پر بے تحاشا تنقید کئے جانا یہاں کسی بھی مسئلہ کا حل نہیں۔

لوگوں کی اس دشواری کا ادراک کرنا بے حد ضروری ہے۔ وگرنہ ہم ان کو یوں ہی موردِ الزام ٹھہراتے رہیں گے اور وہ ہمیں تعجب اور بے یقینی سے یوں ہی دیکھتے رہیں گے اور یہ تمام تر عرصہ ہمارا اصل کام یوں ہی ہمارا انتظار کرتا رہے گا اور جاہلی قیادتیں بھی یوں ہی ہم پر سوار اور معاشرے کی قیادت کے منصب پر فائز رہیں گی۔

آج اگر ہم کچھ لوگوں کو یہ سمجھ آجاتی ہے کہ ہماری اور ہمارے معاشرے کی اصل ضرورت ہے کیا تو یہ خوش آئند ہے۔ یہ امید کی ایک کرن ہوگی۔ اس کو بچا رکھنا اور اس کو مزید ترقی دینا درست سمت میں ایک اقدام ہوگا تا آنکہ معاشرے میں اس عمل کی ایک طبعی اٹھان ہو اور وہ ایک طبعی رفتار سے ہی معاشرے میں پھیلے۔ یہاں تک کہ اس کا اصل مقابلہ کبھی ہو تو وہ صرف جاہلیت کے ساتھ ہو۔ بلکہ اُس محاذ پر بھی اس عمل کو ایک بڑے عرصہ تک اپنی بات کہنے کا ہی موقعہ چاہیے ہوگا۔ کسی بڑی سطح پر جاہلیت کے ساتھ بھی قبل از وقت الجھ پڑنا آپ اپنے ہاتھ اس عمل کی کامیابی کے امکانات کو گنوا دینا ہوگا۔ البتہ یہ کہ ایسا کوئی معرکہ دشمن کی بجائے دوستوں سے ہی شروع کر لیا جائے اور وہ بھی دوستوں کی نہیں اپنی ہی طلب پر، اور پھر اسی سے اس عمل کی کامیابی کی امید بھی رکھی جائے .. تو یہ وہ بات ہے جو 'مؤثر لائحۂ عمل' کے سراسر منافی ہے۔

ہم اس بات کو اس حد تک واضح کر دینا چاہیں گے کہ......تبدیلی کی یہ صدا بلند کرنے والوں کے ساتھ اگر ان دوست طبقوں میں سے کسی کے اپنے ہی جانب سے بھی کوئی معرکہ شروع کر دیا جاتا ہے تو لازم نہیں اس کو توحید کی دشمنی پر ہی محمول کیا جائے۔اس کو انسانی طبیعت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے اور برادرانِ یوسفؑ کے اندازِ تصرف پر بھی۔چنانچہ ایسا کوئی معرکہ کسی دوست طبقے کی جانب سے از خود شروع کر دیا جاتا ہے تو اس سے دامن بچا کر گزرنا اور اس میں پڑ کر اپنا وقت اور توانائی ضائع ہونے سے بچانا تب بھی لازم ہوگا کجا یہ کہ ایسا کوئی معرکہ کسی دوست کے ساتھ از خود طلب کیا جائے اور دشمن کو بخش رکھا جائے۔صبر کے ساتھ کچھ عرصہ اگر بات سمجھا لی جائے تو کیا بعید یہاں کے کئی ایک عمل پسند طبقے خود ہی اس کام کا بیڑا اٹھا لیں اور ہم سب کو بھی اپنی قیادت میں لے کر چلیں۔

****

بیانِ حق کے موضوع پر یہاں بعض موحدین کے ہاں پائے جانے والی ایک 'بے پروائی' کی اپروچ کو تصحیح کرنا بھی ضروری ہے..

یہاں ایک اندازِ تفکیر ہے کہ 'حق جب حق ہے تو وہ خود سے خود واضح ہے لہذا اگر کوئی شخص زور وشور سے حق کی صف میں کھڑا ہوا اور باطل سے برسرِ پیکار ہمیں نظر نہیں آتا تو تنقید کے سوا اس کا ہم پر اب کوئی حق باقی نہیں رہا'!

معاشرے میں حق کے خلاف کچھ آپ سے آپ پھیلی ہوئی اور کچھ معاشرے کے رجحان سازوں کی جانب سے بالقصد پھیلائی گئی غلط فہمیاں اور زہریلے تاثرات جو اچھوں اچھوں کو توحید کے تحریکی پہلوؤں کی بابت اندیشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں بلکہ دعوتِ توحید کو لے کر چلنے والوں کی انسان فہمی اور انسان رحمی تک کو ان کی نظر میں مشکوک کر جاتے ہیں ..اب یہ اندازِ تفکیر کہ 'یہ غلط فہمیاں اور یہ تاثرات یہاں پھیلے ہیں تو ہم کیا کریں جس کو نجات کی ضرورت ہے وہ خود ہی ان تاثرات سے آزادی پائے اور جس کو نہیں سمجھنا وہ جائے جہاں جانا چاہے'، کم از کم ایک داعی کیلئے مناسب نہیں۔

بہت سے معلوم اور نا معلوم اسباب ایسے ہوئے ہیں کہ 'کٹر پن' کی دعوت کو لے کر چلنے والوں کو لوگ انسان گزیدہ جاننے لگے ہیں۔سب الزام لوگوں کو دینا درست بھی نہیں۔لوگوں نے

فتوے یہاں زیادہ تر ہتھیار کے طور پر چلتے دیکھے ہیں۔ خود یہاں کے جاہلی ادب نے اور سماجی رجحان سازوں نے اس صورتحال کو بڑی سمجھداری سے اپنے حق میں استعمال کیا ہے۔ اس پیچیدہ صورتحال کو بدلا بھی اب سمجھداری سے ہی جا سکتا ہے۔ تاثرات کی اس گرد کے باعث توحید کی بعض لگی بندھی عبارتیں یا تو اب حد سے زیادہ بے جان ہو کر رہ گئی ہیں اور یا پھر حد سے زیادہ خطرناک۔ بہت کم اب یہ ہو پاتا ہے کہ لوگ ان کا مطلب وہ لیں جو کہنے والے کا مقصود ہو۔

پس یہ دو تاثرات ہیں جو بہت سے موحدین کے ہاں دور ہونے کے لائق ہیں:

۱۔ توحید کے تقاضے آپ سے آپ ہی اس قدر واضح ہیں کہ جو شخص ان کو ادا کرتا اور معاشرے میں اس کا علم اٹھا رکھتا ہمیں نظر نہیں آتا، صریح مجرم ہے![1]

۲۔ خالص اور ٹھیٹ اسلام کے بارے میں زہریلے تاثرات اور زبان زدِ عام خیالات جو یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں، بے شک اس کے کوئی بھی اسباب ہوں، نہ ہم نے وہ پھیلائے اور نہ ہمیں ان سے کچھ لینا دینا!

یہ دونوں تاثرات دعوت کے حق میں یہاں مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے باعث توحید کے داعی کئی ایک طبقے اب عرصہ سے ایک بند گلی پر پہنچ چکے ہیں۔

ان میں سے اول الذکر غلط فہمی تو خیر بے انتہا توجہ کے لائق ہے اور ہمارے نوجوانوں کو بہت سی خطرناک جہتوں میں لے کر جا سکتی ہے مگر ثانی الذکر بھی کچھ کم ضرر رساں نہیں۔ یوں کہیئے اول الذکر داعیوں کیلئے مہلک ہے تو ثانی الذکر دعوت کیلئے، اور ہر دو صورت یہ دعوت کا نقصان ہے۔

حق کا نقصان سب سے برا وہ ہے جس کا موقعہ خود داعیوں کی جانب سے فراہم کیا گیا ہو۔

****

---

(۱) واضح رہے ہمارا موضوع یہاں "توحید" کے "تحریکی تقاضے" ہیں جن کا عدمِ وضوح یہاں کا ایک تحریکی معضلہ ہے۔ رہ گیا توحید اور شرک کا فرق، جن کا نظر انداز کرنا نواقضِ اسلام کا باعث بنتا ہے اور جس کے نتیجے میں آدمی مشرک ہو سکتا ہے، اور جس کی بابت کسی کا معذور ہونا یا نہ ہونا ایک بحث ہو سکتی ہے، وہ یہاں اس سیاق میں ہمارا موضوع نہیں۔

کچھ نہ کچھ تاثرات تو ہر دور میں اور ہر جگہ حق کی ایک ٹھیٹ دعوت کی بابت پائے ہی جائیں گے مگر اتنے زیادہ؟ یہاں ہمارے برصغیر میں ہمیں اس وقت دراصل ایک غیر معمولی صورت درپیش ہے[1]۔اس کے کئی ایک اسباب کا جائزہ ہم اس سے پہلے لے چکے ہیں۔اس کا ایک سبب البتہ دعوت کا عملی نمونہ نہ پایا جانا ہے ..

بہت سی غلط فہمیاں کسی دعوت کی بابت تبھی زائل ہوسکتی ہیں جب لوگ ایک عملی انداز میں اس کو اپنے سامنے دیکھیں۔ یوں شیطان لوگوں کے سینوں میں دعوتِ توحید کی بابت جو وسوسے پھونکتا ہے وہ ساتھ ساتھ دور ہوتے رہتے ہیں۔کم از کم اس بات کا انتظام ضرور رہتا ہے۔ظاہر ہے ہمارے ہاں یہ تب ہوتا اگر توحید کی ایک جامع اور متوازن ترجمانی یہاں برابر ہو رہی ہوتی۔مگر جب ایسا نہیں ہوا اور اس عمل میں کوئی صدی بھر کا تعطل آ یا رہا جبکہ یہ صدی وہ صدی تھی جب زمانہ قیامت کی چال چل گیا تھا .. شاید اتنی زوردار تبدیلیاں دنیا میں کبھی نہ آئی ہوں جتنی کہ اس صدی میں، تو اس تناظر میں ایک بڑے بحران کا پیدا ہو جانا یقینی تھا۔یقین کیجئے اس وقت ہم اپنے برصغیر کے اس عظیم ترین بحران سے ہی گزر رہے ہیں مگر اس کی گرہیں سلجھ جانے کی لمحوں میں امید رکھتے ہیں۔ ہم میں سے بہت سے تو عملاً اسے جس طرح لے رہے ہیں گویا مسئلہ تھوڑی سی 'نرمی' بڑھا دینے کا ہے یا ذرا سی 'سختی' اور کر دینے کا! اور یہ کہ کچھ چھوٹے موٹے انتظام سے معاملہ بالکل ٹھیک ہو رہنے والا ہے!

دعوت میں اس عملی نمونہ کے نہ پائے جانے کے باعث، توحید کے تحریکی مضمون کی بابت مفروضے اور قیاس آرائیاں پائی جانا طبعی امر ہے۔ بڑے اچھے اچھے اور مخلص ذہن بھی یہاں ایسے ہو سکتے ہیں کہ حق کی ایک بات پر آپ کی پرزور تایید کریں اور دوسری بات پر کسی خدشے یا تحفظ کا شکار ہو جائیں اور تیسری بات پر آپ سے بدظن۔ایک حق بات بھی ہوسکتا ہے کسی کیلئے اتنی نئی ہو یا اس کو اتنی بڑی نظر آئے کہ وہ اسے 'آپ' سے لینے پر تیار نہ ہو بلکہ اس کو وہ کسی ایسے مصدر سے سننا ضروری جانتا ہو جو اس کی نگاہ میں اتنی ہی بڑی سطح کا علمی مرتبہ رکھتا ہو جتنا "سنگین" کہ وہ مسئلہ ہے۔خصوصاً

(۱) یہ ایک طویل کہانی ہے اس کی کئی ایک تاریخی جہتیں کسی اور موقعہ پر ہی ذکر میں آ سکتی ہیں۔

جبکہ عقیدہ وغیرہ کے نام پر بعض چھوٹے چھوٹے گروہوں کو دین کی نئی نئی تعبیریں اور انتہا پسندانہ تفسیریں کرتے اس نے دیکھ یا سن بھی رکھا ہو۔ دودھ کا جلا چھاچھ بھی تو پھونک پھونک کر پیتا ہے!

یہ منطق کہ 'وہ بات جو میں آپ کو بتا رہا ہوں قرآن حدیث میں آئی ہے' بسا اوقات غیر درست سمت میں استعمال ہوئی ہے، خصوصاً مخاطب اگر علومِ شریعت کے اندر متخصص نہ ہو۔ فہم کی مصدریت کا مسئلہ ایک جائز مسئلہ ہے۔ اس شخص کو کیا معلوم آپ کا قرآن وحدیث سے کسی بات کا حوالہ دینا اور اس سے عین وہ مطلب لینا جس کا آپ اسے قائل کر رہے ہیں درست اور مستند ہے اور یہ کہ کل کو کوئی اور شخص اس کیلئے قرآن وحدیث ہی سے اس سے کچھ برعکس ثابت نہیں کر رہا ہوگا؟ یہ نہ ہو تو مستند علما کی ضرورت ہی دنیا میں ختم ہو جائے، خصوصاً عقیدہ اور اصولِ دین کے معاملے میں۔ لوگ اگر یہ تقاضا کریں کہ ان کو قرآن وحدیث سے بھی جو کوئی مسئلہ بتایا جائے اسے بتانے والا ان کی نظر میں شریعت کا مستند عالم ہو جو کسی دن ان کو ایک ناپختہ وخطرناک مقام پر نہ لے جا پہنچائے، تو اصولاً یہ کچھ اتنا غلط تقاضا نہیں اور اب تلک بہت سے لوگ اگر یہاں کے جدت پسندوں کے دلائل کے ہاتھوں لڑھک نہیں گئے تو شاید اس کی وجہ یہی خیر ہو جو بہت سوں کے ہاں نادانستہ پائی جاتی ہے۔

آپ کی بات اگر غیر علمی نہیں تو مستند اہلِ علم کے بے شمار حوالے یقیناً آپ دے سکیں گے۔ ورنہ وہ مستند ہی کیوں ہوگی۔ اس لحاظ سے تو یہ ہرگز کوئی مسئلہ نہیں۔ مگر یہ بھی تو ہو کہ آپ کا مخاطب ان شخصیات سے جن کو آپ اپنے علمی مراجع کے طور پر پیش کر رہے ہوں واقف ہو۔ اور کیا بعید ان میں سے بعض علمی مراجع اس کی نظر میں مشکوک یا متنازع ٹھہرا دیئے گئے ہوں یا ان کا معاشرے میں براچرچا کر دیا گیا ہو اور آپ کا انہی کے حوالے دینا معاملے کو کسی وقت اور بھی الجھا دینے کا باعث ہو۔ پھر اس بات کا تو حل ہی کیا ہے کہ لوگ "علما" کو اپنے سامنے اور اپنے دور میں دیکھنا بھی چاہتے ہیں اور 'ایمان بالغیب' کیلئے صرف "نبیوں" کے معاملے میں تیار ہوتے ہیں! بلکہ وہ "علما" کی قیادت میں چلنا چاہتے ہیں۔ کتابوں اور مخطوطوں سے نکالی گئی عبارتیں غیر علما کو ضروری نہیں ہمیشہ مطمئن ہی کر لیں۔ دینِ حق کی ایک زندہ اور عصری انداز کی ترجمانی آخر معاشروں کی کوئی چھوٹی اور معمولی ضرورت تو نہیں!

اس صورتحال پر اگر صبر نہ کیا گیا اور لوگوں کی مجبوریاں درست انداز میں نہ سمجھی گئیں، پھر سب سے بڑھ کر تعبیرِ دین اور تحقیقِ توحید کے معاملے میں جو ایک طویل اور بڑی سطح کا تعطل آیا رہا ہے پہلے اس ہی کا تدراک کرنے پر توجہ اور محنت نہ کی گئی، اور پھر ٹھیٹ عقیدہ کے راستے میں جاہلی افکار اور جاہلی ادب اور جاہلی ذرائعِ ابلاغ نے جو زہریلے کانٹے بکھیر دیئے ہیں اور جو کہ یہاں لوگوں کے پیروں کو نہیں ذہنوں کو لہولہان کرتے ہیں ان کانٹوں کو بھی توحید کی راہ سے صبر اور دقتِ نظر سے نہ چنا گیا تو بہت امکان یہ ہے کہ یہ صورتِ حال عرصہ تک برقرار رہے گی جس میں ہم عوام سے پہلے اپنے بہت سے مخلص اور صالح اہلِ علم اور اصحابِ دانش کو بھی بری طرح کھودیتے رہیں۔

ایسے میں ہمارے دین پسند عوام یا ہمارے نیک و مخلص علما و دانشور حق کی کسی بات پر، جو کہ کتنی بھی مستند ہو اور اس کا پھیلنا ہمارے نزدیک چاہے کتنا بھی ضروری ہو، اگر کبھی محتاط ردِ عمل ظاہر کریں ___ بےشک وہ "تارکِ توحید کا حکم" بتائے جانے پر کیوں نہ ہو یا عقیدہ کا کوئی اور واضح و ثابت مسئلہ عام کئے جانے پر کیوں نہ ہو ___ تو ہمیں اس بات کو اس کے طبعی اسباب کی طرف ہی لوٹانا ہے اور اس کو صبر و حوصلہ کے ساتھ ہی لینا ہے۔ شاید بڑی دیر تک تو ہمیں یہی کرنا ہوگا کہ ہمارے یہ قابلِ احترام طبقے یہاں توحید کی دعوت کے کسی طریقہ یا اسلوب یا اس کے کسی پیرائے پر کوئی تحفظ ظاہر کریں تو اس پر ان سے بدگمانی رکھنے کی بجائے ہم اس کو اپنے ہی بیان کے نقص پر محمول کریں۔

ایسا جاننے کا مطلب گو یہ بہرحال نہ ہوگا کہ ہم انہیں معاشرے کے اندر فرضِ توحید کی ادائیگی سے بھی سبکدوش سمجھتے ہیں اور ان کے منہج اور تصور کو ہرگز کسی تبدیلی کا ضرورتمند خیال نہیں کرتے۔

ایک تو پچھلے کوئی دس بارہ عشرے "توحید" پر یہاں کے حسبِ حال کام نہ ہوا ہونا، پھر معاشرے میں اس پر پڑتی رہنے والی تاثرات کی گرد کا مسلسل بڑھتا چلا جانا، پھر "عقیدہ" کی دعوت سے منسوب بعض طبقوں کا "عقیدہ" کے نام پر بہت سے تجاوزات کر بیٹھنا .. اس کا کم از کم تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی بات کو سمجھا جانے کیلئے لوگوں کو کچھ وقت دیں اور اس تمام تر عرصہ تحمل سے کام لیں۔

ایک بات بہرحال طے ہے کہ صورتِ حال جب بھی بدلے گی اہلِ علم اور اصحابِ دانش کے حرکت میں آنے سے بدلے گی۔

آخر صبر کب تک؟ یہ ایک سوال ہے جو اپنے بعض مخلص موحد حلقوں کی جانب سے بکثرت سننے میں آتا ہے۔ اس سوال کے اندر ایمان اور دین سے تمسک اور عقیدہ کی حمیت بولتی ہوئی صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس کا جواب یہی ہے کہ: ''صبر'' کم از کم اس وقت تک جب تک:

۱) یا تو انہی اہلِ علم اور اصحابِ دانش میں کی ایک معتد بہ تعداد یہاں "اصل کام" کا ذمہ نہیں اٹھا لیتی ..

۲) یا جب تک خود آپ یہاں اہلِ علم اور اصحابِ دانش کی ایک معتد بہ تعداد کھڑی نہیں کر لیتے جو یہاں "اصل کام" کا بیڑا اٹھا لے ..

۳) اور یا پھر جب تک کچھ لوگ ہمیں ایک سنجیدہ محنت کے نتیجے میں موجودہ اہلِ علم و دانش سے اور کچھ لوگ ایک دوسرے انداز کی محنت کے نتیجے میں نئے پیدا ہونے والے اہلِ علم و دانش سے نہیں مل جاتے، یعنی کچھ موجودہ اور کچھ نئے۔

پھر جب وہ "اصل کام" معاشرے کے اطراف واکناف میں ہونے لگے گا اور اس کے کرنے والے پائے جائیں گے تو وہ یہ فیصلہ بھی کر لیں گے جو ہم سے ابھی اسی وقت "جواب" چاہتا ہے، کہ 'صبر کب تک'۔ یہ توقع کہ معاشرے کے اندر "اصل کام" ہوئے بغیر ان سوالوں کے تشفی بخش جواب ملنے لگیں اور پھر یہ توقع کہ اہلِ علم و دانش کی ایک معتد بہ تعداد کے اس عمل کی پشت پر پائے گئے بغیر یہ گھاٹی سر ہو رہے گی .. دونوں توقعات بے حد غیر واقعاتی ہیں۔

"اصل کام" اور "کرنے والے" دونوں نہ پائے جائیں (ہماری مراد ہے معاشرے کی سطح پر) تو ان سوالوں کو لے کر بیٹھ جانا کس فرض کی انجام دہی ہے؟!

اس وقت تو صورتِ حال یہ ہے کہ یہاں آپ "شروطِ لا الہ الا اللہ"، یا "نواقضِ اسلام" یا "انواعِ شرک" یا "معنی الطاغوت" ایسے بنیادی ترین اصولِ دین بھی لوگوں کو پڑھانے سکھانے لگیں تو اسے بھی شاید فرقہ واریت یا فتوی بازی کی ایک مہم سمجھا جائے گا، جب تک کہ ایک طویل

وقت لگا کر ان مسائل میں آپ اپنا ایک اصیل لہجہ متعارف نہیں کرا لیتے۔

مگر اس بحران کی کوئی سو سالہ تاریخ اگر ہمارے ذہن میں رہتی ہے تو ضروری نہیں اس معاملہ کی تفسیر یہی کی جائے کہ بس یہ حق سے عناد ہے۔ اس کی تفسیر ہمارے خیال میں یہ بھی ہو سکتی ہے کہ معاملہ بڑی دیر تک بیان کیا جاتا رہنے کا متقاضی ہے اور وہ بھی ایک درست اور مؤثر انداز میں۔ ہمیں اپنا وہ اصل نقص معلوم ہے جس کی پشت پر سو سال کی سستی اور زبوں حالی ہے۔ برسوں اور عشروں کے عارضے لمحوں میں دور نہیں ہو جاتے۔

****

پس اس منظر نامے میں، طبعی بات ہے کہ پرایوں ہی نہیں اپنوں کی طرف سے بھی آپ کے ساتھ زیادتی ہونے لگے۔ اس کے باوجود نہ تو حق کی تعلیم دینی حلقوں میں کسی وقت موقوف ہونی چاہیے اور نہ حق کی بنیاد پر ان کی، اور ان کے ساتھ مل کر، تالیف و شیرازہ بندی۔ تعلیم (تفہیم و تذکیر) اور تآلُف (یگانگت و شیرازہ بندی) دونوں فرض اپنی جگہ برقرار رہیں گے بلکہ "تاثرات" کی یہ گرد نگاہ میں رہے تو ان دو باتوں کی اہمیت پہلے سے بھی بڑھ جائے گی۔

امت کے سب طبقوں کو تعلیم و ارشاد اور تصحیح و اصلاح کے ساتھ ساتھ محبت و وابستگی اور الفت و یگانگت فراہم کرنا اور یہ دونوں کام بیک وقت کرنا، جو کہ توازن کا ایک مشکل ترین نقطہ ہے، اہل سنت کا ایک خاص وصف ہے۔

فرض کی ان دونوں جہتوں کو اکٹھا ساتھ لے کر نہ چلا جائے، خواہ وہ تعلیم و اصلاح کے محاذ پر کوتاہی ہو اور خواہ اسلوبِ شیرازہ بندی اختیار کرنے میں [1]، ہر دو صورت آپ کا کام پیچھے چلا جاتا ہے بلکہ ہر دو واجب ایسے ہیں کہ کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنے لگیں تو معاشرے کی زمین آپ کے پاؤں تلے سے آہستہ آہستہ سرکتی چلی جاتی ہے اور تب آپ اپنے عمل کا میدان ہی مسلسل کھوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر آدمی کسی اور سے نہیں حالات سے لڑتا ہے اور حالات سے لڑنے کی جو قیمت

---

(۱) جبکہ یہاں اس وقت ہر دو محاذ پر کوتاہی ہے، بلکہ شدید کوتاہی...... پھر بھی "نتائج" کی زبردست امید یا پھر بے حد مایوسی!!!

ہوا کرتی ہے وہ دیئے بغیر پھر چارہ نہیں رہتا۔ بلکہ حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ یہ قیمت بعض اوقات بڑھتی بھی چلی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ آدمی پرایوں سے نمٹے اپنوں سے ہی فراغت پانا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہم سب ایک عرصہ سے شاید یہ قیمت دے رہے ہیں۔

****

وہ تعلیمی اور دعوتی عمل جس کی ہم تجویز دینے جا رہے ہیں اور جو کہ بفضلہٖ تعالی یہاں تبدیلی کی بنیاد بنے گا، معاشرے کا صالح ذہین عنصر اس کی کامیابی کیلئے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ بے شک اس پر وقت لگے، گو اب یہ اتنا مشکل نہیں، مگر اس کے بغیر چارہ نہیں۔ اور پھر جلدی ہمیں ہے کس بات کی؟ یہاں کے اہلِ علم، ادیب اور دانشور بہر حال اس کیلئے ناگزیر ہیں۔ اسی طبقہ کو در حقیقت اور بالآخر اس کام کا بیڑا اٹھانا ہے۔

یہ طبقہ اگر ہماری بات کو شرفِ توجہ بخشتا ہے تو ہم اس سے اپنے تقاضوں میں اس حد سے نہ بڑھیں گے کہ ان کے اپنے شعبے ہی اس کام کے باعث متاثر ہونے لگیں۔ یہ بے شک اپنے اپنے علوم وفنون یا قیادتِ معاشرہ کے اپنے اپنے میدان میں سرگرمِ عمل رہیں بلکہ اس تبدیلی کی مؤثر صدا بننے کیلئے تو یہ اور بھی ضروری ہے کہ یہ اپنے اپنے تخصص کے میدان میں چوٹی تک پہنچیں.. البتہ یہ ضروری ہوگا کہ:

۱۔ ایک تو یہ اس اصل کمی اور اصل خلا کو محسوس کریں جس کے باعث یہاں تبدیلی کا کوئی دھارا ہی نہیں بن پا رہا باوجود اس کے کہ جہت کی اس تبدیلی کے شدید خواہشمند یہاں ہزاروں لاکھوں میں ہیں۔ احساسِ زیاں ہمارا یہاں بہت بڑا سرمایہ ہوگا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ اس اصیل اور بنیادی تبدیلی کی صدا کو اپنی جانب سے کوئی منفی یا حوصلہ شکن رویہ نہ ملنے دیں۔

۳۔ تیسرا یہ کہ جہاں تک ہو سکے اس تحریکی عمل کی حوصلہ افزائی کریں بلکہ اس سے متعلق غلط فہمیاں اور تاثرات دور کریں، کہ در اصل یہ اصحابِ علم و دانش ہی کا کام ہے۔ علاوہ ازیں ایسے نوجوانوں کی علمی اور فکری سرپرستی کریں جو اس خاکستر میں ایک چنگاری کا درجہ رکھتے ہیں۔ جس قدر

ان نوجوانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے بڑوں کے ساتھ تعامل میں "صبر و برداشت" کا دامن پکڑ کر رکھیں آپ پر بھی تو ضروری ہے کہ ان کی حالت کو آپ اگر 'جذباتیت' جانتے ہیں تو آپ اس پر ان کے ساتھ نہ صرف "صبر" کریں بلکہ ان کے جذبہ کو ایک درست سمت بھی دیں۔ محض ذوق نہ ملنے کے باعث تو یہ سرمایہ نظر انداز نہ کر دیا جانا چاہیئے!

۴۔ چوتھا یہ کہ اپنے اپنے مقام سے، اور اپنی کسی بھی سرگرمی کو متاثر ہونے دیئے بغیر، اس صدا میں اپنی صدا ملائیں۔ معاشرے کے اندر ایک اہم و مؤثر پوزیشن پر پائے جانے والے شخص کا بولا ہوا صرف ایک جملہ ہی بسا اوقات دوسروں کی لمبی چوڑی تقاریر اور ضخیم کتب سے زیادہ مفید اور فضا کے اندر تبدیلی لانے کے عمل میں زیادہ اثر انگیز ہوسکتا ہے۔ آپ معاشرے میں یا اپنے کسی خاص حلقے میں اگر ایسی کسی پوزیشن پر پائے جاتے ہیں تو آپ کو اپنے کسی بھی معمولات میں تبدیلی لائے بغیر اور کوئی بھی اضافی جتن کئے بغیر ماحول میں رُت بدلنے کے اس عمل میں اپنا حصہ ڈالنے کا ایک زبردست موقعہ حاصل ہے۔ اتنی سی تو کسی اعلیٰ پوزیشن پر ہونے کی 'زکات' ہی بن جاتی ہے اور اس پر خدا کا شکر گزار ہو جانے کا ہی ایک ادنی سا تقاضا! آپ کا الگ سے ایک بات پر کچھ بھی نہیں لگتا مگر اس کے نتیجے میں ایک دعوت معاشرے کے اندر کھڑی ہو جانے میں مدد پاتی ہے اور آپ کے ہاتھوں ایک باطل کی عمر کے کچھ دن گھٹتے ہیں تو اس پر بے اعتنائی کیوں؟

۵۔ پانچواں یہ کہ اپنے اس شعبے میں پائے جانے والے لوگوں کے ساتھ اس دعوت کے حق میں مؤثر رابطہ اور ذریعہ بنیں، جس کے نتیجے میں معاشرے میں ان شاء اللہ خود بخود کسی وقت ایک تہذیبی محاذ تشکیل پا جائے گا۔ اس وقت یہاں جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہاں کے ہر شعبے میں کوئی 'تنظیمی محاذ' نہیں بلکہ ایک ''وسیع البنیاد فکری وتہذیبی محاذ'' ہے جو تنظیمی وحزبی وابستگیوں سے بلند ہو کر اپنی سوچ کا افق ''امت'' تک لے جانے پہ قدرت پائے۔ یہ زقند بھرنا آسان نہیں مگر اپنے اثرات میں یہ ایک غیر معمولی بات ہوگی۔ ہر شعبے کے اندر بامقصد لوگوں کے مابین بامقصد رابطوں کا مضبوط وتوانا ہوتے جانا اور اس عمل کا حوالہ خالصتاً ایک عقیدہ ہونا نہ کہ کچھ اور، آئندہ دنوں کے اندر یہاں ایک زبردست پیش رفت ہوگا۔

۶۔ چھٹا یہ کہ اس پورے عمل کے دوران جہاں کسی اچھے ہیرے پر کسی کی نظر پڑے اسے ممکنہ طور پر اس کی بہترین اور مفید ترین جگہ پر پہنچایا جائے اور اس معاملہ میں ہرگز کوئی کوتاہی نہ برتی جائے۔ یہاں ہمیں کوئی کمی ہے تو رجال کی کمی ہے۔ رجال کے جوہر شناس عالم اور دانشور ہی ہو سکتے ہیں۔ ہمارا بحران ایک خاصی حد تک قیادت کا بحران ہے۔ یہاں ہمارا بہت سا انسانی سرمایہ جہت پانے سے رہ جاتا ہے۔ ہمارا باشعور طبقہ اس محاذ پر توجہ دے کر یہاں ایک بڑا فرق لے آ سکتا ہے۔

۷۔ ساتواں یہ کہ وہ بنیادی موضوعات جو اس تبدیلی کی بنیاد بن جانے والے ہیں خواہ وہ "اصولِ دین" کے حوالے سے ہوں یا" فہم ومطالعۂ عصر" کے حوالے سے ان سب موضوعات کو اپنی اپنی دنیاؤں میں بکثرت زیرِ بحث لائے جانے کے انتظام میں ممد ہوں۔ بے شک نکتۂ نظر کے اختلافات باقی رہیں مگر ان کا یہاں موضوعِ ارتکاز بن جانا ہی تبدیلی کے اس عمل کی زبردست کامیابی ہوگا۔

یہ ساتوں باتیں ایسی ہیں جو آپ سے کسی بڑی قربانی کا تقاضا نہیں کرتیں۔ یوں سمجھیئے یہ اس کا کم از کم حق ہے۔ رہ گیا اس عمل میں آگے لگنا اور قیادت کا علَم اٹھانا تو وہ ایک اور سطح کا کام ہے اور اس کے اور تقاضے ہیں۔ کسی میں ہمت اور صلاحیت ہے تو ضرور اس کیلئے بھی آگے بڑھے، صدیقیت کی راہ کھلی ہے اور خدا کی جنت بہت بڑی ہے لیکن کسی وجہ سے ورثۂ نبوت کے فرض کی راہ میں بہت کچھ نہ ہوسکتا ہو تو کچھ نہ کچھ کرنے سے پھر بھی آدمی کو پیچھے نہ رہ جانا چاہیئے۔

یہ سب باتیں اِسی 'کچھ نہ کچھ' سے ہی تعلق رکھتی ہیں نہ کہ اُس 'بہت کچھ' سے!

یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اپنے اپنے شعبے میں کوئی شخص دین اور معاشرے کی جو بھی خدمت کر رہا ہے اس کا ایک سِرا اور ایک دھارا تبھی بنے گا جب معاشرے کو توحید کے ایک صحیح اور ہمہ گیر تصور کی بنیاد پر ایک واضح اور زوردار جہت دے لی جائے۔ ورنہ وہ بہت سے کام جو ہمارے علماء اور دانشوروں کے ہاتھوں یہاں دین اور معاشرے کیلئے انجام پا رہے ہیں کچھ نہ کچھ فائدہ مند ضرور ہوں گے اور 'نہ کئے جانے سے بہتر' ہوں گے مگر ایک بڑی سطح پر غیر مؤثر اور غیر نتیجہ خیز ہی رہیں گے،

دین کے حق میں بھی اور خود معاشرے کے حق میں بھی۔ بلکہ ایک حد تک، ممکن ہے جاہلیت بھی آپ کی ان نیکیوں سے فائدہ اٹھاتی رہے۔

اس گول دائرے سے نکلنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم حرکت اور عمل پر ہی زور نہ صرف کر دیں بلکہ ایک خاص توجہ، بلکہ ہم تو کہیں گے پوری توجہ، 'جہت' پر کر دیں۔ وگرنہ جس طرح ایک صدی ہم نے بڑے آرام سے جوشِ عمل میں گزار دی ایک اور صدی گزر جانے کا بھی پتہ تک نہ چلے گا۔

عمل کا زور تو ہوسکتا ہے آپ کئی اور چیزوں سے پیدا کر لیں اور وہ تو شاید پہلے بھی کچھ کم نہیں البتہ جہت کی یہ گنجلک جو صرف اپنے ہی نہیں تیسری دنیا کے مخلصوں اور ہوشمندوں کی ایک بڑی تعداد کو گھٹنے ٹکوا چکی ہے اور عمل کے بڑے بڑے طوفانوں کے بے اثر گزر جانے کا باعث بنی رہی ہے .. جہت کا یہ زور اور فاعلیت جس چیز سے مل سکتی ہے وہ صرف ہمارے ہی پاس ہے اور وہ ہے انبیا کا دیا ہوا خالص عقیدہ جس کے آگے باطل بھاگتا ہوا پھر راہ نہیں پاتا۔

'وقت کے ساتھ چلنا' اور 'وقت کو اپنے ساتھ چلانا' گو دونوں عمل ہیں اور بہر دو صورت آپ 'چلتے' ہیں، بلکہ پہلی صورت میں آپ کہیں زیادہ تیز چلتے ہیں مگر اِس چلنے اور اُس چلنے میں یقین کیجئے بڑا فرق ہے۔ ہم جس معاشرے کا حصہ ہیں آپ جانتے ہیں وہ اسلام کا اور اسلامی مقاصد کا تشکیل کردہ نہیں بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس عالمِ نو میں بار برداری کیلئے رکھا گیا ہے۔ پس اس کولھو کا بیل بننا اور چل چل کر تھک جانا اور نہایت فرض شناس بن کر قوم کو تھکانا کوئی بہت پیداآور نہیں۔ از حد معمول کی زندگی خواہ وہ کسی بھی حیثیت اور کسی بھی پوزیشن میں ہو یہاں ایک بامقصد شخص کے شایان نہیں خواہ آپ عالمِ دین ہیں، یا سماجی دانشور، یا خطیب، یا استاد، یا محقق، یا سماجی کارکن، یا کسی جماعت کے سربراہ، یا بیوروکریٹ، یا بزنس مین، یا سیاستدان، یا صحافی، یا جمہوریت کے حق میں بولنے والے کالم نگار یا کسی بھی حیثیت میں معاشرے کے ایک بااثر فرد۔

ایک معاشرے کی مجموعی جہت ہی تصحیح طلب ہو تو وہاں ناک کی سیدھ میں چلنا اور بس اپنے کام سے کام رکھنا اور روزمرہ کے علمی و دینی و سماجی مشاغل کو تن دہی سے انجام دیئے جانا نہ اپنے

بھلے میں ہے اور نہ معاشرے کے اور نہ اپنی آئندہ نسلوں کے۔

معاملے کی ایک بڑی تصویر نہ دیکھ پانا" پسماندگی" کا نقطۂ مرکزی ہے۔

معاملہ کی بڑی تصویر بنانے کی بابت بتائیے آپ کیا منہج رکھتے ہیں؟

ہر شخص کو یہ سوچنا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے وہ یہاں 'جہت' کا فرق لے آنے میں کہاں تک مؤثر ہے۔ چلنا بذاتِ خود کوئی کام نہیں۔ دیانتداری سے فرائض انجام دینا درست ومطلوب، مگر 'مجموعی جہت' سے غافل ہو جانا خود اس سماج ہی کے مفاد میں نہیں جس کے، ہمارے یہاں پائے جانے کے ناطے، ہم پر بے حد حقوق ہیں۔ معاشرے میں رہیئے، معاشرے سے باہر رہ کر کوئی تبدیلی لائی ہی نہیں جاسکتی، پس انہی شعبوں میں ترقی کیجئے، یہیں پر نام پیدا کیجئے، مگر نرا پر ااس کے ساتھ بھی مت چلئے۔

پس 'چلنے' کی بجائے 'چلانا' جب ایک سوال بن جائے گا تو پھر رابطے، تعارف، تلاش، بحث، طلب، مطالعہ، تحقیق، جستجو، اچھے مصادر تک رسائی، بامقصد تعاون، تنسیق، بھاگ دوڑ.. کوئی چیز ہونے سے نہ رہے گی۔ "ضرورت" ایجاد کی ماں ہے تو آیئے سب سے پہلے اپنی "ضرورت" ہی کا تعین کرلیں!

ایک بے مقصد معاشرے کا روٹین کا کل پرزہ بننا، خواہ وہ اس میں بڑی سے بڑی پوزیشن کیوں نہ ہو، اور اس میں آدمی مقبولیت اور پزیرائی اور ہر دلعزیزی کی انتہا پر کیوں نہ پہنچ گیا ہو، توانائیوں اور صلاحیتوں کا کوئی بہت اچھا مصرف نہیں۔ زندگی اس سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسی معاشرے کے بنے اور بنائے ہوئے اور اسی کے دیئے ہوئے خانوں میں فٹ ہونا، خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی، وہ کام نہیں جو دراصل اس دور میں اور خود اسی معاشرے میں آپ کا منتظر ہے۔

اس کام کا حق بھی اس سے بڑا ہے اور اس معاشرے کا بھی۔

****

کسی قوم کی حالت بھی آج تک اس کے مفکروں اور اہلِ علم طبقوں کے تعاون کے بغیر بلکہ ان کے قیادت کیئے بغیر نہیں بدلی۔ تبدیلی کا سب سے اہم حصہ پس وہ ہے جس سے ہمارے ان

طبقوں کو گزرنا ہوگا۔

ہمارے علماء اور دانشور اگر اپنے اپنے شعبوں میں مصروف ہیں تو بھی ان پر اس کام کا کم از کم یہ حق بنتا ہے کہ وہ اس سے بے رغبتی اور بے اعتنائی نہ برتیں۔ اپنے میں سے کچھ کو اس کام کیلئے آگے کریں۔ نہیں، تو کچھ نہ کچھ اگر کہیں اس کی کوشش ہوتی ہے اس کی سرپرستی اور اس کی بنیادوں کو پختہ کرنے اور پھر درست رکھنے میں "دلچسپی" ضرور لیں۔ مثالیت اور ذوق پرستی کو خود پر حملہ آور نہ ہونے دیں۔ اہلسنت کا وہ منہجِ واقعیت مدنظر رکھیں جو ہر دی گئی صورتِ حال میں ہی خیر کو غلبہ دلوا دینے پر یقین رکھتا ہے نہ کہ مثالی صورتِ حال اور حسبِ ذوق افراد کے پائے جانے کا انتظار کرنے میں۔

ہمارے علما اور دانشور اپنے معاشرتی کردار کے حوالے سے کم از کم بھی یہ کریں کہ معاشرے میں ''بنیادی تبدیلی'' کی ان تحریکی کوششوں کی بابت 'پرایا' ہونے کا تاثر نہ ملنے دیں۔ اس عقائدی، معاشرتی، تہذیبی عمل میں جب وہ اپنی "تایید" کا وزن ڈال چکے ہوں گے اور حق کو معاشرے میں برسرِ عام حق کہا جانے اور باطل کا کھلا ابطال کیا جانے کے اس اجتماعی عمل میں اپنی آواز ملا چکے ہوں گے تو معاشرہ ان کا ایک وزن محسوس کرے گا اور یوں معاشرتی رجحانات پر اہلِ حق کا غلبہ ہونے لگے گا اور اسی کے بقدر باطل کو معاشرے میں پسپائی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم اور ایک دانشور بہت تھوڑا وقت دے کر بھی اور اپنے کسی خاص شعبے میں پوری طرح مصروف رہ کر بھی اس عمل کی کامیابی میں ایک بڑا کردار ادا کرسکتا ہے۔

یہ کام جس فریق کا ہے بلاشبہ ہم اس میں سے نہیں۔ البتہ ہمارا دین ایسا ہے کہ ہر کوئی ___ آداب ملحوظ رکھتے ہوئے ___ ایک عالم بلکہ خلیفۂ وقت تک کو اس کا فرض یاد دلا سکتا ہے۔ ایک عام سی عورت بھری مسجد میں کھڑی ہو کر عمر بن خطابؓ ایسے امامِ ہدایت کو قرآن کی ایک آیت کی جانب توجہ دلا سکتی ہے اور اپنے موقف پر نظرِ ثانی کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔

پس یاد دہانی کا کام ہم سب کو کرنا ہے۔ کیا عالم کیا عامی، سب اس میں شریک ہوں گے۔ پھر گھر میں اگر کہیں آگ لگی ہو، یا کہیں اس کا امکان ہو تو اس پر تو کسی کا بھی صدا بلند کرنا معیوب نہ

ہونا چاہیئے ۔ ہمارا یہاں اس پر کچھ بات کرنے کا مقصد بھی بس اس فرض میں اپنا حصہ ڈالنا ہے۔ یہ البتہ ہم جانتے ہیں کہ اصل کام اسی وقت ہوگا جب ہمارے علما اپنے علم کے ساتھ میدان میں اتر آئیں گے۔

****

یہ بہرحال واضح رہنا چاہیئے کہ ''معاشرے کی جہت'' پر کام کئے بغیر ہم دشمن کے رحم وکرم پر ہوں گے اور ہماری تمام تر مخلصانہ دینی و دنیاوی سرگرمیوں کے باوجود ہمارے معاشرے اسی کی پھونک سے چلیں گے اور ہم سب اک سعیِ مسلسل کے علی الرغم کچھ 'دیئے گئے' خانے ہی پر کریں گے۔ کسی معاشرے کے حق میں اس سے بڑی بدقسمتی کیا ہوسکتی ہے کہ عملی حقیقت کے اعتبار سے وہ کسی دوسرے کا نقشِ خیال ہو، اس کے اپنے اصول اس کو رخ دینے کے معاملے میں معطل ہوں، جبکہ اس کے اپنے ذہین و باصلاحیت لوگ ایک معنی میں وہاں صرف 'مزدوری' کریں؟!

اللھم أبرم لھذہ الامة أمر رشد، یعز فیه أھل طاعتک، ویذل فیه أھل معصیتک، ویؤمر فیه بالمعروف، وینھی فیه عن المنکر، إنک علی ما تشاء قدیر

ربنا آتنا من لدنک رحمة وھیئ لنا من أمرنا رشدا

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد إذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمة إنک أنت الوھاب

وصلی اللہ علی النبی وآلہ

والحمد للہ فی الاولیٰ والآخرة

شجر سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

مطبوعاتِ ایقاظ

روزِ غضب زوالِ اسرائیل پر انبیاء کی بشارتیں، توراتی صحیفوں کی اپنی شہادت	ڈاکٹر سفر الحوالی
روبہ زوال امیریکن ایمپائر عالم اسلام پر حالیہ صلیبی یورش کے پس منظر میں	حامد کمال الدین
مسجدِ اقصیٰ، ڈیڑھ ارب مسلمانوں کا مسئلہ (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
مسلم ہستی کا احیاء	حامد کمال الدین
دعوت کا منہج کیا ہو؟	محمد قطب
ایمان کا سبق	حامد کمال الدین
شروط لا الہ الا اللہ	حامد کمال الدین
نواقضِ اسلام	حامد کمال الدین
توحید کے تین اساسی محور	حامد کمال الدین
موحد تحریک	حامد کمال الدین
آپ کے فہم دین کا مصدر کیا ہے؟	حامد کمال الدین
اہل کتاب سے برائت	ڈاکٹر سفر الحوالی
صیام اور بندگی کے معانی (کتاب و آڈیو)	حامد کمال الدین
یہ گرد نہیں بیٹھے گی!	حامد کمال الدین
یہ وہی انگریزی نظام ہے، مگر اب یہ 'اسلامی' بھی ہے!	حامد کمال الدین

کتب خانوں، یا ہم سے بذریعہ وی پی، طلب فرمائیے، انٹرنٹ پر بھی دستیاب www.eeqaz.com, www.eeqaz.org

ایقاظ کے مضامین پھیلایئے، البتہ

فوٹو سٹیٹ کرانے کی ضرورت نہیں!

ہم اپنے اُن قارئین کے ممنون ہیں جنھوں نے ایقاظ کے بعض گزشتہ مضامین یہاں کے فکری حلقوں تک زیادہ سے زیادہ پہنچانے میں دلچسپی ظاہر فرمائی ہے۔

اِس بات کے پیش نظر کہ مضامین کو فوٹو سٹیٹ کر کے تقسیم کرنا مہنگا پڑتا ہے،
ادارہ ایقاظ اپنے اِن قارئین کیلئے یہ سہولت پیش کرتا ہے کہ:

تقسیمِ عام کیلئے آپ ایقاظ کے حالیہ یا گزشتہ کسی بھی شمارہ میں شائع شدہ کوئی بھی مضمون الگ سے طلب فرما سکتے ہیں۔

آپ کا کوئی بھی طلب کردہ مضمون ادارہ ایقاظ آپ کو 25 پیسے فی صفحہ کے حساب سے ارسال کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی مضمون 40 صفحے کا ہے تو وہ آپ کو 10 روپے میں پڑے گا۔ ڈاک خرچ بھی بذمہ ادارہ ہوگا۔ البتہ چونکہ یہ سہولت تقسیم عام کیلئے پیش کی جارہی ہے لہٰذا کسی بھی مضمون کی ایک صد کاپی طلب کرنا ضروری ہوگا۔

Ph: **0323-403-1624**   matbooateeqaz@gmail.com

شجرِ سلف سے پیوستہ، فضائے عہد سے وابستہ

سہ ماہی ایقــــاظ

خصوصاً اِن موضوعات کے مطالعہ کیلئے:

☆ ایمان، عقیدہ، فکر، منہج، تربیت...... جو کہ بصیرت کی اساس ہیں

☆ ولاء اور براء...... جو کہ مسلم شخصیت کی پہچان ہیں......

☆ امتِ اسلام میں اخوت اور وحدت کے پنپنے اور انسانوں کے گرد کھڑی کردی گئی سب سرحدوں کو بے وقعت کردینے کی دعوت، سوائے اُن 'حدوں' کے جو معبود کے تعین اور طرزِ حیات کے چناؤ سے وجود میں آتی ہیں

☆ تحریک، سماجی تبدیلی، تہذیبی پیش رفت، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت، تعلیم،...... باطل، شرک، ابتداع، فسق اور انحراف کے جملہ مظاہر کی تردید ومخاصمت، جاہلیت سے دوبدوئی...... جو کہ جہاد کے کچھ اہم ابواب ہیں

☆ انسانی رشتوں کا پاس، محروم، نادار، پسے ہوئے طبقے کی خیر خواہی اور اعلیٰ قدروں کی ترویج...... جو کہ مکارمِ اخلاق کے کچھ اہم مندرجات ہیں

- ایقاظ ایک منبر ہے اُس مبارک مشن میں تحریری شمولیت کیلئے جس کا مقصد آج کے اسلامی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں کو عقیدہ کے ایک اصیل متوازن منہج سے آراستہ اور ایک ٹھوس فکری اہلیت سے لیس کردینا ہے اور اہلسنت گروہوں سے وابستہ تحریکی وجہادی وسماجی عمل کو فکری وثقافتی پہلوؤں سے مضبوط کردینا

- ایقاظ ایک کاوش ہے جذبہ کو بصیرت میں مدغم کردینے اور عمل کو علم سے برآمد کرنے کا منہج سامنے لانے کی

- ایقاظ ایک صدا ہے یہاں کے علمی ودعوتی حلقوں میں اس فقہِ اختلاف اور فقہِ ائتلاف کو زندہ وبحال کرنے کی جو کہ اہلسنت کا ایک امتیازی خاصہ اور ان کی قوت کا تاریخی راز ہے، اور جس کے عام ہوجانے سے حق کی قوتیں اپنے آپس کے وہمی معرکے ختم کرکے ایک نئے سرے سے متحد وصف آرا ہوں گی اور اتحاد ویکجہتی کے وقتی وسطحی وغیر طبعی مظاہر سے نجات پائیں گی۔

336 D سبزہ زار، لاہور 0323-4031624
www.eeqaz.com